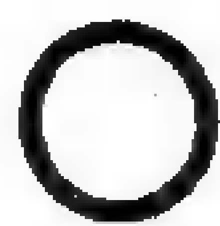
انتساب

حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام!



"ختم نبوّت کی حفاظت میرا جزوِ ایمان ہے۔ جو شخص اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کریگا میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاں صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اپنا نہ پرایا۔ میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں۔ جن کے حُسن و جمال کو خود ربّ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو۔ میں اُن کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے اُن پر جو اُن کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں (چوروں) کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔"

(سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

فہرست

****



دیباچہ

سرزمین پاک و ہند میں اسلام کی تاریخ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں تاریخ کے پہلے حصے میں صوفیائے عظام کے اسمائے گرامی آتے ہیں جنہوں نے اپنی رُوحانی طاقت اور حسنِ اخلاق سے اس کفرستان میں شمعِ اسلام روشن کی اور انتہائی نامساعد حالات میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کیا۔ ان بزرگوں میں یُوں تو بے شمار شخصیتیں ہیں جن کے طفیل غیر مُسلموں کی ایک کثیر تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی اور یُوں اسلام نے اہلِ ہند سے اپنی سچائی کا لوہا منوایا۔ لیکن بطورِ مثال ان میں سے چند شخصیتوں کے ذکر ہی کو کافی خیال کیا جائے گا۔

پنجاب میں جن بزرگانِ دین نے اسلام کی تبلیغ کو اپنا شعار بنایا۔ ان میں شیخ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی ہے جنہوں نے لاہور کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا اور ۳۹۵ھ میں لاہور تشریف لائے اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی ان کی مجلسِ وعظ میں شرکت کرتا اسلام قبول کیے بغیر واپس نہ جاتا ان کے علاوہ شیخ فخرالدین زنجانیؒ۔ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ اور حضرت سلطان باہوؒ کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔

اجمیر اور اس کے گرد و نواح میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کا نام نامی تبلیغ اسلام کے ضمن میں پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے ۱۲۳۴ھ میں اجمیر میں انتقال کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے جنازے میں لاکھوں مسلمان شریک تھے حالانکہ جب آپ اس علاقے میں تشریف لائے تو دور و نزدیک ایک بھی متنفس مسلمان نہ تھا۔ اسی طرح خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دہلی کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا اور ایک مدت تک دہلی کو رُشد و ہدایت کا مرکز بنا کر نورِ اسلام پھیلاتے رہے۔ ان سے بھی پہلے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا ذکر موجود ہے جن کے دستِ مبارک پر ہزاروں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ سندھ میں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ اور اوچ شریف کے علاقے میں سید جلال الدینؒ کا ذکر بھی ضروری ہے جن کے دم قدم سے سندھ اور اس کے گرد و نواح میں اسلام پھیلا۔

ان بزرگوں کی کاوشوں کو قیامت تک کے لیے بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا جنہوں نے بے سروسامانی کی حالت میں محض خداداد صلاحیتوں کے ساتھ، روحانیت کے بل بوتے پر غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد کو مسلمان بنایا اور یوں ہندوستان کے اندر اسلامی تاریخ کا آغاز ہوا۔

تاریخ کے دوسرے حصے میں ہمیں ہندوستان کے اُن علمائے حق اور اولیائے کرام کی بھی ایک فہرست نظر آتی ہے جو میدانِ عمل میں آکر اُن طاقتوں سے ٹکرا گئے جنہوں نے اسلام کی اس سرسبز شاداب کھیتی کو اپنے ملحدانہ نظریات کے ساتھ تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ اس تاریخ کا آغاز اکبر کے دور سے ہوتا ہے جبکہ مغلیہ سلطنت کے اس بادشاہ نے ابوالفضل اور فیضی کی مدد سے "دینِ الٰہی" جاری کرکے مسلمانوں سے اسلامی تہذیب و تمدن کا سرمایہ چھیننے کی کوشش کی تاکہ مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ اس دینِ باطل کو قبول کرکے آپس میں گڈمڈ ہو جائیں اور ان کی کوکھ سے ایک نئے مذہب کے پیروکار پیدا ہوں جو اکبر کو بادشاہ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک نئے دین کے پیغمبر کی حیثیت سے بھی اُسے تسلیم کرلیں اور اس طرح مسلمانوں کا ملّی تشخص ختم ہو کر رہ جائے۔

اکبر کے "دینِ الٰہی" سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت تک ہندوستان میں اسلام کے خلاف سازشوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے لیکن یہ خدا کے کام ہیں کہ ہر سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہر دَور میں فرزندانِ اسلام پیدا ہوتے اور انہوں نے اپنے علم و فضل اور جذبۂ جہاد کے ساتھ دین کے تحفظ کی خدمت کا فریضہ ادا کیا۔ اکبر کے "دینِ الٰہی" کی سرکوبی کیلئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر کے دینِ الٰہی کو قبول کرنے والے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے ایک رسالہ بھی تحریر کیا جس کا نام "اثبات النبوّت" ہے جس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بدلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت کیا کیونکہ ابوالفضل اور

اور فیضی نے جس دین کی داغ بیل ڈالی تھی اس پر ایمان لانے کے لیے رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس کے بعد جب شاہجہان کا بیٹا دارا شکوہ انہی نظریات کا علمبردار بن کر میدانِ عمل میں آیا تو خدا نے اسے شکست دینے کے لیے اس کے اپنے بھائی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو چنا اور یوں اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے بھائی دارا شکوہ کو شکست دے کر اسلام کے خلاف سازش کی اس دوسری کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔ بعض لوگ اس مقدس جنگ کو تخت نشینی کی جنگ کہہ کر لوگوں کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ یہ بات اپنی جگہ پر ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ یہ حق و باطل کی جنگ تھی جس میں اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی رہنمائی کا مقدس فریضہ ادا کیا اور دوسری جانب دارا شکوہ نے اکبر کے دینِ الٰہی کی علمبرداری کی۔

ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ پر تیسرا مشکل وقت وہ تھا جب شاہ ولی اللہ کے دور میں مرہٹے ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر کفر کی اس یلغار کو نہ روکا گیا تو مرہٹے برسرِ اقتدار آ کر ہند میں اسلام کے لیے مصیبت کا باعث بن جائیں گے اور اسلاف کی وہ کوششیں رائیگاں جائیں گی جو وہ تبلیغِ اسلام کے لیے سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور اندرونِ ملک نجیب الدولہ کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی جس کے ساتھ ہی اسلام کے خلاف یہ حملہ بھی ناکام ہو گیا۔ اور یوں قافلۂ اسلام ہند میں مشکل مراحل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں کے دفاع کا کام خدا کے نیک اور پاکیزہ انسانوں کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچتا رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تک کا دور، اہلِ اسلام کے لیے ایک نئی افتاد اپنے ساتھ لایا۔ انگریز عیاری اور مکاری سے کام لے کر ہندوستان کے اندر اپنی سیاسی طاقت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ اس دور میں بھی مسلمانوں نے جذبۂ

جہاد سے سرشار ہو کر کبھی سراج الدولہ کی قیادت میں ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں داد شجاعت دی تو کبھی مسلمان ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو شہیدؒ کی قیادت میں انگریزی جبر و اقتدار کے خلاف لڑے لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ ہندوستان کے اندر مسلمانوں کو غیر ملکی غلامی کے دن دیکھنے تھے۔ اپنوں کی غداری کی وجہ سے جہاد کی یہ کوششیں بظاہر ناکام ہو گئیں۔ میر جعفر اور میر صادق اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملی مفاد سے غداری کے مرتکب ہو کر قیامت تک کے لیے معتوب و مردود ہو گئے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن

سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریکِ حریت نے اہلِ اسلام کی ڈھارس بندھائی انہوں نے کمالِ ہمت سے کام لے کر قبائلی علاقے سے پنجاب کی اس وقت کی اسلام دشمن سکھ حکومت سے جہاد بالسیف کیا اور پشاور تک کا علاقہ دشمنوں سے چھین لیا جہاں اسلامی حکومت کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ لیکن یہاں بھی اپنے ہی آڑے آئے۔ سکھوں کے ساتھ مل کر ہندوستان کے غدار مسلمانوں نے اس عظیم طاقت کو تباہ و برباد کر دیا جو پنجاب پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزی اقتدار کو ہندوستان سے ختم کرنا چاہتی تھی۔ مئی ۱۸۳۱ء میں سرفروشانِ اسلام کا یہ قافلہ بالاکوٹ کے مقام پر قربان ہو گیا اور یوں اپنے پیچھے اہلِ جنوں کے لیے گہرے نقشِ پا چھوڑ گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی مسلمانوں نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر شوقِ شہادت پورا کیا جنرل بخت اور جنرل احمد اللہؒ کے کارنامے وہ کارنامے ہیں جن کو گذرتے وقت کا سمندر اپنی گہرائیوں میں ہرگز نہ سمیٹ سکے گا۔

۱۸۵۷ء میں آزادی حاصل کرنے کی آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی جس سے مسلمانوں کے دل بُری طرح مجروح ہوئے اور اُن کے دماغ اس صدمے سے مفلوج ہو کر رہ گئے۔ اس وقت مسلمان، انگریزوں کی سیاسی غلامی کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے آثار اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان پر قابض ہوتے ہی اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی عقائد اور جذبۂ جہاد کو ملیا میٹ کرنے کی مکروہ کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ہندوستان کے اکناف و اطراف میں پوپ و پادری مسیحیت کا پرچار کر کے، مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل

کرنے میں پوری طرح مصروف ہو گئے۔ دُور و نزدیک جدید تعلیم کے نام پر مسلمان نسل کو دین سے دُور لے جانے کی ایک بھرپور کوشش شروع ہو گئی۔ عیسائی پادری اور علمائے اسلام کے مناظرے روزمرہ کا شعار بن گئے۔ علمائے اسلام اگرچہ ان مناظروں میں صداقتِ اسلام کے ایمان پرور نظارے پیش کر رہے تھے تاہم افکار و عقاید میں ایک تزلزل پیدا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ خود ملتِ اسلامیہ کے اندر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت فرقہ بندی کو ہوا دی جا رہی تھی۔ مذہبی مناظروں اور بحث مباحثوں کی یلغار سے اہلِ اسلام کی صفوں میں انتشار پیدا ہو رہا تھا جس سے جہاں مسلمانوں میں ایک طرف ذہنوں میں انتشار اور طبیعتوں میں بیزاری پیدا ہوئی وہاں دوسری طرف اسلام کے وقار اور احترام کو بھی شدید صدمہ پہنچا۔

غرضیکہ انگریز ایک منصوبے کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں کو مایوسی اور ناکامی اختلاف و نفاق کے جس مقام تک لے جانا چاہتا تھا لے گیا۔ جس کے بعد انگریز نے مسلمانوں کے اس عقیدے سے ناجائز فایدہ اٹھاتے ہوئے کہ قُربِ قیامت میں مسیح موعود نے آنا ہے، پنجاب سے اپنے ایک خاص دوست خاندان کے ایک فرد مرزا غلام احمد کو چُن کر اُس سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرایا تاکہ وہ اس دِگرگوں اور مفلوک الحال مسلمان قوم کی ذہنی پریشانی اور فکری ضعف سے فایدہ اٹھا کر اُن سے جذبۂ جہاد چھین لے اور سلطنتِ برطانیہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تخم ریزی کر کے انگریزوں کے دورِ اقتدار کی بُنیادیں مضبوط و مستحکم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ پنجاب کو خاص طور پر اس لیے چُنا گیا کیونکہ انگریز اس حقیقت سے پُوری طرح واقف تھا کہ پنجاب پر ۸۰ سالہ سکھ دورِ اقتدار نے مسلمانوں میں ذہنی انتشار، ضعیف الاعتقادی اور مذہب سے دُوری کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اسلامی تعلیم اور اسلامی معاشرے کی بُنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو اپنی تاویلی نبوّت کو چمکانے کے لیے یہاں سے آب و دانہ مہیا ہوُا۔ اُسے پنجاب کی سرزمین، جہاں کا مُسلمان پیری مریدی، تاویلات و الہامات کا دلدادہ تھا، راس آئی، بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گذرتا ہے بہت جلد

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

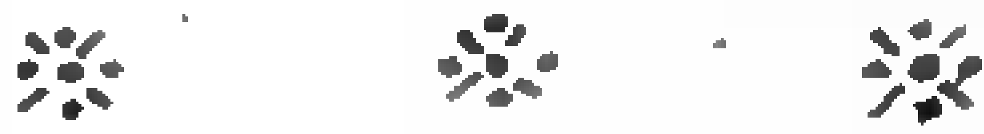
یوں اکبر کے دینِ الٰہی سے لے کر مرزا غلام احمد کی نبوت تک کی داستان ہندوستان کے مسلمانوں کی فکری اور عسکری عروج و زوال کی داستان ہے لیکن مرزا غلام احمد سے ایک نئی داستان شروع ہوتی ہے جس میں مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت اور اس کے پیروکار اگر ایک طرف اپنے باطل نظریات سے لیس ہو کر، مذہب کا لبادہ اوڑھے ہوئے مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش میں مصروف ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کے اندر غیور دینی و سیاسی رہنما نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے محدود وسائل کی حامل زندگی، اس فرقہ باطلہ کی سرکوبی کے لیے وقف کر دی لیکن مسیلمہ کذّاب کے جانشینوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ قوم کبھی مولانا محمد حسین بٹالوی(۱) مولانا ثناء اللہ امرتسری(۲) اور پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ(۳) کی قیادت میں اس گروہ کے خلاف برسرِپیکار رہی تو کبھی حضرت انور شاہ کاشمیری(۴) اور علامہ اقبال(۵) کی قیادت میں فکری محاذ پر ڈٹ گئی پھر ایک ایسی شخصیت میدانِ عمل میں آئی کہ جس کی پشت پر اس وقت کے علمائے حق کا ہاتھ تھا۔ جس کے دستِ مبارک پر پانچ صد علمائے حق نے بیعتِ جہاد کر کے امیرِ شریعت کا خطاب عطا فرمایا اور امیرِ شریعت نے اس خطاب کا حق اپنے عمل سے ادا کر دیا۔ امیرِ شریعت قصرِ باطل پر آسمانی بجلی بن کر گرے۔ اور اپنی پوری جماعت کو اس قادیانی گروہ کے مکروہ چہرے سے نقاب کشائی کے لیے مامور کر کے ملّتِ اسلامیہ پر احسان عظیم کیا۔ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ(۶) بخاری نے ردِّ قادیانیت کو ایک عوامی تحریک کا رنگ دے کر قادیانی جماعت کو زچ کر کے رکھ دیا۔ دبستانِ بخاری سے چوہدری افضل حق۔ تاج الدین انصاری۔ شیخ حسام الدین قاضی احسان احمد۔ مولانا محمد علی جالندھری۔ آغا شورش کاشمیری اور سیّد ابوذر بخاری جیسے لوگ اٹھے، جنہوں نے قادیانی تبلیغ، اس کی نشر و اشاعت کے سارے راستے مسدود کر کے اس تحریک دجل و فریب کے محاسبے کا حق ادا کر دیا۔ پھر انہی اکابرین کی مساعی سے ۱۹۳۴ء اور

۱۹۵۳ء میں تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوئے اور ہزاروں شہدائے ختم نبوّت نے اپنے پاک اور قیمتی خون سے وقت کے ماتھے پر یہ تحریر لکھ دی، کہ

"کوئی جھوٹا نبی خواہ کتنے ہی ظلّی و بروزی پردوں میں لپیٹ کر آئے مسلمان اُسے پہچانتے ہیں اور وہ ہر قسم کی قربانیاں دے کر یہ ثابت کر سکتے ہیں"

رُخِ مصطفٰےؐ ہے وہ آیئنہ کہ اب ایسا دوسرا آیئنہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں ہے نہ دُکانِ آیئنہ ساز میں

قافلۂ اہلِ جنوں عشق کی راہوں پر ان اکابرینِ اسلام کے نقشِ قدم پر یُونہی رواں دواں رہا حتیٰ کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کا دن بھی ان آنکھوں نے دیکھا جب جھوٹی نبوّت کے مکروہ چہرے پر معصوم طلباء کے پاک خون کے چھینٹے پڑے اور اس خون کا انتقام لینے کے لیے پوری قوم اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تاجر۔ وکلاء، علماء اور طلباء سب ایک ہی دُھن میں آگے بڑھتے گئے۔ جیل کی دیواریں اور جبر و تشدّد کا خوف کوئی بھی ان کی راہیں نہ روک سکا اور بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت وقت نے مسلمانانِ پاکستان کے مطالبۂ حق پر لبیک کہہ دیا۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر اس دور تک نہ جانے کتنے لوگوں نے دعوئ نبوت کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد دعوئ نبوت میں سفلہ صفت لوگوں کے لیے بلا کی کشش پیدا ہو گئی تھی ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایسے لوگ دعوئ خدائی کو ترجیح دیتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ انسانیت میں آپ سے پہلے ہمیں ہامان، شداد۔ فرعون۔ نمرود اور قارون کا تذکرہ ملتا ہے لیکن آپ کے بعد ہمیں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے۔ اس میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اس کارِ بد کی ابتدا کر دی تھی۔ اس کے بعد مختلف وقتوں میں مختلف لوگ اپنا خبثِ باطن دعوئ نبوّت کی صورت میں ظاہر کر کے شوقِ تقدس پورا کرتے رہے اور خدا کی مخلوق کو دامِ باطل میں پھنسا کر اپنی سفلہ خواہشات کو پورا کرنے کی سعئ ناپاک میں

مصروف رہے۔ ان میں اکثر کا حشر دنیا کے لیے باعثِ عبرت ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے عارضی کامیابی حاصل بھی کر لی لیکن انہوں نے اپنا دورِ تنزّل بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دراصل یہ سارے لوگ اسلام کے خلاف ایک سازش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کے لیے اہلِ اسلام میں کوئی حقیر سے حقیر انسان بھی کلمۂ تحسین ادا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مرزا غلام احمد ایسے سازشیوں میں سرِ فہرست ہے جس نے عین اس وقت جب مسلمان انگریز سے جنگِ آزادی میں مصروف تھے۔ دعویٰ نبوّت کر کے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی جسارت کی۔ انگریز نے اپنی ساری عیاریوں کا سہارا لے کر مسلمانانِ پاک و ہند سے رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھیننے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت مرزا غلام احمد قادیانی سے وہ کام لینے کی کوشش کی جو اس سے پہلے انگریزوں نے لارڈ کلایو کے ذریعے میر جعفر اور میر صادق سے لیا تھا۔ سیاسی میدان میں انگریزوں کے یہ حربے چونکہ انتہائی کامیاب رہے تھے اس لیے مذہبی میدان میں بھی ایک ایسے فرد کی تلاش تھی جو مسلمانوں سے جذبۂ آزادی اور جذبۂ جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھین لے۔ مکہ اور مدینہ سے ان کی عقیدت ختم کر کے قادیان سے رشتۂ الفت استوار کر دے۔ تاکہ مرکزیتِ اسلام کو تباہ و برباد کر کے مسلمانوں کو نئی ذلتوں کے غار میں بآسانی دھکیلا جا سکے۔

مرزا غلام احمد کی زندگی کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی دور میں مرزا غلام احمد نے مبلّغِ اسلام بننے کی کوشش کی۔ اور اس طرح آریہ سماجیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں کا سلسلہ شروع کیا لیکن آہستہ آہستہ "بدو کے اونٹ" کی طرح پاؤں پسارے اور یکے بعد دیگرے اَن گنت دعوے کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ داستان دلچسپ بھی ہے اور اندوہگیں بھی کہ کس طرح اس شخص نے انگریزی اقتدار کا سہارا لے کر تعلیماتِ اسلامی کا مذاق اڑایا۔ اسلام کے نام پر کفر و الحاد کو پھیلا کر ایک ایسے فتنے کی داغ بیل ڈالی جس نے ملّتِ اسلامیہ کے قلب و جگر کے لیے خنجرِ باطل کی حیثیت اختیار کر لی۔ کتاب کے پہلے دو ابواب میں یہی روئیداد بیان کی گئی ہے اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے کس چابکدستی اور ہوشیاری سے اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اس مقام تک لے

جاننے کی کوشش کی ہے جہاں پہنچانا انگریزوں کا مقصد تھا۔

محاسبے کی اس تاریخ کو قلمبند کرنے کا کام اہم اور انتہائی مشکل ہے جس کے لیے ایک ادارے کی ضرورت ہے جو محنت اور تحقیق سے کام لے کر ان افراد اور ان جماعتوں کے کارہائے نمایاں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرے جو مختلف ادوار میں اس تحریک باطلہ کا محاسبہ وتعاقب کرتے رہے ہیں تاکہ نئی مسلمان نسل کو اس بات کا احساس ہو کہ کس طرح ہمارے اسلاف نے ہمّت سے کام لے کر اس فتنے کی سرکوبی کی جو انگریزی فکر و دانش کے سایہ میں ملّتِ اسلامیہ اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے نمودار ہوا تھا اور کس طرح ایک صدی پر محیط تحریک تحفّظ ختمِ نبوّت مختلف ادوار اور مختلف مراحل طے کرتی ہوئی ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تک پہنچی جس دن پاکستان کے مسلمانوں نے کمال ہمت وشجاعت سے ایثار وقربانی کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مصوّرِ پاکستان علّامہ اقبال اور مجاہدِ اسلام امیرِ شریعت سیّد عطاء اللّٰہ شاہ بخاری کی ارواحِ مطہرہ کو سکون وتسکین کا سامان مہیّا کرے جو فکری اور عوامی محاذ پر اس تحریک کے سپہ سالاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں نے اپنی تحقیقی بے سروسامانی اور علمی کم مائیگی کے باوجود اس کام کی محض ابتدا کی ہے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس تاریخی سرمایہ کو محفوظ کر کے ماضی کی اس کہانی کو مستقبل کے حوالے کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ میری یہ کاوش اس میدان میں حرفِ آخر ہرگز نہیں۔ البتہ اسے حرفِ اوّل کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس ابتداء کو انتہا تک پہنچانا اہلِ علم اور اہلِ ایمان حضرات کا فرض ہے۔ مجھے توقع ہے کہ ایسے لوگ اس کام کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس قومی وملّی سرمایہ کو نئی نسل تک منتقل کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

زیرِ نظر کتاب ۱۹۱۲ء تک کے حالات پر مشتمل پہلا حصہ ہے جس کے بعد اس تحقیقی کام کو جاری رکھنے کا مصمّم ارادہ ہے۔ دوسرے حصّے میں ۱۹۵۳ء تک کے حالات ہونگے اور تیسرا حصہ ۱۹۵۳ء سے لیکر ۱۹۷۴ء تک کے حالات پر مشتمل ہوگا۔ احباب دُعا کریں کہ خدا اس کام کو مکمّل کرنے کی توفیق عطا کرے کہ شاید یہی ذریعۂ بخشش ہو جائے (آمین)

میرے دوست احباب کا ایک وسیع حلقہ ہے جنہوں نے میری اس تصنیف کے بارے میں حوصلہ افزائی فرمائی۔ ورنہ شاید میرے لیے یہ کام بھاری پتھر ثابت ہوتا۔ ان سب حضرات کا ممنون ہوں کہ ان کے تعاون سے یہ کتاب مکمّل ہوئی۔ خصوصاً میرے دوست ناصر شمسی، عطاء اللہ اعوان، حق نواز۔ یوسف عزیز۔ چوہدری صفدر علی اور ڈاکٹر معین الرحمن صاحبان کا میں شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ لوگ میرے ساتھ تعاون نہ کرتے تو کتاب کی اشاعت کبھی ممکن نہ ہوتی۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔

آخر میں میں اپنے عزیز دوست پروفیسر ریاض مجید کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جن کے مخلصانہ تعاون سے یہ کتاب اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ خدا ان کی یہ نیکی قبول کرتے ہوئے انہیں دنیا اور آخرت کی جزا سے سرفراز فرمائے۔ آمین

۷، ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ

۲۹، اکتوبر ۱۹۷۹ء

خالد شبیر احمد
شعبۂ سیاسیات گورنمنٹ کالج
فیصل آباد

سُنا ہے قادیاں میں بانسری بجتی ہے گوکل کی
مگر ہر بانسری والا کنہیا ہو نہیں سکتا
مجدد الف ثانیؒ سے غلام احمد کو کیا نسبت
ثریٰ جتنا بھی بڑھ جائے ثریّا ہو نہیں سکتا

(ظفر علی خاںؒ

پہلا باب

مرزا غلام احمد — ابتدائی احوال و آثار

خاندان — پیدائش — تعلیم — ملازمت — مناظرے

الہامات کا آغاز — براہین احمدیہ — مامور من اللہ

"اس امر کو سمجھنے کے لیے کسی خاص ذہانت یا غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے کہ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لیے کیوں مضطرب ہیں؟ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے فوائد کے ان کی موجودہ آبادی (۵۶۰۰۰) چھپن ہزار ہے۔ انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں دلا سکتی۔ اور اس لیے انہیں سیاسی اقلیت کی حیثیت بھی نہیں مل سکتی۔ یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ قادیانیوں نے اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مجالسِ قانون ساز میں ان کی نمائندگی نہیں ہو سکتی۔ نئے دستور میں ایسی اقلیتوں کے تحفظ کا علیحدہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے۔ حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کے لیے کیوں انتظار کر رہی ہے۔"

علامہ محمد اقبالؒ

مرزا غلام احمد کسی گمنام خاندان کے فرد نہیں بلکہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا تذکرہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ "سر لیپل گریفن" نے اپنی کتاب "تاریخ رئیسانِ پنجاب" میں مرزا صاحب کے خاندان کا قصہ بیان کیا ہے جس کا اردو ترجمہ سیّد نوازش علی شاہ مترجم دفتر گورنر پنجاب نے ۱۹۱۱ء میں سرکار کی اجازت سے کر دیا۔ اس کتاب کی جلد دوئم کے صفحہ ۶۶ کے مرزا صاحب کے خاندان کا ذکر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان سکھوں کے دورِ اقتدار میں بھی سکھوں کے ساتھ مل کر پنجاب کے مختلف علاقوں میں مسلمان حریت پسندوں کے خلاف شمشیر زنی کے جوہر دکھاتا رہا۔ جب انگریز پنجاب میں آئے اور سکھ دورِ حکومت زوال پذیر ہوا تو پھر مرزا صاحب کے اسلاف انگریزوں کے ساتھ مل کر اُن حریت پسندوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہوئے جو انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے۔

مرزا عطا محمد اور اس کے والد مرزا گل محمد (مرزا غلام احمد کے دادا اور پڑدادا) ابتدا میں سکھوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی میں ایک گروہ کے ساتھ مل کر دوسرے گروہ کے ساتھ لڑتے رہے لیکن جب مرزا عطا محمد اور گل محمد کی حلیف سکھ جماعت "اہلو والیا" کو شکست ہوئی اور یہ گروہ اپنی جاگیریں کھو بیٹھا تو سکھ سردار فتح سنگھ 'اہلو والیا' کے ہمراہ مرزا کے اب وجد کو بھی نقل مکانی کر کے قادیان کی بجائے بیگو وال کے علاقے میں جانا پڑا۔ بیگو وال کا عرصہ تقریباً ۱۲ برس کا بنتا ہے۔ بعد میں جب راجہ رنجیت سنگھ نے اکال گڑھ فتح کر لیا تو اہلو والیا خاندان کے ساتھ صلح کر لی جس کے نتیجہ میں مرزا عطا محمد اور اس کے خاندان کی جلاوطنی کا دور ختم ہو گیا اور یہ لوگ بیگو وال سے واپس قادیان

لہ شہنشاہ بابر کے عہدِ حکومت کے آخری سال ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کر لی یہ کسی قدر پڑھا لکھا آدمی تھا اور قادیان کے گرد و نواح کے ستر مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ قادیان اس نے آباد کیا اور اس کا نام "اسلام پور قاضی" لکھا جو بدلتے بدلتے قادیاں ہو گیا۔
تذکرہ رؤسائے پنجاب مصنفہ لیپل ایچ گریفن مترجم نوازش علی صفحہ ۶۶

چلے آئے۔ مرزا عطا محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا غلام مرتضیٰ راجہ رنجیت کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ چنانچہ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے فتح سنگھ اہلو والیا کی مدد سے ڈسکہ کو فتح کر کے قصور پر چڑھائی کی اور خان افتخار حسین خان والیٔ ممدوٹ کے مورثِ اعلیٰ نظام الدین خان کو شکست دی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرزا غلام مرتضیٰ کی فوجی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قادیان کی جاگیر کا ایک حصہ اُسے واپس کر دیا اور یوں یہ خاندان ایک مرتبہ پھر حکمرانوں کی نظر میں وفادار بن کر بڑے آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم رہ کر مہاراجہ کی ہر فوجی مہم میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں سیّد احمد شہیدؒ کے حریّت پسندوں کا جہاد دراصل اسی سکھ حکومت کے خلاف تھا۔ اس لیے کشمیر، پشاور اور ہزارہ پر سکھوں نے جتنے بھی حملے کیے تھے وہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔ ان حملوں میں مرزا صاحب کے والد اور بھائی مرزا غلام مرتضیٰ اور مرزا غلام قادر سکھ فوج میں ملازم ہو کر مُسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے اپنی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی ملازمت میں بسر کیا اور یہ وہی شیر سنگھ ہے جس کی قیادت میں بالاکوٹ کے مقام پر سیّد احمد شہیدؒ کے مجاہدوں کے ساتھ سکھوں کی آخری جھڑپ ہوئی۔ جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اسلام کے نام پر قربان ہوگئی۔

جب سکھ حکومت پر زوال آیا تو اس خاندان کی تمام تر وفاداریاں انگریز حکومت کی طرف منتقل ہوگئیں۔ مغلیہ سلطنت کے دورِ زوال پر یہ خاندان سکھوں کے ساتھ نتھی ہوگیا تھا اور جب سکھوں پر زوال آیا تو انگریزوں کی حمایت کرنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے افراد میں موقعہ شناسی اور موقعہ پرستی کا جوہر کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ چڑھتے سورج کی پرستش کو جزوِ ایمان خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی مرزا غلام احمد کے خاندان نے مُسلمان حریّت پسندوں کے خلاف اور

27032

انگریزوں کے حق میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ مرزا غلام مرتضےٰ نے جو کہ اب بوڑھے ہو چکے تھے اور خود فوجی خدمات کے قابل نہ رہے تھے پچاس گھوڑے مع سوار انگریزوں کی خدمت میں پیش کیے اور اپنے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر (جو کہ مرزا غلام احمد سے بڑے تھے) کو باقاعدہ انگریزی فوج میں بھرتی کروایا۔ جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ایماء پر شرکت کر کے سیالکوٹ کے حریت پسندوں کو تہ تیغ کیا کیونکہ وہ اس وقت ۴۶۔ نیو انفنٹری میں ملازم تھا جو جنرل نکلسن کی قیادت میں اسی مہم پر مامور تھی۔ فوجی خدمات کے اعتراف میں جنرل مذکور نے مرزا غلام قادر کو ایک سند بھی عطا کی جس میں لکھا تھا کہ

("ان کا خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا")

خود مرزا غلام احمد اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔

"میرے والد غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکامِ وقت سے بجا آوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے اپنی کتاب "رئیسانِ پنجاب" میں ان کا تذکرہ کیا ہے غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لیے حکامِ وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آکر ان سے ملاقات کرتے تھے۔"

اشتہار واجب الاظہار مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۷ء
صفحہ ۳ تا ۶ ملحقہ بکتاب البریہ

"میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیرخواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیرخواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی۔ اور جن کا ذکر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسانِ پنجاب

میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکارِ انگریزی کی مدد کی تھی۔ یعنی پچاس گھوڑے اور سوار بہم پہنچاکر عین زمانہ غدر کے وقت سرکارِ انگریزی کی امداد میں دئیے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیاتِ خوشنودئی حکام ان کو ملی تھیں، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں مگر تین چٹھیات جو مدّت سے چھپ چکی ہیں ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدماتِ سرکاری میں مصروف رہا۔ اور جب تمّوں کی گذر پر مفسدوں کا سرکارِ انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکارِ انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔"[1]

کتاب البریہ اشتہار مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۸۹۷ء ص ۳
مصنفہ غلام احمد ملحق بکتاب البریہ)

مرزا غلام احمد نے اپنے خاندان کے بارے میں بہت سی معلومات مہیا کی ہیں اپنی کتاب اربعین میں انہوں نے تحریر کیا ہے۔

"یاد رہے[2] کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے کوئی تذکرہ ہمارے خاندان کی تاریخ میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا۔ ہاں بعض کاغذات میں دیکھا گیا ہے کہ ہماری دادیاں شریف اور مشہور سادات میں سے تھیں۔ اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی[3]

---

[1] منقول از "قادیانیت" مصنفہ ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۲۲

[2] اربعین حاشیہ صفحہ ۱۷

[3] الہام میری نسبت یہ ہے لوکان الایمان معلقا باالثریا لنالہٗ رجل من فارس
ترجمہ: یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہ جاکر اُسے لے لیتا۔
(کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴)

خاندان ہے سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں کیونکہ خاندان کی حقیقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں۔ اُسی کا علم صحیح اور یقینی ہے اور دوسرے کا شکّی اور ظنّی ہے۔"

چنانچہ مرزا صاحب اپنی قوم مغل اور شاخ برلاس بتاتے ہیں، لیکن بعد میں انہیں الہام کے ذریعے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ "فارسی الاصل" بھی ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے مترشح ہے۔ .... یہاں پر یہ بات بھی واضح ہو کہ "رجل من فارس" کا لفظ بعض احادیث میں مذکور ہے جس سے مراد علمار محدثین حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ لیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد کے اسلاف صاحب جائداد بزرگ تھے۔ اور پنجاب میں اُن کی اچھی خاصی جائداد تھی۔ ان کے پردادا مرزا گل محمد رئیسانہ شان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا دستر خوان وسیع تھا۔ جب اس خاندان کو زوال آیا تو سکھ حکومت نے ان سے اس خاندان کے تمام دیہات چھین لیے حتیٰ کہ مرزا صاحب کے دادا مرزا عطا محمد کے پاس صرف ایک دیہات قادیان رہ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سکھوں نے مرزا عطا محمد کے پاس سے یہ دیہات بھی لے لیا اور انہیں وہاں سے باہر نکال دیا۔ رنجیت سنگھ کے دور آخر میں مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ کو واپس قادیان آنے کی اجازت مل گئی جس کے بعد مرزا غلام احمد کو پانچ دیہات مل گئے جیسا کہ مرزا صاحب اپنی کتاب "کتاب البریہ" میں اپنے خاندان کے بارے حالات قلمبند کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"اب میرے سوانح اس طور پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس نواح کے تھے۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا

صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا . . . . عطا محمد صاحب فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور وہ پنجاب کی ریاست[1] میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانے میں میرے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ دیہات واپس ملے"[2]

اسی طرح مرزا صاحب ایک دوسری جگہ اپنے باپ کی سرکار برطانیہ کی فوجی امداد کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جوان جنگ جو بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ گورنمنٹ عالیہ کو مدد دی تھی"[3]

پیدائش:۔

مرزا غلام احمد کی پیدائش سکھ حکومت کے آخری عہد میں پنجاب میں ضلع گورداسپور کے ایک قصبے قادیان میں ہوئی۔ یہ قصبہ امرتسر سے شمال مشرق کو ریلوے لائن پر ایک پرانے شہر بٹالہ سے صرف گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش اگرچہ صاف اور واضح نہیں تاہم اُن کی اپنی کتابوں میں پیدائش کے بارے میں تذکرہ موجود ہے

۱؎ یہ ریاست بیگووال تھی جس کا تذکرہ لیپل گریفن اپنی کتاب "رؤسائے پنجاب" میں کرتا ہے

۲؎ کتاب البریہ مصنفہ غلام احمد صفحہ ۱۳۴

۳؎ تحفہ قیصریہ صفحہ ۱۶ مصنفہ مرزا غلام احمد

"اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ یا ۱۸۴۰ میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ میں سولہ برس سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا"[1]

لیکن مرزا صاحب کے مشہور حریف مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب "تاریخ مرزا" میں مرزا صاحب کی ایک دوسری کتاب تریاق القلوب کے حوالے سے مرزا صاحب کا سن پیدائش ۱۸۴۵ تحریر کیا ہے۔

"مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش صاف تو ملتی نہیں البتہ ان کی اپنی کتاب "تریاق القلوب" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۶۰ھ بطابق ۱۸۴۵ میں پیدا ہوئے"[2]

سن پیدائش کے بارے میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مرزا بشیر الدین محمود نے جو سپاسنامہ ۱۹۲۲ء میں حکومت برطانیہ کے حضور پیش کیا تھا اس میں انہوں نے مرزا غلام احمد کا سن ولادت ۱۸۳۶ تحریر کیا ہے جس حساب سے ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے وقت مرزا صاحب کی عمر ۲۱ برس بنتی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب قادیانیت کے صفحہ ۲۳ کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ عمر میں ترمیم اس مقصد کے حصول کے لیے کی گئی تھی کہ مرزا غلام احمد کی ایک پیش گوئی کو صحیح ثابت کیا جا سکے یہ پیش گوئی مرزا صاحب نے "اربعین" میں درج کی ہے۔ "ہم تمہیں ایک پاک اور آرام کی زندگی دیں گے اسی برس یا اس کے قریب قریب۔" لیکن اس کے باوجود یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ اسی طرح شیخ محمد اکرام ایم اے (مصنف آب کوثر، موج کوثر، رود کوثر) نے مرزا غلام احمد کی تاریخ پیدائش ۱۸۳۷ تحریر کی ہے۔
(موج کوثر صفحہ ۱۷۷)

تعلیم

مرزا صاحب کسی باقاعدہ درس گاہ کے تعلیم یافتہ نہ تھے بلکہ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی

---

[1] کتاب البریہ ص ۱۳۴، ص ۱۳۵ مصنفہ مرزا غلام احمد
[2] تاریخ مرزا صفحہ ۸ مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری

حاصل کی۔ والد نے مختلف وقتوں پر کچھ لوگوں کو ملازم رکھ چھوڑا تھا جن سے مرزا صاحب حسب استطاعت علم حاصل کرتے رہے۔ ابتداءً فارسی پڑھی جس کے بعد عربی اور پھر ایک شیعہ عالم مولوی گل علی شاہ سے نحو، منطق اور حکمت کی کتابوں کا درس لیا لیکن یہ سلسلہ تدریس ادھورا رہا۔ جس کی ایک وجہ مرزا صاحب کے والد صاحب کا اس بات پر اصرار تھا۔ کہ مطالعہ کم کیا جائے تاکہ صحت خراب نہ ہو حالانکہ خود مرزا صاحب کو ان دنوں مطالعہ کا بیحد شوق تھا وہ لکھتے ہیں:۔

"ان دنوں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے نیز ان کا یہ مطلب بھی تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر اُن کے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہُوا۔ میرے والد صاحب اپنے آبا و اجداد کے دیہات دوبارہ لینے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا۔ ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بے ہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا۔ وہ لکھتے ہیں ــ "اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا[1]"

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کی تعلیم بعض نجی اور ناگزیر معاملات کی وجہ سے نامکمّل اور ادھوری رہ گئی۔ اگرچہ انہیں اس بات کا غم بھی تھا۔ جب سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا تو اس کے فوراً بعد مرزا صاحب نے ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت میں بھی ان کا جی نہیں لگا اور چند برس کے بعد ہی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

---

[1] کتاب البریہ صفحہ ۱۵۱۔ منقول از قادیانیت مولانا ابو الحسن علی ندوی صفحہ ۲۳-۲۴

دورانِ ملازمت سیالکوٹ میں سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ یہی دور ہے کہ مرزا صاحب نے مذہبی معاملات میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور رفتہ رفتہ یہ دلچسپی انہیں عیسائیوں کے مقابل مناظروں کے میدان میں لے آئی اور یوں سلسلۂ تعلیم مکمل طور پر منقطع ہو گیا۔ آئمہ تلبیس کے مصنف رفیق دلاوری ان کی تعلیم کے بارے یوں رقمطراز ہیں :۔

"مرزا غلام احمد کے ایامِ طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ بٹالہ میں مطب کرتے تھے اور مرزا غلام احمد بھی باپ ہی کے پاس بٹالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات برس کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بندھنوں میں جکڑ دیا۔ یہ پہلی بیوی قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی محترمہ حرمت بی بی خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں جنہیں قادیانی نے معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ کبھی نان و نفقہ دیا اور نہ طلاق دے کر ہی بیچاری کی گلو خلاصی کی۔ ابھی سولہ برس کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ [۱۷] اٹھارہ [۱۸] برس کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ بٹالوی نام کے ایک مدرس کے سپرد کر دیا جو شیعی المذہب تھے۔ ان کی شاگردی میں منطق و فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا۔"[۵]

ملازمت (۱۸۶۴ء)

زمانہ تعلیم ہی کی بات ہے کہ مرزا صاحب ایک مرتبہ اپنے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کے ہمراہ پنشن کی رقم لینے کے لیے گورداسپور چلے گئے۔ تقریباً سات صد روپے کی یہ رقم اس لحاظ سے اہم سمجھی جاتی تھی کہ خاندان کی معاشی ضروریات کا اسی پر انحصار تھا۔ رقم

---

۵ آئمہ تلبیس مصنفہ رفیق دلاوری صفحہ ۵۵

وصول کرنے کے بعد صلاح یہ ٹھہری کہ لاہور اور امرتسر کی سیر کی جائے۔ چنانچہ دو بھائی رقم وصول کر کے قادیان آنے کی بجائے لاہور اور امرتسر کی سیر میں مصروف ہو گئے[1]۔ اور چند ہی روز میں پوری رقم سیر سپاٹے میں اڑا دی۔ اب گھر آنے کی بجائے سیالکوٹ جانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ یہاں پر مرزا صاحب کی ملاقات اپنے پرانے ہندو دوست لالہ بھیم سین سے ہوئی جو بٹالہ میں دورانِ تعلیم ان کا ہم مکتب رہ چکا تھا۔ لالہ بھیم سین اُن دنوں میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں ملازم تھا۔ جس کی کوشش سے مرزا صاحب بھی ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پندرہ[5] روپیہ ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ ایک دفعہ مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کا امتحان دے رہا ہے تو مرزا صاحب بھی امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے دونوں نے اکٹھا امتحان دیا۔ لیکن لالہ بھیم سین کامیاب ہوئے۔ جبکہ مرزا غلام احمد ناکام رہے جس کے بعد جلد ہی مرزا صاحب نے ملازمت سے استعفاء دے دیا۔ ملازمت کی یہ عمر چار سال بنتی ہے یعنی ۱۸۶۴ء میں ملازمت اختیار کی اور ۱۸۶۸ء میں استعفاء دے دیا۔

مناظرے اور ملاقاتیں:۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مرزا صاحب نے ملازمت کے دوران ہی سیالکوٹ میں عیسائیوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیئے تھے اور اس امر کے بھی وافر ثبوت ہیں کہ مذہبی مناظروں کے ساتھ ساتھ پادریوں کے ساتھ تخلیہ میں بعض اوقات ملاقات بھی ہو جاتی تھی اور

---

[1] بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلے گئے جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور اِدھر اُدھر پھراتا رہا اور پھر جب آپ نے سارا روپیہ اڑا دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے گھر واپس نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشاء رہتا تھا کہ کہیں ملازم ہو جائے اس لیے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد) صفحہ ۴۳

یر تک مرزا صاحب ان پادریوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف رہتے تھے بعد میں رونما
نے والے حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ملاقاتیں خاصی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔
یونکہ ان ملاقاتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ پوپ و پادری جو عوام میں مرزا صاحب سے
یے تلخ و ترش مناظرے کیا کرتے تھے علیحدگی میں مرزا صاحب سے شیر و شکر ہو جاتے تھے
نہیں میں سے ایک پادری جس کا نام "بٹلر" ہے جو اکثر مرزا صاحب سے سیالکوٹ میں مناظرے
رتا تھا۔ لندن جانے سے پہلے مرزا صاحب کو بڑے ذوق و شوق اور پیار و محبت سے ملنے
تا ہے اور مرزا صاحب سے ملاقات کر کے لندن روانہ ہو جاتا ہے ۔اس ملاقات کی کہانی
بدالقادر صاحب اپنی کتاب "حیاتِ طیبہ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کو اس زمانے میں مباحثے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب سے جو دیسی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں رہا کرتے تھے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ نجات کی تعریف کیا ہے اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں۔ مفصّل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی۔ اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم اے جو بڑے فاضل اور محقق تھے ان سے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہُوا۔ یہ صاحب موضع گوہر پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح صاحب کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ ستر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی نسل سے بریّت کیسے۔ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی تھی جس سے آدم نے درختِ ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہیئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی محفوظ رہتے۔ اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کرتے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے کچہری تشریف لائے ڈپٹی کمشنر صاحب پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اس لیے ان سے آخری ملاقات کروں گا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے۔"[1] (حیاتِ طیّبہ صفحہ ۳۰-۳۱ مصنفہ عبدالقادر)

---

[1] آغا شورش کاشمیری نے اپنی کتاب تحریکِ ختمِ نبوت کے صفحہ ۲۲، ۲۳ پر ان ملاقاتوں کا سیاسی پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :۔

" انگلستان کی حکومت نے ہندوستان سے برطانوی عمّال کی ان یادداشتوں کا جائزہ لینے اور صورتِ حال کا بلا واسطہ مطالعہ کرنے کے لیے ۱۸۶۹ء کے شروع میں برٹش پارلیمنٹ کے ممبروں، بعض انگلستانی اخبار کے ایڈیٹروں اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا۔ وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ پتہ چلائے کہ ہندوستانی عوام میں وفاداری کیونکر پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو سلب کر کے انہیں کس طرح رام کیا جاسکتا ہے۔ اس وفد نے واپس جاکر دو رپورٹیں مرتب کیں۔ جن ارکان نے "THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA"

"ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی آمد" کے عنوان سے رپورٹ لکھی اُنہوں نے لکھا:

"ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی رہنماؤں کی اندھا دھند پیروکار ہے اگر اس وقت ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو اپاسٹالک پرافٹ (حواری نبی) ہونے کا دعویٰ کرے تو اس شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں

مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات :-

مرزا صاحب ۱۸۶۸ء میں ملازمت سے مستعفی ہو کر قادیان واپس آئے اور دوبارہ اپنے گھریلو کاموں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ..... وہ ... اپنے گرد و پیش کے حالات سے مطمئن نہ تھے۔ بزرگوں کے دیہات قبضے سے نکل چکے تھے جنہیں واپس لینے کے لیے اگرچہ والد نے مقدمات دائر کر رکھے تھے لیکن آٹھ سال کے طویل عرصے کی مقدمہ بازی کے باوجود دیہات واپس نہ ملے۔

انہیں دنوں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کے رفیق اور ہم مکتب مولانا محمد حسین بٹالوی دہلی سے تعلیم حاصل کر کے واپس بٹالہ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات کی غرض سے بٹالہ آئے اور دورانِ ملاقات اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قادیان سے ان کا جی اُچاٹ ہو چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کسی دوسرے شہر میں جا کر قسمت آزمائی کی جائے مولانا محمد حسین بٹالوی کے ساتھ ملاقات میں مرزا غلام احمد نے نقل مکانی پر بات چیت کے علاوہ ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا جس میں اسلام کے علاوہ دوسرے باطل ادیان کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پروان چڑھا کر برطانوی مفادات کے لیے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔"

مرزا غلام احمد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ (پنجاب) کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ پر ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک ملازم تھے۔ آپ نے ملازمت کے دوران سیالکوٹ کے پادری مسٹر بٹلر ایم اے سے رابطہ قائم کیا وہ آپ کے پاس عموماً آتا اور دونوں اندر خانہ بات چیت کرتے۔ بٹلر نے وطن جانے سے پہلے آپ سے تخلیہ میں کئی ایک طویل ملاقاتیں کیں پھر اپنے ہم وطن ڈپٹی کمشنر کے ہاں گیا۔ اس سے کچھ کہا اور انگلستان چلا گیا۔ ادھر مرزا صاحب استعفیٰ دے کر قادیان آ گئے اس کے تھوڑے عرصہ بعد مذکورہ وفد انگلستان پہنچا اور لوٹ کر مجوزہ رپورٹیں مرتب کیں۔ ان رپورٹوں کے فوراً بعد ہی مرزا صاحب نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا۔ برطانوی ہند کے سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا ان میں سے مرزا صاحب نبوت کے لیے نامزد کیے گئے۔"

مدلّل طریقے سے رد منظور تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب کو اس کام کے لیے لاہور تجویز کیا اور ساتھ ہی ہر ممکن امداد کا یقین دلایا کیونکہ بٹالہ آنے سے پہلے ہی مولانا محمد حسین بٹالوی کو لاہور میں مسجد اہل حدیث چینیاں والی کی خطابت مل چکی تھی۔ مولانا نے مرزا صاحب سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تالیف و تصنیف کے کام میں بڑی مشکل یہ ہے کہ کتابیں ایسے آدمی کی ہی پڑھی جاتی ہیں جس نے کتاب لکھنے سے پہلے علمی میدان میں شہرت حاصل کر لی ہو۔ مشہور آدمی کی کتاب ہاتھوں ہاتھ بکتی ہے جبکہ غیر معروف آدمی کو اس میدان میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے علمی شہرت کے لیے لاہور کو منتخب کیا اور قادیان سے لاہور منتقل ہو کر مولانا محمد حسین بٹالوی کے پاس ہی رہائش پذیر ہو گئے۔

جن دنوں مرزا صاحب لاہور منتقل ہوئے ان دنوں لاہور کی مذہبی فضا کو ایک ہندو پنڈت "دیانند سرسوتی" کے مناظروں نے اچھا خاصا مکدّر کر رکھا تھا۔ پنڈت جی کے علاوہ کبھی کبھی کوئی عیسائی پادری بھی مسلمانوں کے ساتھ مناظرے اور مباہلے کے لیے تیار ہو جاتا۔ مناظروں اور مباہلوں میں یہ لوگ اسلام کے خلاف کافی زہر اُگلتے تھے جس کی وجہ سے مسلمان اچھے خاصے مشتعل تھے۔ ان مناظروں کے لیے عموماً بیرون لوہاری دروازہ کا انتخاب کیا جاتا۔ مرزا غلام احمد نے شاید لاہور میں کہیں ایسے مناظرے دیکھے یا نہیں بہر حال مبلّغ اسلام بن کر بطور مناظر، ان مناظروں میں شرکت کا پروگرام بنا لیا۔

"مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کے بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں کے ساتھ الجھ کر شہرت و نمود کی دُنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموّج و تکدّر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اُگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اس وقت اہل حدیث کی مسجد "چینیاں" لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر انہی کے پاس مسجد چینیاں والی میں قیام کیا اور

شب و روز "تحفۃ الہند" "تحفۃ الہنود" "حلعت الہنود" اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلے میں "ہل من مبارز" (کوئی مقابلہ کرے گا) کا نعرہ لگایا۔ ان دنوں میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں۔ غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے جوڑ کی تلاش میں رہتا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دُھن لگی رہتی تھی۔ قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادمِ دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا اور نہ تو ابھی کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ ہی الحاد و زندقہ کے کوچے میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا۔ چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیان چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کر دیئے چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہیں تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی اس لیے آریہ لوگوں کی شرائط کے مقابلے میں بالکل چکنے گھڑے کے مصداق بنا ہوا تھا ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بہ لطائف الحیل ٹال جاتا تھا۔ اور اپنی طرف سے ایسی ناقابلِ قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعہ اشتہارات موسومہ بہ "تبلیغ رسالت" کی جلد اوّل کی ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ۔[1]

الہامات کا آغاز:۔

آریہ سماجیوں سے بحث و تمحیص کا آغاز کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو مرزا صاحب

---

[1] آئمہ تلبیس جلد دوم مصنفہ رفیق دلاوری صفحہ ۴۵۷

نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور اس طرح انہوں نے قیام لاہور کے دوران شہرت کی جانب پہلا قدم اٹھا کر مذہب کے نام پر تحریک شروع کر دی۔ لوگوں کی چہل پہل اور تقدس و بزرگی کے ہالے ارد گرد دیکھ کر مرزا صاحب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ انہیں اپنے من کی مراد ملتی نظر آ رہی تھی چنانچہ قادیان واپس آ کر بذریعہ اشتہار بازی آریہ سماجیوں کے خلاف اپنی تحریک جاری رکھی۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنے مُلہم اور مستجاب الدعوات ہونے کا پرچار بڑے وسیع پیمانے پر شروع کر دیا جس کے نتیجے میں لوگوں کی کثیر تعداد مختلف اطراف سے قادیان آنا شروع ہو گئی۔ ان دنوں مرزا صاحب لوگوں سے الگ تھلگ ایک علیحدہ کمرے میں قیام کرتے اور یہیں بیٹھ کر الہام سوچتے۔ رفتہ رفتہ یہ الہامات اتنی کثرت کے ساتھ شروع ہوئے کہ ان کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک نوعمر ہندو لڑکا ملازم رکھنا پڑا جس کا نام شام لال بتایا جاتا ہے ویسے بھی قادیان کے ہندو معززین مرزا غلام احمد کے زیادہ قریب ہو گئے تھے۔ خاص طور پر لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل مرزا صاحب کے خاص حاشیہ نشین تھے۔ لوگ اس کثرت کے ساتھ قادیان آئے کہ ان کے لیے ایک لنگر خانہ کھولنا پڑا۔ دن رات لوگ اس لنگر خانے میں آتے رہتے۔ ایک یا دو دن قیام کر کے واپس چلے جاتے۔ مرزا صاحب سے اپنی حاجات کے لیے دعائیں کرائی جاتیں اور جاتے ہوئے نذر و نیاز ہدیے اور چڑھاوے وغیرہ دے جاتے۔ چنانچہ جیسے جیسے یہ سلسلہ زور پکڑتا گیا، مرزا صاحب کی اشتہار بازی میں بھی تیزی اور شدت پیدا ہوتی گئی۔ یہ اشتہارات کس نوعیت کے تھے اس کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

اشتہار انعامی پانچ سو روپیہ

اشتہار ہذا اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ ۷ دسمبر ۱۸۷۷ء کو "وکیل" وغیرہ اخبار میں بعض لائق فائق آریہ سماج والوں نے بابت روحوں کے اصول اپنا شائع کیا ہے کہ ارواح موجودہ بے انت ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ "پرمیشر" کو بھی ان کی تعداد معلوم نہیں۔ اسی واسطے ہمیشہ مُکتی پاتے

رہتے ہیں اور پاتے رہیں گے مگر کبھی ختم نہیں ہوویں گے۔ تردید اس کی ہم نے ۹ فروری سے ۹ مارچ تک "سفیرِ ہند" کے پرچوں میں بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ اصول مذکور سراسر غلط ہے۔ اب بطور اتمام حجت کے یہ اشتہار بتعداد پانچ سو روپیہ مع جواب الجواب باوانرائن سنگھ صاحب سیکرٹری آریہ سماج امرتسر کے تحریر کر کے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں۔ اگر کوئی صاحب آریہ سماج والوں سے بپابندی اصول مسلّمہ اپنے کے کل دلائل مندرجہ "سفیرِ ہند" دلائل مرقومہ جواب الجواب مشمولہ اشتہار ہذا کے توڑ ثابت کر دے کہ ارواح موجودہ جو سوا چار ارب کی مدت میں کل دورہ اپنا پورا کرتے ہیں بے انت ہیں اور ایشور کو بھی تعداد ان کا نامعلوم رہا ہوا ہے (سبحان اللّٰہ کیا بلیغ جملہ ہے۔ مصنّف) تو میں اس کو مبلغ پانسو روپیہ بطور انعام دوں گا اور درصورت توقّف کے شخص مثبت کو اختیار ہو گا کہ بمدد عدالت وصول کرے۔ لیکن واضح رہے کہ اگر کوئی صاحب سماج مذکور میں سے اس اصول سے منکر ہو تو صرف انکار طبع کرانا کافی نہ ہو گا بلکہ اس صورت میں بتصریح لکھنا چاہیئے کہ پھر اس اصول کا کیا ہوا؟ — آیا یہ بات ہے کہ ارواح ضرور کسی دن ختم ہو جائیں گے اور تناسخ اور دنیا کا ہمیشہ کے واسطے خاتمہ ہو گا یا یہ اصول ہے کہ خدا اور رُوحوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ یا یہ کہ بعد مکتی پانے سب روحوں کے پھر ایشر انہیں مکتی یافتہ روحوں کو کیڑے مکوڑے وغیرہ مخلوقات بنا کر دنیا میں بھیج دیگا۔ یہ کہ اگر ارواح بے انت ہیں۔ اور تعداد ان کا کسی حد و معین میں ضرور محصور ہیں مگر پھر بھی بعد نکلے جانے کے باقی ماندہ رُوح اتنے کے اتنے ہی نہیں رہتے ہیں نہ مکتی والوں کی جماعت جن میں یہ تازہ مکتی یافتہ جا ملتے ہیں۔ اس بالائی آمدن سے پہلے سے کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں اور نہ یہ جماعت جس سے کسی قدر ارواح نکل گئے بعد اس خرچ کے کچھ کم ہوتے ہیں۔ غرض جو اصول ہو بہ تفصیل مذکورہ لکھنا چاہیئے"

المشتہر مرزا غلام احمد رئیس قادیان عفی عنہ، ۲ر مارچ ۱۸۷۸ء[1]

مرزا صاحب کے جواب میں آریہ سماجیوں نے تین افراد کی معرفت ایک پیغام مرزا صاحب کو بھیجا اور اس کے علاوہ سوامی دیانند نے ایک خط بھی تحریر کیا جس میں موضوع زیر بحث پر مرزا صاحب کو مناظرے کا چیلنج دیا گیا۔ یہ چیلنج مرزا صاحب نے مشروط طور پر قبول کر لیا چنانچہ مرزا صاحب کا درج ذیل اشتہار اسی چیلنج کا جواب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اعلان

"سوامی دیانند سرسوتی صاحب نے بجواب ہماری اس بحث کے جو ہم نے ارواح کا بے انت ہونا باطل کر کے غلط ہونا مسئلہ تناسخ اور قدامت سلسلہ دنیا کا ثابت کیا تھا معرفت تین کس آریہ سماج والوں کے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر ارواح حقیقت میں بے انت نہیں لیکن تناسخ اس طرح ہمیشہ بنا رہتا ہے کہ جب سب ارواح مکتی پا جاتی ہیں تو پھر بوقت ضرورت مکتی سے باہر نکالی جاتی ہیں۔ اب سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے اس جواب کا شک و شبہ ہو تو بالمواجہ بحث کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس بارے میں سوامی صاحب کا ایک خط بھی آیا۔ اس خط میں بحث کا شوق ظاہر کرتے ہیں اس واسطے بذریعہ اس اعلان کے عرض کیا جاتا ہے کہ بحث بالمواجہ بسر و چشم ہم کو منظور ہے۔ کاش سوامی صاحب کوئی مقام ثالث بالخیر کا واسطے انعقاد اس جلسے کے تجویز کر کے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے تاریخ و مقام کو مشتہر کر دیں لیکن اس جلسے میں شرط یہ ہے کہ یہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلیٰ کہ تین صاحب ان میں سے ممبران برہمو سماج اور تین صاحب مسیحی ہوں گے قرار پائے گا اوّل تقریر کا حق ہمارا۔ کیونکہ ہم معترض ہیں۔ پنڈت صاحب برعایت شرائط

---

[1] مندرجہ تبلیغ رسالت صفحہ ۱-۲ ج ۱ (غ-ح) منقول از تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ صفحہ ۸-۹

تہذیب جو چاہیں گے جواب دیں گے۔ پھر اس کا جواب الجواب ہماری طرف سے گذارش ہوگا اور بحث ختم ہوجائے گی۔ ہم سوامی صاحب کی اس درخواست سے بہت خوش ہوئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ کیوں سوامی صاحب اور دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایسے سخت اعتراض کا جواب نہیں دیتے جس نے سب آریہ سماج والوں کا دم بند کر رکھا ہے۔ اب سوامی صاحب نے اس اعلان کا کوئی جواب مشتہر نہ کیا تو بس یہ سمجھو کہ سوامی صاحب صرف باتیں کر کے اپنے توابعین کے آنسو پونچھتے تھے اور مکت بابوں کی واپسی میں جو جو مفاسد ہیں مضمون مشمولہ متعلقہ اس اعلان میں درج ہیں ناظرین پڑھیں اور انصاف فرمائیں۔"[1]

المعلن ۔ مرزا غلام احمد رئیس قادیان

۱۰۔ جون ۱۸۷۸ء

براہین احمدیہ

(۱۸۷۹ء ——— ۱۸۸۴ء)

اس لایعنی اور فضول بحث و تمحیص اور اشتہار بازی سے مرزا صاحب نے شہرت کی جانب ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ قادیان کے قرب و جوار سے نکل کر یہ شہرت صوبے کے اندر پھیل رہی تھی کہ ایک مسلمان مناظر آریہ سماجیوں کے خلاف ڈٹ گیا ہے اور وہ صرف مناظر ہی نہیں بلکہ ایک مُلہم اور مستجاب الدعوات شخصیت ہے جس کے پاس سائلوں کا ہمیشہ جمگھٹا سا لگا رہتا ہے۔ دُور و نزدیک سے لوگ آکر اُس سے اپنے مسائل و مصائب کے بارے میں دُعائیں کراتے ہیں۔ کتاب کے گذشتہ اوراق میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ مرزا صاحب

---

[1] تبلیغ رسالت ص ۶-۷ مرتبہ منشی قاسم علی احمدی مطبوعہ فاروق پریس قادیان اگست ۱۹۲۱ء منقول از "تاریخ مرزا" مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری ص ۱۰-۱۱

نے سیالکوٹ میں مختاری کے امتحان میں ناکامی کے بعد جب ۱۸۶۸ء میں ملازمت سے استعفا دے کر دوبارہ قادیان میں قیام کیا تو مقدمہ بازی کے سبب اُن کا جی اُکتا چکا تھا۔ ویسے بھی معاشی حالات تسلی بخش نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب ذہنی طور پر اکثر پریشان رہتے تھے۔ یہی پریشانی مرزا صاحب کو بٹالہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے پاس لائی اور اُن کی مدد سے لاہور میں قیام کے دوران انتہائی کسمپرسی کے عالم میں مذہبی مباہلوں اور مجادلوں کا سلسلہ شروع کیا اور پھر حالات آپ کے سامنے ہیں کہ مرزا صاحب نے کس ہوشیاری کے ساتھ اُن ناگفتہ بہ حالات پر قابو پا کر اپنے حالات کو اس مرحلہ تک پہنچایا کہ اب اُن کے تقدس و احترام، اُن کی قابلیت اور مناظرانہ صلاحیتوں کا چرچا دور و نزدیک ہونے لگا۔ ان حالات نے مرزا صاحب کو مطمئن کر کے انہیں اپنے مستقبل کی جانب ایک قدم اور بڑھانے کے لیے حوصلہ مہیا کیا اور یوں مرزا صاحب مولانا بٹالوی کی رائے کے مطابق شہرت کے حصول میں کامیاب ہوئے تو مناظر سے مصنّف بننے کے لیے پر تولنے لگے تاکہ تالیف و تصنیف کے میدان میں بھی شور و غوغا برپا کر کے شہرت کو چار چاند لگائے جا سکیں۔ اگرچہ ایسی کتاب کا خاکہ مرزا صاحب کے ذہن میں اس وقت بھی موجود تھا جب وہ مولانا محمد حسین بٹالوی سے بٹالہ میں ملاقات کرنے گئے تھے لیکن مولانا محمد حسین بٹالوی ہی کے مشورہ سے انہوں نے کتاب لکھنے کا ارادہ ملتوی رکھا اور اُن ہی کی نصیحت کے مطابق کتاب سے پہلے شہرت کے حصول کے لیے تگ و دو شروع کی۔ چنانچہ اس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور اب جب انہوں نے وہ شہرت حاصل کر لی تو کتاب کا اعلان کر دیا۔ کتاب کا یہ اعلان بھی اشتہار کے ذریعے انتہائی ڈرامائی انداز سے کیا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی شخصیت کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں مرزا صاحب کی طرف سے کتاب کا نام "البراھین الاحمدیہ علی حقیقۃ الکتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ" تجویز ہوا۔ کتاب کے بارے میں سیرۃ المہدی کے قادیانی مؤلف لکھتے ہیں:۔

"خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو براہین احمدیہ کی تالیف اور اس کے متعلق مواد جمع کرنے کا کام پہلے ہو رہا تھا مگر براہین احمدیہ کی اصل تصنیف اور اس کی اشاعت کی تجویز

۱۸۷۹ء سے شروع ہوئی اور آخری حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور گوشہ نشینی میں درویشانہ حالت تھی۔ گو براہین سے قبل بعض اخباروں میں مضامین شائع کرنے کا سلسلہ آپ نے شروع فرما دیا تھا اور اس قسم کے اشتہارات سے آپ کا نام ایک گونہ پبلک میں آگیا تھا مگر بہت کم۔ ہاں اپنے ملنے والوں میں آپ کی تبلیغ و تعلیم کا دائرہ عالم شباب سے ہی شروع نظر آتا ہے۔ پبلک میں آپ نے تصنیف براہین سے صرف کچھ قبل یعنی ۷۸-۱۸۷۷ء میں آنا شروع کیا۔ اور مضامین شائع کرنے شروع فرمائے اور تبلیغی خطوط کا دائرہ بھی وسیع کیا۔ مگر دراصل مستقل طور پر براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی سب سے پہلے آپ کو پبلک کے سامنے کھڑا کیا۔ اس طرح علم دوست اور مذہبی امور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا "انٹروڈکشن" ہوا۔[1]

سیرۃ المہدی کے اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل شہرت کا آغاز براہین احمدیہ کے اشتہار سے ہی ہوتا ہے جس سے مرزا صاحب علم دوست حلقے میں متعارف ہوئے لیکن یہ بات یاد رہے کہ تعارف اشتہار سے ہی ہوا۔ کتاب بذات خود کوئی ایسی معرکہ آرا کتاب ہرگز نہیں تھی جس سے علمی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد متاثر ہوتے بہرحال لوگ ایک کثیر تعداد میں مرزا صاحب سے اس کتاب کے ذریعے متعارف ضرور ہوئے جیسا کہ قادیانی کتاب کے حوالے سے بھی واضح ہے۔ کتاب کے بارے میں تو ذکر آنے والے صفحات پر ہوگا۔ یہاں اس تاریخی اشتہار کا حوالہ ضروری ہے جس نے بے دین اور غیر اسلامی حلقوں کے ساتھ ہی ساتھ دینی اور اسلامی حلقوں میں بھی تہلکہ مچا دیا۔

"اشتہار بغرض استعانت و استظہار از انصار دین محمد مختار صلی اللہ علیہ و آلہ الابرار

اخوان دیندار و مومنین غیرت شعار و حامیان دین اسلام و متبعین سنت خیر الانام

---

[1] سیرۃ المہدی حصہ اول مؤلف صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی

پر روشن ہو کہ اس خاکسار نے ایک کتاب متضمن اثبات حقانیت قرآن و صداقت دینِ اسلام ایسی تالیف کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد طالب حق سے بجز قبولیتِ اسلام کچھ بن نہ پڑے اور اس کے جواب میں قلم اٹھانے کی کسی کو جرأت نہ ہو سکے۔ اس کتاب کے ساتھ اس مضمون کا ایک اشتہار دیا جاویگا کہ جو شخص اِس کتاب کے دلائل کو توڑ دے دمع ذلک اس کے مقابلہ میں اسی قدر دلائل یا اس کے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس سے اپنی کتاب کا (جس کو وہ الہامی سمجھتا ہو) حق ہونا یا اپنے دین کا بہتر ہونا ثابت کر دکھائے اور اس کے کلام یا جواب کو میری شرائطِ مذکورہ کے موافق تین منصف (جن کو مذہب فریقین سے تعلق نہ ہو) مان لیں تو میں اپنی جائداد تعدادی دس ہزار روپیہ سے (جو میرے قبض و تصرف میں ہے) دستبردار ہو جاؤنگا اور سب کچھ اس کے حوالے کر دونگا اس باب میں جس طرح کوئی چاہے اپنا اطمینان کر لے مجھ سے تمسک لکھالے یا رجسٹری کرالے اور میری جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کو آکر بچشم خود دیکھ لے۔

باعثِ تصنیف اس کتاب کے پنڈت دیانند صاحب اور ان کے اتباع ہیں جو اپنی امت کو آریہ سماج کے نام سے مشہور کر رہے ہیں اور بجز اپنے وید کے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ مسیح اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہیں اور نعوذ باللہ توریت۔ انجیل۔ زبور۔ فرقان مجید کو محض افترا سمجھتے ہیں اور ان مقدس نبیوں کے حق میں ایسے توہین کے کلمات بولتے ہیں کہ ہم سُن نہیں سکتے۔ ایک صاحب نے ان میں سے اخبار "سفیرِ ہند" میں بطلب ثبوت حقانیت فرقان مجید کئی دفعہ ہمارے نام اشتہار بھی جاری کیا ہے۔ اب ہم نے اس کتاب میں ان کا اور ان کے اشتہاروں کا کام تمام کر دیا ہے اور صداقت قرآن اور نبوت کو بخوبی ثابت کیا۔ پہلے ہم نے اس کتاب کا ایک حصہ پندرہ جزو میں تصنیف کیا۔ بغرض تکمیل تمام ضروری امروں کے نو حصے اور

زیادہ کر دیئے جس کے سبب سے تعداد کتاب ڈیڑھ سو جزو ہوگئی - ہر ایک حصہ اس کا ایک ایک ہزار چھپے تو چورانوے روپے صرف ہوتے ہیں۔ پس کل حصص کتاب نو سو چالیس روپے سے کم نہیں چھپ سکتے ازانجا کہ ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں۔ لہٰذا اخوان مومنین سے درخواست ہے کہ اس کارِ خیر میں شریک ہوں اور اس کے مصارفِ طبع میں معاونت کریں۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے مطبخ کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے تو یہ کتاب بسہولت چھپ جائے گی ورنہ یہ مہرِ درخشاں چھپا رہے گا۔ یا یُوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپیہ مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں۔ جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی۔

غرض انصار اللہ بن کر اس نہایت ضروری کام کو جلد تر سرانجام پہنچا دیں اور نام اس کتاب کا البراھین الاحمدیہ علیٰ حقیقۃ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ" خدا اس کو مبارک کرے اور گمراہوں کو اس کے ذریعے سے اپنے سیدھے راہ پر چلاوے۔

المشتہر :- خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب[1] "

اس اشتہار کی ایک ایک سطر میں ایک چالاک ماہرِ نفسیات کی تصویر پوشیدہ ہے۔ اشتہار کو زیادہ سے زیادہ ڈرامائی اور دھماکہ خیز بنانے کی کوشش کی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ صاحب اشتہار کی جانب متوجہ ہوں۔ اس اشتہار سے صاحب اشتہار کا اسلام کے ساتھ تعلق اور خدمت کا جذبہ، کتاب کا مکمل تعارف، تعارف کے ساتھ ہی غیر مسلموں بالخصوص

---

[1] مرزا غلام احمد کا اشتہار مورخہ اپریل ۱۸۷۹ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل ص مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی

آریہ سماجیوں کو چیلنج، ساتھ ہی پوری جائداد کو بطور انعام پیش کرنا اور پھر اس جائیداد کو بنظر خود دیکھنے کی دعوت، اور پھر آخر میں قوم کے غیور اور صاحب درد افراد سے کتاب کی اشاعت میں معاونت کی اپیل یہ سب کچھ اس ترتیب سے تیار کیا گیا کہ اشتہار پڑھ لینے کے بعد صاحب اشتہار کو کم از کم ایک مرتبہ دیکھ لینے کی آرزو ضرور دل میں پیدا ہوتی ہے یہی مرزا صاحب کا کمال تھا۔ وہ سوکھی مٹی سے محل بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے، اور انہوں نے اس اعلان کو جاذب نظر جامہ پہنا کر اس انداز سے پبلک کے سامنے پیش کیا کہ ہندوستان کے اکناف واطراف میں مرزا صاحب متعارف ہو گئے۔

ماموُر من اللہ (۱۸۸۰ء)

براہین احمدیہ کی اشاعت، مرزائیت کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہی مرزا صاحب پورے ہندوستان کے اہل علم حضرات کی توجہ کا مرکز بنے۔ خود مرزا صاحبؒ نے کتاب کی نشر واشاعت پورے اہتمام کے ساتھ کی اہل نظر حضرات اور دیگر صاحب قلم حضرات سے خط وکتابت کر کے ان سے کتاب کی تصنیف میں مدد لی گئی۔ بڑے وسیع پیمانے پر روپیہ اکٹھا کیا گیا۔ والیان ریاست اور دیگر مخیر حضرات سے خصوصی مالی امداد کی اپیل کی گئی۔ بعض والیان ریاست نے امداد کے وعدے بھی کیے جن میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال۔ نواب صاحب لوہارو۔ وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم ریاست بہاولپور۔ وزیر ریاست نال گڑھ۔ نواب حیدر آباد دکن کے نام گنوائے جاسکتے ہیں۔ غرضیکہ اہل علم حضرات اور عوام میں ایک خاص اہتمام کے ساتھ اس کتاب کا چرچا کیا گیا۔ بالآخر یہ کتاب جس کا لوگوں کو بڑی شدت کے ساتھ انتظار تھا۔ چار حصوں میں بڑے سائز کے پانچ صد باسٹھ (۵۶۲) صفحات پر مشتمل منظر عام پر آ گئی۔ ۱۸۸۰ء میں اس کے پہلے دو حصے شائع ہوئے ۱۸۸۲ء میں تیسرا حصہ شائع ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں چوتھا حصہ مجموعی طور پر ان حصوں پر چھ سال کا عرصہ صرف ہوا۔ کیونکہ ۱۸۷۹ء سے قبل ہی اس کتاب کا مواد جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مرزا صاحب نے کتاب کے ساتھ

ایک اعلان بھی شائع کیا جو اُردو انگریزی دونوں زبانوں میں تھا۔ اور اس وقت کے مشہور پنڈتوں اور پادریوں کے ساتھ ساتھ ریاستوں کے وزرار اعلیٰ افسران کو بھیجا گیا۔ اس اعلان میں مرزا صاحب نے پہلی دفعہ اس امر کا اظہار کیا کہ وہ اسلام کی صداقت کا اظہار کرنے کے لیے خدا کی طرف سے مامور ہوئے ہیں۔ اور تمام دیگر مذاہب کو مطمئن کرنے کے لیے تیار ہیں۔

"یہ عاجز (مؤلف براہین احمدیہ) حضرت قادر مطلق جلّ شانہ، کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلّل و تواضع سے اصلاح خلق کے لیے کوشش کرے اور ان لوگوں کو جو راہ راست سے بے خبر ہیں۔ صراطِ مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی نجات حاصل ہوتی ہے اور اس عالم میں بہشتی زندگی کے آثار اور قبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھادے۔ اسی غرض سے کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جزو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اس کا خلاصہ مطلب اشتہار ہمراہی خط ہذا درج ہے لیکن چونکہ ساری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے اس لیے یہ قرار پایا ہے کہ بالفعل یہ خط مع اشتہار انگریزی شائع کیا جائے اور اس کی ایک ایک کاپی بخدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد جہاں تک ارسال ممکن ہو جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور اور معزز برہمو صاحبان و آریہ صاحبان و نیچری صاحبان و حضرات مولوی صاحبان جو وجود خوارق و کرامات سے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس عاجز سے بدظن ہیں ارسال کی جاوے۔"

اس اعلان سے مرزا صاحب دعویٰ نبوت کی جانب ایک قدم اور آگے بڑھے اور یوں ... سے پہلے مناظر پھر ملہم پھر مصنف اور اب مامور من اللہ بن گئے۔ اس ترتیب سے معلوم ... ہے کہ مرزا صاحب کا ذہن اس میدان میں خوب کام کر رہا تھا کہ انہوں نے کیسے آہستہ آہستہ ... کو اپنے ساتھ مانوس کر کے بالآخر انہیں گمراہی کے گڑھے میں دھکیلنا ہے یا تسلیم کیجیے

[illegible]

[illegible] جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا [illegible] صاحب محدث (فرید آباد)

۲۔ مولانا عبدالحق غزنوی (امرتسر)

۳۔ مولانا غلام دستگیر صاحب (قصور)

۴۔ مولانا محمد صاحب ابن مولانا عبدالقادر لدھیانوی (لدھیانہ)

۵۔ مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی ابن مولانا عبدالقادر لدھیانوی (لدھ

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی ایسے لوگوں کا ذکر اپنی تحریروں میں کیا ہے کہ لوگوں کی فراست قابل داد ہے جو براہین احمدیہ کی اولین جلدوں کے مطالعے سے بھانپ گئے تھے کہ مرزا غلام احمد قادیانی زہد و تقدس کے پردے میں کفر و الحاد پھیلانا چاہتا مولانا ثناء اللہ امرتسری براہین احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اُن علماء کا بھی ذکر کر ہیں جنہوں نے ایسے خدشات کا اظہار کیا تھا۔

جس زور شور سے اس کتاب کا اشتہار تھا آخر کار نکلی تو اس کی صورت یہ تھی ایک جلد موٹے حرفوں میں صرف اس کے اشتہار کی تھی باقی جلدوں میں مضامین

شروع ہوئے۔ مگر مضامین کی بنا زیادہ تر اپنے الہامات اور مکاشفات پر تھی لیکن وہ الہامات ایسے کچھ صاف اور صریح اسلام کے مخالف نہ تھے بلکہ بعض معاون بعض گول، اس لئے حسن ظن علماء اس پر بھی مرزا صاحب سے مانوس ہی رہے۔ اس زمانے میں سب سے بڑے مانوس مولوی ابوسعید صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنۃ تھے جنہوں نے بڑا بسیط ریویو لکھا اور مخالفین کو جوابات دیئے۔

باوجود اس کے دُوراندیش علمائے اسلام مرزا صاحب سے خوفزدہ تھے مولانا حافظ عبدالمنان مرحوم محدث وزیرآبادی سے میں نے خود سُنا کہ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ کسی دن یہ شخص (مرزا) نبوّت کا دعویٰ کرے گا۔ ایسا ہی حضرت مولوی ابوعبداللہ غلام العلی صاحب مرحوم امرتسری سے سننے والوں کا بیان ہے کہ مرحوم بھی مرزا صاحب سے خوفزدہ تھے کہ کسی دن نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں مولوی صاحب کا نام لے کر ردّ بھی کیا ہے۔ ایسا ہی مولوی غلام دستگیر مرحوم قصوری اور مولوی محمد عمر وغیرہ خاندان علمائے لدھیانہ بھی مرزا صاحب سے بدظن تھے۔ ہم حیران ہیں ان علماء کی فراست کس درجہ کی تھی کہ آخرکار وہی ہوا جو ان حضرات نے گمان کیا تھا[1]"

اسی طرح اس دَور کے مشہور و معروف مصنف مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بھی اپنی کتاب "قادیانیت" میں براہین احمدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:-

"معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت صحیح وقت پر شائع ہوئی تھی۔ مرزا صاحب اور ان کے دوستوں نے اس کی تشہیر و تبلیغ بھی بہت

---

[1] "تاریخ مرزا" مصنفہ مولانا ثناءاللہ امرتسری صفحہ ۱۳

جوش وخروش سے کی تھی۔ اس کتاب کی کامیابی اور اس کی تاثیر کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس میں دوسرے مذاہب کو چیلنج کیا گیا تھا اور کتاب جواب دہی کے بجائے حملہ آورانہ انداز میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے خاص معترفین اور پُرجوش تحریر کرنے والوں میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کو خاص اہمیت حاصل ہے انہوں نے اپنے رسالہ "اشاعت السنۃ" میں اس پر ایک طویل تبصرہ یا تقریظ لکھی جو رسالے کے چھ نمبروں میں شائع ہوئی۔ اس میں کتاب کو شاندار الفاظ میں سراہا گیا ہے اور اس کو عصرِ حاضر کا ایک علمی کارنامہ اور تصنیفی شاہکار قرار دیا گیا ہے اس کے کچھ بعد ہی مولانا مرزا صاحب کے دعاوی اور الہامات سے کھٹک گئے۔ اور بالآخر وہ اُن کے بڑے حریف اور مدِ مقابل بن گئے۔

اس کے برخلاف بعض علماء کو اسی کتاب سے کھٹک پیدا ہوئی اور ان کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے یا عنقریب دعویٰ کرنے والا ہے۔ ان صاحب فراست لوگوں میں مولانا عبدالقادر لدھیانوی مرحوم کے دونوں صاحبزادے مولانا محمد صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ امرتسر کے اہل حدیث علماء اور غزنوی حضرات میں سے بھی چند صاحبوں نے ان الہامات کی مخالفت کی اور اس کو متبحد قرار دیا۔ اس کتاب کی اشاعت نے مرزا صاحب کو دفعتاً قادیان کے گوشۂ گمنامی سے شہرت واحترام کے منظرِ عام پر کھڑا کر دیا اور لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اُٹھ گئیں[1]۔"

براہینِ احمدیہ کے اگرچہ پہلے چار حصے ۱۸۸۴ء میں ہی مکمل ہوئے۔ لیکن پانچواں حصہ ایک لمبے عرصے تک معرضِ التوا میں پڑا رہا۔ یہ حصہ مرزا صاحب کی وفات سے صرف تین سال قبل یعنی ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ چنانچہ حصہ پنجم (جو ۲۳ برس کے بعد شائع ہوا) کے شائع ہونے تک وہ لوگ جنہوں نے پیشگی قیمت ادا کر دی تھی۔ اس

[1] قادیانیت مولانا ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۵۹-۶۰

اس بات کا اصرار کرتے رہے کہ کتاب شائع ہونی چاہیئے لیکن مرزا صاحب اپنے وعدہ کے مطابق شائع نہ کر سکے۔ لوگوں نے اس پر ناراضی اور ناگواری کا اظہار بھی کیا اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو اس لمبے عرصے کے دوران انتقال بھی کر گئے۔ ان تمام حالات کا مرزا صاحب پر بھی اثر ہوا۔ وہ خود لوگوں کی بدزبانی کا شکوہ بھی کرتے رہے

بالآخر جب حصّہ پنجم شائع ہوئی تو اس اعلان کے ساتھ کہ اب اس کے بعد اس کے دوسرے حصّے شائع نہ ہوں گے۔ یاد رہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی پچاس جلدوں کا اعلان کیا تھا۔ پانچویں حصے کے دیباچے میں تحریر کرتے ہیں :۔

"پہلے پچاس حصّے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔ چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا[1]"

تبصرہ :۔

پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد عام قاری کے ذہن میں کچھ ایسا تاثر قائم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب دعوتِ اسلام کے لیے مامور من اللہ ہیں تاکہ دیگر مذاہب پر صداقتِ اسلام ثابت کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اس ضمن میں وہ چیلنج بھی کرتے ہیں کہ اس کتاب کی کوئی نظیر پیش کی جائے اس کے براہین کے مقابلے میں براہین لائے جائیں۔

تیسرے اور چوتھے حصے میں مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے ابھارا گیا ہے۔ انگریز کی کھل کر مدح سرائی کی گئی ہے۔ مسلمانوں پر انگریزوں کے احسانات جتلائے گئے اور اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندوستان کی تمام اسلامی انجمنیں ایک مشترکہ یادداشت کے ذریعے جس پر تمام مدرسہ فکر کے مسلمان رہنماؤں کے

---

[1] دیباچہ براہین احمدیہ جلد ۵ صفحہ ۷

دستخط ہوں انگریز کے حضور وفاداری کا اظہار کریں۔

جہاد کی مخالفت پر بھی بہت زور لگایا گیا اور یُوں اسے انگریز کی اطاعت اور جہاد کی مخالفت کا پرچار کرنے والی پہلی کتاب قرار دیا جا سکتا ہے جس پر مرزا صاحب کی پُوری تحریک کا دار و مدار ہے۔

مرزا صاحب کی بسیار نویسی، صبر اور جفاکشی سے قاری متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا البتہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد بھی یہ تأثر رہتا ہے کہ مرزا صاحب آریہ سماجیوں کی مذہبی کتب مسیحیت کے مآخذ ان کی قدیم کتابوں اور ان کے اسرار و رموز سے واقف نہیں۔ اور کتاب ان کے سطحی علم کی چغلی کھاتی ہے۔

قاری کو اکثر و بیشتر اس کتاب کے مختلف حصوں میں پیشین گوئیاں۔ دعویٰ۔ کرامات کشف اور ایسی دوسری باتیں ملتی ہیں جس سے قاری یہ تأثر لیتا ہے کہ خدمت اسلام سے بڑھ کر خودستائی کا عنصر زیادہ غالب ہے اور محض اپنے شخصی قد کو اونچا کرنے کے لئے سارا ناٹک رچایا گیا ہے۔

کتاب کا مرکزی مفہوم یہ ہے کہ الہامات کا سلسلہ جاری ہے اور انہیں الہامات کی بنا پر وہ اپنے آپ کو مامور من اللہ قرار دیتے ہیں اور بعد میں مجدّد اور مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ بھی انہی الہامات پر ہے جس کے بعد معاملہ مسیح موعود اور دعویٰ نبوت تک پہنچ جاتا ہے۔ پوری کتاب میں کہیں بھی اجرائے نبوّت کے عقیدے کا پرچار نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس براہین احمدیہ میں مرزا صاحب بڑی شدت کے ساتھ جدید نبوّت اور جدید وحی کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی ایمان ہے کہ حضرت عیسٰی آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور وہ دوبارہ قربِ قیامت میں نازل ہوں گے۔ انہی کے ساتھ دین اسلام پوری دنیا میں پھیلے گا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

یہ آیت آسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق

میں پیشگوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعے ظہور میں آوے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لادیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔[1]"

دوسری جگہ کتاب میں حضرت اکرم واقدس محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اور جبکہ فرقانِ مجید کے اصولِ حقّہ کا محرّف و مبدّل ہو جانا یا پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکیٔ شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عندالعقل محال و ممتنع ہُوا تو نئی شریعت و نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناعِ عقلی لازم آیا کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو، وہ بھی محال ہوتا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ آنحضرت حقیقت میں خاتمِ رُسل ہیں۔[2]"

یہ دونوں عقاید جو مسلمانوں کے بنیادی عقائد کی حیثیت رکھتے ہیں اس کتاب میں مرزا صاحب نے خود ان عقائد کی تصدیق کی اور اس پر اپنے ایمان کی پختگی کا اظہار کیا۔ لیکن اسے کیا کہیئے کہ یہی دونوں بنیادی عقاید مرزا صاحب کی مذہبی دست درازی کی زد میں آکر اُن کے کُفر کا باعث بن گئے اور اپنے ہی لکھے ہوئے ارشادات کی غلط تاویلات کرکے اعلانِ نبوّت سے اپنی الگ دکان سجانے لگے۔

علاوہ ازیں کتاب مذکور میں مختلف آیاتِ قرآنی کو جوڑ کر الہامات تحریر کئے گئے بعض الہامات ایسے بھی ہیں جن میں احادیث کے بعض حصے بھی ملائے گئے جن میں بعض مقامات پر عربی گرائمر کو بالکل نظرانداز کرکے قاری پر یہ تأثر بھی قائم کیا گیا کہ "حضرت" عربی گرائمر سے کلی طور پر آشنا نہیں

---

[1] براہینِ احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۴۹۸

[2] حاشیہ براہینِ احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۱۱۱

بہرحال کتاب براہین احمدیہ اپنی ہزار خامیوں کے باوجود اس لحاظ سے تاریخ قادیانیت میں ایک اہم مقام رکھتی ہے کہ یہیں سے مرزا غلام احمد اپنی زندگی کے دورِ دوئم میں داخل ہوا جہاں اُس نے یکے بعد دیگرے مجدّد، مثلِ مسیح، مسیح موعود اور نبی و رسول کا دعویٰ کر کے ملّتِ اسلامیہ کو خلفشار، نفاق اور اختلافات کی دلدل میں دھکیل دیا اور اس طرح قیامت تک کے مسلمانوں کی نگاہ میں ایک ایسے فرد کی راہ اختیار کر لی جس کے لیے کوئی حقیر مسلمان بھی دل کے کسی گوشہ میں کوئی اچھا خیال نہیں لا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ براہین احمدیہ کے چوتھے حصہ کی اشاعت کے بعد جلد ہی مرزا صاحب کی غلط مذہبی و سیاسی تعلیمات کے خلاف علمائے حق نے میدانِ عمل میں آ کر نہ صرف مرزا صاحب کو اس پر ٹوکا بلکہ انہیں للکارا اور مرزا صاحب اپنے تمام تر وسائل کے باوجود انہیں اس مقدس فریضے سے باز نہ رکھ سکے۔ انگریز جیسی عظیم سیاسی قوت کہ جس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا انہیں اپنے دامنِ پناہ میں لے کر مسلمانوں کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رکھ سکی۔ یہ کرشمہ ہے حضور سرورِ کائنات کی نبوّتِ حقّہ کا کہ چودہ سو برس کے بعد بھی اُن کی اُمّت میں ایسے غیور فرزند پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی تمام عمر اس فرقۂ باطلہ کے محاسبے اور سرکوبی کے لیے وقف کر دی اور آنے والی نسلوں کو اپنی قربانیوں کے ذریعے اس عظیم اور خطرناک فتنہ سے آگاہ کر دیا۔

براہین احمدیہ پر تبصرہ اُس وقت تک مکمل نہ سمجھا جائے گا۔ جب تک کہ اس کتاب کے نتیجے میں رونما ہونے والے ہندوؤں کے ایک خاص ردِ عمل کا ذکر نہ کر دیا جائے۔ براہین احمدیہ جیسا کہ اس کے مصنف مرزا غلام احمد بھی تسلیم کرتے ہیں آریہ سماجیوں اور دوسرے غیر از اسلام مذہب کے پیروکاروں کے لیے تحریر کی گئی اور بزعمِ خویش خدمتِ اسلام اور تبلیغِ اسلام کا ایک اہم فریضہ ادا کیا گیا تاکہ انہیں اسلام کے نزدیک لا کر صداقتِ اسلام کا یقین دلاتے ہوئے قبولِ اسلام کے مرحلے تک پہنچایا جائے۔ لیکن دین کی تبلیغ کے لیے دانائی اور حکمت کی ضرورت ہے۔ خود قرآن میں تبلیغ اسلام کے لیے حکمت و دانائی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ پیش کرنے والے کی ہر ادا غیر مسلموں کے لیے ایک جادو کا اثر رکھے اور وہ اخلاق کے بلند معیار سے متاثر ہو کر اسلام کی تبلیغ سُنیں تو عش عش

کر اٹھیں لیکن یہاں صورتِ حال اس سے مختلف ہے۔ براہین احمدیہ کا لب و لہجہ اس قدر قابلِ اعتراض ہے کہ کوئی عیسائی یا ہندو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد مشتعل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام کے لیے احترام کا ایک جذبہ جو ہر غیر مسلم کے دل کے اندر کسی حد تک موجزن ہوتا ہے اس کتاب کے پڑھنے سے یکسر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز غیر مسلم قاری کے دل و دماغ کے اندر اشتعال پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاید یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ مسلمان عوام میں ہندوؤں کے خلاف اشتعال پیدا کر کے ان میں شہرت اور مقبولیت حاصل کی جا سکے جو کہ ان دنوں مرزا صاحب کا مقصودِ حیات تھا۔ لیکن اس کے نتیجے میں اس کتاب نے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں مستقل طور پر عناد اور منافرت پیدا کر دی جس کا عملی ثبوت پنڈت لیکھرام کی شکل میں مہیا ہوا جس نے "براہین احمدیہ" کے مقابلے میں "تکذیب براہین احمدیہ" کو تحریر کر کے شائع کرایا۔ یہ کتاب کیا تھی دشنام کا پلندہ اور بدگوئی کا شرمناک مرقع۔ خدا کے نیک اور صالح انسانوں پر بہتان اور الزامات کی بوچھاڑ، خصوصاً انبیاء کرام کو گالیاں دے کر اس رذیل انسان نے اپنا خبثِ باطن ظاہر کیا۔ لیکن یہ سب کیا تھا۔ براہین احمدیہ کا ردِ عمل۔ جس کی تمام تر ذمہ داری مرزا غلام احمد پر عائد ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ستیارتھ پرکاش[1] نامی کتاب جس پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر سوقیانہ اور رکیک حملے کیے گئے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور پھر اس کے بعد "رنگیلا رسول" وغیرہ تک سب ... ردِ عمل ہے، مرزا غلام قادیانی کی براہین احمدیہ کا۔

---

[1] ستیارتھ پرکاش کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۵ء میں راجہ جے کشن داس سی۔ ایس۔ آئی کے زیرِ اہتمام بنارس میں چھپا اور جس کے حقوق سوامی دیانند نے ان کے ہاتھ فروخت کر دیئے تھے۔ ابتداءً بارہ ابواب پر مشتمل تھا اس میں تیرھویں اور چودھویں باب کا اضافہ مرزا صاحب کی ان تحریروں کے بعد ہوا جن میں آریوں کے نیوگ ایسے معاشرتی مسلے کو چھیڑ کر ان کا مذاق اڑایا گیا اور ان کے بعض عقاید کو مضحک قرار دیا گیا۔ سوامی دیانند ۳۰ راکتوبر ۱۸۸۳ء کو انتقال کر گئے تو مرزا صاحب نے ان کی موت کو بھی اپنی پیشین گوئیوں سے وابستہ

کرلیا۔ چنانچہ ان کی رحلت کے بعد ستیارتھ پرکاش کا جو دوسرا ایڈیشن چھپا اس میں تیرھویں اور چودھویں باب کا اضافہ تھا جن میں خدا اور رسول پر رکیک حملے کیے گئے تھے۔ ایک مرزائی قاسم علی نے انیسویں صدی کا مہاشی دیانند شائع کی جس میں آریہ سماج کے بانی کو چھاڑا۔ اسی کا نتیجہ تھا "رنگیلا رسول" (خاکم بدہن) جس کے مصنف پنڈت چمپا وتی ایم اے پروفیسر ڈی اے وی کالج لاہور اور ناشر مہاشہ راجپال تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مصنفہ شورش کاشمیری

صفحہ ۱۲۵

دوسرا باب

مجدّدیت سے نبوّت تک

حکیم نوردین ــــ دعوئ مجدّدیت (۱۸۸۹ء) ــــ بیعت کی شرائط

مثیلِ مسیح (۱۸۹۱) ــــ مسیح موعود (۱۸۹۱) ــــ دعوئ نبوّت

تصدیق نبوّت (۱۹۰۰) ــــ تکفیر کی جانب ــــ نبوّت اور بدزبانی

مکمّل علیحدگی

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویّے کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ بانیٔ تحریک نے ملّتِ اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی ہے اور اپنی جماعت کو تازہ دُودھ سے اور اپنے مقلّدین کو ملّتِ اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی) مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق۔ نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیٰحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے وہ اسلام سے اس سے کہیں دُور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے۔ کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندو مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔"

علّامہ محمد اقبالؒ

حکیم نورالدّین (۱۸۴۱ء سے ۱۹۱۴ء تک)

حکیم نورالدین بھیروی کے ذکر کے بغیر مرزا صاحب کی داستان نامکمل رہ جاتی ہے اس لیے یہ تحریر کرنے سے پیشتر کہ مرزا صاحب کس طرح کمال دانشمندی اور تدبّر کے ساتھ جذب و سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے دعویٰ مجدّدیت تک پہنچے۔ اور پھر دعویٰ مجددیت سے کیسے مسیح موعود اور مسیح موعود سے ظلّی نبوت کے تخت پر فروکش ہوئے۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ حکیم نورالدّین کون تھا۔ اور مرزا صاحب سے ان کی واقفیت کیسے ہوئی۔ پھر وہ کیونکر اس قابل ہو گئے کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی خلافت کے لیے قرعۂ فال ان کے نام پڑا۔ کیونکہ مرزا صاحب کے مختلف دعوؤں کی کہانی میں حکیم نورالدین کا کردار ایک حیثیت رکھتا ہے۔

حکیم نورالدین ۱۸۴۱ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ غلام رسول تھا جو بھیرہ کے اندر کسی مسجد کے امام تھے۔ حکیم صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی۔ جس کے بعد تحصیل علم کے لیے لاہور چلے آئے۔ لاہور میں شیعہ علماء سے عربی فارسی پڑھی جس کے بعد بھیرہ واپس چلے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں راولپنڈی کے ایک نارمل سکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ بعد دینی تعلیم کے حصول کے لیے رامپور (ہندوستان) چلے گئے اور وہاں مختلف علماء کرام سے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ مذہبی تعلیم کے بعد حکیم نورالدّین لکھنؤ گئے اور وہاں کے ایک مشہور حکیم، حکیم علی حسین سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ دو سال تک حکیم علی حسین سے استفادہ کرنے کے بعد درسِ حدیث

کے لیے بھوپال چلے گئے۔ بھوپال ان دنوں والیٔ بھوپال کی قدر دانیٔ علم دین کی وجہ سے مذہبی تعلیم کا مرکز بن چکا تھا جہاں قیام کے دوران حکیم صاحب نے مفتی عبدالقیوم صاحب سے بخاری اور ہدایہ کا درس لیا جس کے بعد انہوں نے حرمین شریف کا قصد کیا۔ مکہ معظمہ میں بھی مختلف علمائے دین سے ابوداؤد اور صحیح مسلم کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصہ مکہ میں رکنے کے بعد مدینہ منورہ گئے۔ جہاں سے پھر واپس بھیرہ چلے آئے۔ بھیرہ میں اُن کے اور اہلِ شہر کے درمیان بحث و مباحثہ کا آغاز ہوا جس سے شہر کی فضا میں تموج اور تکدر پیدا ہوا جس کی وجہ سے حکیم صاحب افسردہ خاطر ہو کر دہلی چلے آئے اور یہاں آکر لارڈ لٹن کے دربار میں شریک ہوئے۔ دہلی سے بھوپال اور بھوپال سے دوبارہ بھیرہ واپس آگئے۔ بھیرہ میں...... حکمت کا دھندا شروع کیا تو حکیم صاحب کی شہرت دُور دراز تک پہنچ گئی۔ مہاراجہ جموں آپ کی شہرت سے متاثر ہو کر آپ کو بھیرہ سے جموں لے آیا۔ جموں میں رہائش کے دوران حکیم صاحب نے اپنی قابلیت سے مہاراجہ جموں کا قرب حاصل کر لیا اور اسی طرح وہ ریاست کے امور میں بھی اچھے خاصے دخیل ہو گئے۔

(جموں میں قیام کے دوران ہی حکیم نورالدین صاحب کا مرزا غلام احمد کے ساتھ تعارف ہوا جو ان دنوں سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں ملازم تھے حکیم صاحب بھیرہ آتے جاتے جب سیالکوٹ سے گذرتے تو مرزا صاحب سے بھی بعض اوقات ملاقات کر لیتے کیونکہ مرزا صاحب نے سیالکوٹ کے قیام کے دوران ہی عیسائیوں سے مناظرے شروع کر کے کچھ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور خود حکیم نورالدین بھی غیر مذاہب کے مطالعے اور مناظروں کے طبعاً شوقین تھے۔ اس لیے ان کے لیے مرزا صاحب کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش موجود تھی۔ رفتہ رفتہ یہ ملاقاتیں ان دونوں حضرات کو جلد ایک دوسرے کے قریب لے آئیں اور وہ شناسائی کی حد سے گذر کر دوستی کے دائرے میں داخل ہو گئے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمدم و ہمراز بن گئے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء تک جب

مرزا صاحب نے براہینِ احمدیہ کی چار جلدیں مکمل کر لیں تو حقِ دوستی ادا کرنے کے لیے حکیم نورالدین نے "تصدیق براہین احمدیہ" نامی ایک کتاب بھی تحریر کی اور اس طرح آہستہ آہستہ یہ تعلق اس قدر مضبوط و مستحکم ہوتا گیا کہ بالآخر حکیم نورالدین نے مرزا صاحب کی بیعت کر کے اُن کو اپنا مُرشد تسلیم کر لیا۔ مرزا صاحب نے جب براہینِ احمدیہ کی ترتیب اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے مالی امداد کی اپیل کی تو حکیم نورالدین صاحب نے ایک خط کے ذریعے تمام اخراجات کو پورا کرنے کی استدعا کی۔ یہ خط چونکہ مرزا صاحب اور حکیم نورالدین کے تعلقات کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ لہٰذا قارئین کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

" مولانا، مرشدنا، امامنا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عالی جناب!

میری دُعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں۔ امام زماں سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدّد کیا گیا ہے وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفا دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا رہوں یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دے دوں۔ میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں ہے آپ کا ہے۔ حضرت پیر و مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا تمام مال و دولت اگر دینی اشاعت میں قربان ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین احمدیہ توقفِ طبع سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمائیے کہ ادنیٰ خدمت بجا لاؤں کہ اُن کی تمام قیمت ادا کردہ اپنے پاس سے واپس کر دوں۔ حضرت پیر و مرشد نابکار شرمسار کرتا عرض ہے۔ اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے۔ میرا منشا ہے کہ براہین کے طبع کا تمام خرچ مجھ پر ڈال دیا جائے۔ پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ کی ضروریات میں خرچ ہو مجھے آپ سے نسبتِ فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں فدا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ دُعا فرمائیں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو۔[1]"

---

[1] مرقات الیقین فی حیاۃ نورالدین صفحہ ۱۷-۱۸

اس خط کے ایک ایک لفظ سے ہر دو افراد کے درمیان تعلقات کی نوعیت جھلکتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حکیم نورالدین صاحب فنا فی المرشد (مرزا غلام احمد) ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے مرزا غلام احمد کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا تھا:۔

"کہ یہ تو نبوّت کی بات ہے میرا تو ایمان یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو مجھے انکار نہ ہو کیونکہ جب ہم نے واقعی آپ کو صادق اور من جانب اللہ پایا تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہو گا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبیین کے کوئی اور معنی ہوں گے"[1]

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے کے مصداق مرزا صاحب کا جادو پوری طرح سے حکیم نورالدین کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ اور اس کے بعد اب یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ کیا خوبیاں تھیں جن کی بنا پر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب کی وفات کے بعد حکیم نورالدین کو تختِ خلافت پیش کیا گیا اور انہوں نے اس منصب کو بخوشی قبول کر لیا۔ مرزا صاحب پر اندھا دُھند یقین و اعتماد وہ خوبی تھی جس کی بنا پر حکیم صاحب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے فرد کو جانشینی کے لائق خیال نہ کیا گیا۔ حکیم صاحب کے خلافت پر متمکن ہونے پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے انہیں ٹوکا اور کہا:

"خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے خدا نے ہی خلیفہ بنایا ہے سو اب کس میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے چاہا اور اپنے مصالح سے چاہا مجھے تمہارا امام و خلیفہ بنا دیا۔ ہزار نالائقیاں مجھ پر تھوپو، مجھ پر نہیں خدا پر لگیں گی جس نے مجھے خلیفہ بنایا"[2]

چنانچہ حکیم نورالدین بھیروی ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک مرزا غلام احمد قادیانی

---

[1] سیرۃ المہدی صفحہ ۹۸-۹۹

[2] رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان صفحہ ۲۳۴ - ۲۳۶ جلد ۱۴ (قادیانی مذہب)

..ن کے پہلے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور بالآخر ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء کو انتقال کیا۔
انتقال سے کچھ عرصہ پہلے زبان بند ہو گئی تھی۔ (دیکھو الفضل ۲۳ر فروری ۱۹۳۲ء)

دعویٰ مجدّدیت (۱۸۸۹ء)

مرزا غلام احمد نے براہینِ احمدیہ کی اشاعت کے بعد بڑی جلدی سے دعوے کیئے
اگرچہ ان دعووں کی صحیح تعداد معلوم کرنا بڑا مشکل تھا تاہم بعض لوگوں نے بڑی ہمّت
سے کام لے کر یہ کام بھی کر ہی ڈالا جیسا کہ ہمارے محترم بزرگ مولانا رفیق دلاوری
نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لے کر اپنی شہرۂ آفاق کتاب آئمہ تلبیس ترتیب
دی اور اس میں مرزا غلام احمد کے دعاوی کی تعداد چھیاسی بتائی ہے۔ آپ کی دلچسپی
کے لیے اسی کتاب کا اقتباس پیشِ خدمت ہے۔

"بہت کم مدعی ایسے گذرے ہیں کہ جن کے دعووں کی تعداد دو یا تین تک پہنچتی ہو۔ البتہ ایک مرزا غلام احمد اس عموم سے مستثنےٰ ہیں اس شخص کے دعووں کی کثرت اور تنوع کا یہ عالم ہے کہ ان کا استقصا مراگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم میرے لیے محال ہے تاہم سطحی نظر سے قادیانی کے جو دعوے اس کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں ان کی تعداد چھیاسی ۸۶ تک پہنچتی ہے۔ میں نے دو ایک دعوے جو سب سے زیادہ دلچسپ تھے اس خیال سے قلم انداز کر دیئے کہ مبادا خلیفۃ المسیح میاں محمود احمد صاحب کی خاطرِ اطہر پر گراں گذریں۔ باقی چوراسی ۸۴ دعوے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ محدث ہوں۔ امام الزماں ہوں۔ مجدّد ہوں۔ مثلِ مسیح ہوں۔ مریم ہوں۔ مسیح موعود ہوں۔ مُلہم ہوں۔ حاملِ وحی۔ مہدی ہوں۔ حارثِ موعود ہوں۔ رجلِ فارسی ہوں۔ سلمان ہوں۔ چینی الاصل موعود ہوں۔ خاتم الانبیاء ہوں۔ خاتم الاولیاء ہوں۔ خاتم الخلفاء ہوں۔ حسین رضہ سے بہتر ہوں۔ حسنین سے افضل ہوں۔ مسیح ابنِ مریم سے بہتر ہوں۔ یسوع کا

ایلچی ہوں۔ رسول ہوں۔ مظہر خدا ہوں ۔ خدا ہوں۔ مانندِ خدا ہوں۔ خالق ہوں۔ نطفۂ خدا ہوں۔ خدا کا بیٹا ہوں۔ خدا کا باپ ہوں۔ خدا مجھ سے ظاہر ہوا اور میں خدا سے ظاہر ہوا ہوں۔ تشریعی نبی ہوں۔ آدم ہوں۔ شیث ہوں۔ نوح ہوں۔ ابراہیم ہوں۔ اسحاق ہوں۔ اسمٰعیل ہوں۔ یعقوب ہوں۔ یوسف ہوں موسیٰ ہوں۔ داؤد ہوں۔ عیسیٰ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہرِ اتم ہوں۔ مسیح ہوں، ظلّی طور پر محمد اور احمد ہوں۔ موتی ہوں۔ حجرِ اسود ہوں تمام انبیاء سے افضل ہوں۔ ذالقرنین ہوں۔ احمدِ مختار ہوں۔ بشارتِ اسم احمد کا مصداق ہوں۔ میکائیل ہوں۔ بیت اللہ ہوں۔ رُدّر گوپال یعنی آریوں کا بادشاہ ہوں۔ کلنکی اوتار ہوں۔ شیر ہوں۔ شمس ہوں۔ قمر ہوں۔ محی ہوں۔ ممیت ہوں۔ صاحبِ اختیارات کُن فیکون ہوں۔ کاسر الصلیب ہوں۔ امن کا شہزادہ ہوں۔ جرّی اللہ ہوں۔ برہمن اوتار ہوں۔ رُسل ہوں۔ اشجع الناس ہوں، معجون مرکب ہوں۔ داعی الی اللہ ہوں۔ سراج منیر ہوں متوکل ہوں۔ آسمان اور زمین میرے ساتھ ہیں۔ وجیہ حضرت باری ہوں۔ زائد المجد ہوں۔ محی الدین ہوں۔ مقیم الشریعہ ہوں۔ منصور ہوں۔ مُراد اللہ ہوں۔ اللہ کا محمود ہوں (یعنی اللہ میری تعریف کرتا ہے) نور اللہ ہوں۔ رحمۃ اللعالمین ہوں۔ نذیر ہوں۔ منتخب کائنات ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ میں وہ ہوں جس سے خدا نے بیعت کی غرض دنیا جہان میں جو کچھ تھا مرزا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے ؎

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو[1]

ان تمام دعووں کے بارے میں کچھ تحریر کرنا بھڑوں کے چھتے کو ہاتھ لگانے

[1] ائمہ تلبیس مصنفہ رفیق دلاوری جلد دوم صفحہ ۴۵۴ - ۴۵۵

کے مترادف ہے۔ ہمیں تو اُن میں سے چند دعووں کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔ جن میں سے سب سے پہلے دعویٰ مجددیت آتا ہے۔ اگرچہ مرزا صاحب کے پاس ابتدا ہی سے ایسے لوگ آتے رہتے تھے جو بیعت کرنے پر اصرار کرتے۔ لیکن مرزا صاحب نے انہیں یہ کہ کر روک رکھا تھا کہ ابھی امرِ الٰہی نہیں ہوا اس لیے آپ ذرا صبر سے کام لیں۔ چنانچہ اس طرح اس چالاک ماہرِ نفسیات نے لوگوں کی روحانی حس کو مزید بھڑکانے کی ایک کامیاب کوشش کی اور لوگ بڑی بے چینی اور اضطراب سے اس وقت کا انتظار کرنے لگے۔ جب مرزا صاحب انہیں بیعت ہونے کی اجازت مرحمت فرما کر اُن کی روحانی تشنگی کا سامان مہیا کرتے۔ ۱۸۸۴ء میں جب براہینِ احمدیہ کی چار جلدیں شائع ہو کر منصۂ شہود پر آگئیں تو اہلِ علم حضرات میں بھی مرزا صاحب کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ مخالف گروہ بھی اگرچہ بعض خدشات لیے ہوئے تھا لیکن مخالفت دبی دبی سی تھی۔ اور موافقت اُبھرتی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ موقع انتہائی بہترین موقع تھا کہ دستارِ فضیلت میں ایک اور سُرخاب کا پَر لگایا جائے۔ مُلہم، مستجاب الدعوات نور من اللہ تو بن ہی چکے تھے۔ مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجددیت کی تحریک دو ایسے افراد کی جانب سے ہوئی جو مرزا غلام احمد صاحب کے بہت ہی نزدیک تھے۔ ان میں ایک صاحب امرتسر میں مطب کرتے تھے مرزا غلام احمد کے ساتھ ایک عرصے سے ان کے دوستانہ مراسم قائم تھے۔ ان کا نام حکیم محمد شریف کلانوری تھا۔ اس تعلق کی نوعیت کا احساس اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب جب بھی امرتسر جاتے حکیم محمد شریف کلانوری کے ہاں ہی قیام ہوتا۔ ایک روایت کے مطابق براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ آپ مجدد ہونے کا اعلان کر دیں۔ اس زمانے کے لیے مجدد کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی ہے اور آپ سے بڑھ کر اس منصب کا اہل اور کون ہو سکتا ہے۔

دوسرے صاحب خود حکیم نور الدین تھے جن سے مرزا صاحب کے ایک مدت سے

دوستانہ مراسم تھے خود مرزا صاحب بھی اُن کی عقیدت اور احترام سے شدید متاثر تھے
اُن سے خط و کتابت کا سلسلہ ۱۸۸۵ء سے قائم تھا اور مرزا صاحب اپنے نجی اور خانگی
معاملات میں بھی اُن سے ضرور مشورہ کر لیتے تھے۔ ۱۸۸۸ء کی جنوری میں اُن سے بعض
ضروری اور اہم امُور کے بارے میں مشورہ لینے کے لیے مرزا صاحب بذاتِ خود کشمیر
گئے اور ایک ماہ تک حکیم صاحب کے ہاں قیام پذیر رہے۔ اس مدت میں حکیم صاحب نے
بھی مرزا صاحب کو مجددّیت کے اعلان کے بارے میں لازماً مشورہ دیا ہوگا۔ ۱۸۸۹ء
میں جب مرزا صاحب لدھیانہ گئے تو قیام لدھیانہ کے دوران ہی اپنے مجدّد ہونے کا اعلان
کر دیا اور یہ اعلان بھی انتہائی منظّم طور سے کیا۔ بیرونی دنیا سے مختلف غیر مسلم معروف
شخصیّتوں کے پتے منگوائے۔ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے تمام تاجدار اُن کے وزرا
اور عمالِ حکومت دُنیا کے مدبّروں، مصنّفوں، ہندوستان کے سبھی راجے اور نوابوں کے
نام اس فہرست میں شامل تھے جنہیں مرزا صاحب نے اُردو اور انگریزی میں شائع کر
دعوت ناموں کے ذریعے اپنے مجدّد ہونے کی اطلاع دے کر انہیں اسلام قبول کرنے
کی دعوت دی۔ بیس ہزار دعوت ناموں کی ترسیل کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب
نے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر دیا اور کئی سادہ لوح انسان مرزا صاحب سے بیعت ہوئے
تاہم علمائے لدھیانہ نے مرزا صاحب کی شدید مخالفت کا آغاز کر دیا۔ مولانا محمد، مولانا عبداللہ
اور مولانا اسمٰعیل جو لدھیانہ کے اندر اور گردونواح میں اپنی دینی بصیرت کی وجہ سے اچھی خاصی
شہرت رکھتے تھے اس مخالفت میں پیش پیش تھے۔

بیعت کی بنیادی شرط:۔

(۱) اس بیعت کی غرض و غایت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مرزا
صاحب جس شخص سے بھی بیعت لیتے تھے اس سے بعض باتوں کی پابندی کا عہد بھی لیتے۔ ان
باتوں میں جو شرط سب سے نمایاں تھی وہ سرکار برطانیہ کی اطاعت گذاری اس کی فرمانبرداری
اور وفاداری کا عہد تھا۔ چنانچہ ان کی تحریروں سے یہ بات نمایاں ہے۔ فرماتے ہیں:

"جو ہدایتیں اس فرقے کے لیے میں نے مرتب کی ہیں جن کو میں نے ہاتھ سے لکھ کر اور چھاپ کر ہر ایک کو پابند کر دیا ہے کہ ان کو اپنا دستور العمل رکھے وہ ہدایتیں میرے اس رسالہ میں مندرج ہیں جو ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو چھپ کر عام مریدوں میں شائع ہوا ہے جس کا نام "تبلیغ مع شرائط بیعت" ہے جس کی ایک کاپی اسی زمانے میں گورنمنٹ کو بھی بھیجی گئی تھی۔ ان ہدایتوں کو پڑھ کر اور ایسی ہی دوسری ہدایتوں کو دیکھ کر جو وقتاً فوقتاً چھپ کر مریدوں میں شائع ہوتی ہیں گورنمنٹ کو معلوم ہوگا کہ اس جماعت کو امن بخش اصولوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور کس طرح بار بار ان کو تاکیدیں کی گئی ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے سچے خیر خواہ اور مطیع رہیں[1]۔"

(ب) "اس تمام تقریر سے جس کے ساتھ میں نے اپنی سترہ سالہ مسلسل تقریروں سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ میں سرکار انگریزی کا بدل وجان خیر خواہ ہوں اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعتِ گورنمنٹ اور ہمدردی بندگانِ خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائطِ بیعت میں داخل ہے۔ چنانچہ پرچہ شرائطِ بیعت جو ہمیشہ مریدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس کی دفعہ چہارم میں انہی باتوں کی تصریح ہے[2]۔"

آگے چل کر میاں محمود احمد قادیانی، قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ نے بھی اس شرط کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:۔

"اس عام اصلاح کے علاوہ بھی ایک خاص امر کو اس جگہ ضرور بیان کر دینا چاہتا ہوں اور وہ حضرت مسیح موعود کا اپنی بیعت کی شرائط میں وفاداری حکومت کا

---

[1] درخواست بحضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ، منجانب خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی مورخہ ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صـ۱۶ مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی

[2] ضمیمہ کتاب البریہ صـ۹ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی

شامل کرنا ہے آپ نے اپنی قریباً کل کتب میں اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ جس گورنمنٹ کے ماتحت رہیں اس کی پورے طور پر فرمانبرداری کریں اور یہاں تک لکھا کہ جو شخص اپنی گورنمنٹ کی فرمانبرداری نہیں کرتا اور کسی طرح بھی اپنے حکام کے خلاف شورش کرتا ہے اور ان کے احکام کے نفاذ میں روڑے اٹکاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

یہ سبق آپ نے جماعت کو ایسا پڑھایا کہ ہر موقع پر جماعت احمدیہ نے گورنمنٹ ہند کی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے اور کبھی خفیف سے خفیف شورش میں بھی حصہ نہیں لیا ہے۔[1]

سبحان اللہ کیا بات ہے۔ مرزا صاحب ایک مدت تک لوگوں کو انتظار کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے بعد جب بیعت لینے کے لیے آمادہ ہوئے تو انگریزی حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بیعت کی بنیادی شرط قرار دیا تاکہ جیسے جیسے حلقۂ پیروکار بڑھے ویسے ویسے انگریزوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا جائے۔

بہر حال مرزا صاحب نے مجدد ہونے کا دعوٰی کر کے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی جانب ایک قدم اور آگے بڑھایا تاکہ جلدی جلدی مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کر سکیں جو دعوٰی قادیانیت کی تاریخ میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔

مثیلِ مسیح ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب پہلے ملہم و مستجاب الدعوات بنے جس کے بعد بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کیا اور جب مامور من اللہ بنے کچھ مدت گذر گئی تو پھر مجدد و محدث ہونے کا دعوٰی کیا۔ لیکن اُن کے محدث و مجدد ہونے کے اعلان ہی میں یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی تھی کہ ابھی یہ شوق پورا نہیں ہوا بلکہ معاملہ اس سے بھی آگے بڑھے گا۔

---

[1] تحفۃ الملوک صفحہ ۱۲۴ مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان

جیسا کہ مرزا صاحب کی مشہور تصنیف "توضیح مرام" میں اس بات کا ثبوت ایک اقتباس سے ملتا ہے :۔

"یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اُمت کے لیے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے گو اس کے لیے نبوت تمام نہیں مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے اور امورِ غیبیہ اُس پر ظاہر کیئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اُس کی وحی کو بھی دخل شیطانی سے منزّہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیار کی طرح مامور ہو کر آتا ہے اور انبیار کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں[1]"

اب اس تحریر کو آپ محدث ہونے کے دعویٰ پر منطبق کرلیں یا اسے دعویٰ نبوت سمجھ لیں یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ مرزا صاحب نے کمال ہمت سے اس میں اتنی گنجائش رکھ چھوڑی ہے۔ یہ تحریر دعویٰ بیک وقت محدث و نبوت کے دعوے کی تحریر ہے۔ مرزا صاحب کا یہی کمال ہے کہ ان کی تحریریں ذو معنی ہیں ۔۔۔۔ تاکہ موقع محل کے مطابق انہیں ہر حالت میں استعمال میں لاکر سیدھے سادے مسلمانوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ گمراہ کیا جاسکے اور اگر سمجھا جائے تو شاید دجل کے معنی بھی یہی ٹھہرتے ہیں۔

۱۸۹۰ء تک مرزا صاحب نے جو اہم دعوے کیے اُن میں مامور من اللہ اور محدّث و مجدّد ہونے کے دعوے اہم ہیں یا پھر انہوں نے اپنی حیثیت کا تعارف کراتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ مسیح ناصری کے رنگ میں خدا کی طرف سے اس کی مخلوق کی جانب بھیجے گئے ہیں یعنی انہیں مسیح موعود سے مماثلت ہے۔ چونکہ براہین احمدیہ میں وہ یہ بات تو واضح کر ہی

---

[1] توضیح مرام مصنفہ مرزا غلام احمد، ص ۱۵

چکے تھے کہ دینِ اسلام کا پوری دنیا پر غلبے کا وعدہ جو خدا نے مسلمانوں سے کر رکھا ہے وہ مسیح موعود کے ذریعے ہوگا اور اس کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا اس لیے آپ کو اسلام کے پھیلانے کا جو شوق تھا وہ اس وقت تک پورا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جب تک، وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہ کر لیتے۔ لہٰذا انہیں مجبوراً یہ دعویٰ بھی کرنا ہی پڑا۔ لیکن اس دعوے کے لیے کہ وہ مسیح موعود ہیں حکیم نورالدین کے مشورے کی اشد ضرورت تھی۔ مرزا صاحب کی جب نجی و خانگی معاملات میں بھی حکیم صاحب سے مشورہ لینے کی عادت ٹھہری تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے سے پیشتر وہ حکیم نورالدین سے مشورہ نہ لیتے۔ چنانچہ ایک[1] خط کے ذریعے جو حکیم نورالدین کے جواب میں مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں حکیم نورالدین کے مشورے کا جواب اس طرح سے دیتے ہیں:

"جو کچھ آں مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشقی حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیلِ مسیح کا دعویٰ ظاہر کیا جائے تو اس میں حرج کیا ہے؟ دراصل اس عاجز کو مثیلِ مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بننا چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کر لیوے۔ لیکن ہم ابتلا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا ہی کو رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ "احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون"

اس خط سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکیم نورالدین نے مرزا صاحب کو مثیلِ مسیح بننے کے لیے تحریر کیا تھا جس کے جواب میں مرزا صاحب اگرچہ بظاہر یہ تحریر بھی کیا کہ اس عاجز کو مسیح یا مثیلِ مسیح بننے کا شوق ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ خدا ان کو اپنے عاجز بندوں میں شمار کرے۔ لیکن ساتھ ہی یہ لکھ کر کہ "ہم ابتلا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا ہی کو رکھا ہے" اس جانب بھی اشارہ کر دیا کہ مثیلِ مسیح بننے کا مشورہ قبول ہے۔ اگرچہ اس میں ابتلا کا سامنا کرنا پڑیگا

---

[1] یہ خط مرزا صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہے اور اس پر ۲۴ جنوری ۱۸۹۱ء کی تاریخ درج ہے

اس کے ساتھ ہی یہ کہ کر خود کو تسلی بھی دے لی کہ ترقی کے راستے میں مشکلات آتی ہی ہیں اور اگر میری ترقی کی راہ میں مشکلات اور ابتلاء کا دور آگیا تو یہ بھی ایک فطری بات ہوگی کیونکہ خداوندکریم نے دورِ ابتلا کو ذریعہ ترقی قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے مثیلِ مسیح ہونے کا اعلان کر دیا۔ جس کے ثبوت میں خود مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) "اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بہ شدت مناسبت اور مشابہت ہے"[۱]

(۲) دوسری جگہ یہی دعویٰ ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے:

"جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعے سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دُنیا میں تشریف لائیں گے تو اس کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات وانوار کے رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی مشابہ واقع ہوئی ہے، گویا ایک جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں"[۲]

(۳) تیسری جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ ہے جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے"[۳]

---

[۱] اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول ص۱۵ مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی

[۲] براہینِ احمدیہ ص۴۹۹ حاشیہ در حاشیہ نمبر۳ مصنفہ غلام احمد

[۳] اشتہار مرزا غلام احمد مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۲۱ مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی

۴۔ چوتھی جگہ اپنے آپ کو مثیلِ مسیح کہہ کر اس بات کی تردید بھی کرتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہیں۔ غور فرمائیے :۔

"اس عاجز نے جو مثیلِ موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سُنا گیا ہو بلکہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو میں نے خدا تعالیٰ سے پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بہ تصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر گیا ہوگا۔ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پہ لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذّاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں۔ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں"[1]

مسیح موعود (۱۸۹۱ء)

کمال حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ مرزا صاحب نے اسی سال اُس بات کا بھی دعویٰ کر دیا جس کی تردید وہ مندرجہ بالا تحریروں کے ذریعے کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی تین تصانیف جن کے نام "ازالہ اوہام" "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" ہیں ایک ہی سال (۱۸۹۱ء) کی تصانیف ہیں اور انہی کتابوں میں مرزا صاحب نے مسیح موعود کا دعویٰ کیا ہے۔ ذیل کے اقتباسات انہیں کتابوں سے لیے گئے ہیں جن سے صاف طور پر مسیح موعود ہونے کے دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے۔

" ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے "

(۱) "سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابنِ مریم یہی ہے جس نے عیسٰی ابنِ

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۵ مصنفہ مرزا غلام احمد

مریم کی طرح اپنے زمانے میں کسی ایسے شیخ والدِ روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا۔ اور اس اپنے بندہ کا نام ابنِ مریم رکھا کیونکہ اس نے مخلوق میں اپنی روحانی والدہ کا تو منہ دیکھا جس کے ذریعے اس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعے کے حاصل ہوئی۔ تب وہ وجودِ روحانی پاکر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھالیا۔ اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنسان پڑی تھی اور تاریک تھی، اس کے روشن اور آباد کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسلِ اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابنِ مریم نہیں تو کون ہے؟" (ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۸۔ مصنفہ غلام احمد)

مندرجہ بالا عبارت جو مرزا غلام احمد کی کتاب "ازالہ اوہام" سے ماخوذ ہے کوئی اتنی سادہ اور سلیس نہیں کہ آسانی سے سمجھ آسکے۔ لیکن اس کا مطلب واضح ہے کہ احادیثِ نبوی میں جو مسیح ابنِ مریم کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں اس سے مراد میں (مرزا غلام احمد) ہی ہوں۔ دلیل یہ ہے کہ جیسے ابن مریم بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ ویسے میں بھی بغیر کسی پیرِ طریقت کی رہنمائی کے اس کمال کو پہنچا ہوں۔ کیا خوب دلیل ہے۔

(۲) ۱۸۹۱ء کی دوسری تصنیف فتح اسلام کے صفحہ ۶، ۷ پر مرزا صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ جس کا انتظار

کرتے کرتے تمہارے بزرگ آبا گذر گئے اور بے شمار رُوحیں اس کے شوق میں سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پالیا۔ اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے اور میں اس کو بار بار بیان کرونگا۔ اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لیے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔"

اسی کتاب کے کسی دوسرے مقام پر صاف طور پر مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں۔

۳۔ "سو اس عاجز کو اور بزرگوں کی فطرتی مشابہت سے علاوہ جس کی تفصیل براہینِ احمدیہ میں بہ بسط تمام مندرج ہیں حضرت مسیح کی فطرت سے ایک خاص مشابہت ہے۔ اور اسی فطری مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا تاکہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو میں صلیب کو توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اُترا ہوں، اُن پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے۔"

(فتح اسلام حاشیہ صفحہ ۹ ازمرزا غلام احمد)

۴۔ فتح اسلام کے بعد ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کی جو دوسری تصنیف توضیح مرام ہے اس میں مرزا صاحب نے ابتداء ان الفاظ سے کی ہے:۔

"مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابنِ مریم اسی عنصری وجود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور پھر وہ کسی زمانے میں آسمان سے اُتریں گے، میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔ اور نیز یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام و الہام الٰہی یہی عاجز ہے۔"

(توضیح مرام صفحہ ۳ مرزا غلام احمد)

غور کیجیے مرزا صاحب آہستہ آہستہ لیکن کتنے واضح الفاظ میں اپنے آپ کو مسیح موعو

کہتے ہیں حالانکہ اس سلسلے کی ابتدائی تحریر مبہم۔ گنجلک اور اُلجھی ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس چابکدستی سے منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔

(۵۔ "میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیشگوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔"

تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۵۔ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

اب ذرا اور واضح طور پر اعلان ہوتا ہے اور نہ ماننے والوں پر لعنت بھی بھیجی جاتی ہے ملاحظہ ہو۔

۶۔ "مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔[۱]"

دعویٰ مسیحیت کے بعد:۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ نے جو انہوں نے ۱۸۹۱ء میں کیا تھا انہیں زندگی کے اہم ترین دور میں داخل کر دیا۔ اسی دور میں ان کی مخالفت کا آغاز ہوا اور مرزا صاحب کے بعض ایسے مرید جو اُن سے حسنِ ظن رکھتے تھے اس دعویٰ سے بدظن ہو گئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہیں اُن سے صاف اور واضح طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر موجود ہونا اور دوبارہ آسمان سے نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسی تمام احادیث سے مسلمانوں کا علمی حلقہ بڑی اچھی طرح متعارف تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ مرزا صاحب کے اندر اُن نشانیوں میں سے ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی جو احادیث کی روشنی میں ایک آدمی اپنے ذہن میں مرتب کرتا ہے۔ تو ان کے اس جھوٹ کے بارے میں انہیں کوئی شک باقی نہ رہا۔ اور اُن کے اس دعویٰ کی تردید ان پر فرض قرار

---

[۱] اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۸ مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد

پا گئی۔ خاص طور پر ایسے علماء حضرات جو براہین احمدیہ کی تحریروں سے ہی مرزا صاحب کے ارادے بھانپ چکے تھے اور دعویٰ مجددیت کے بعد سے ہی مرزا صاحب کی مخالفت میں کمر ہمت باندھ کر اس قادیانی تحریک کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کے مسیح موعود بننے کے بعد لوگ زیادہ انہماک اور اعتماد کے ساتھ اس کی تردید میں مصروف ہو گئے۔ خود مرزا صاحب کے سامنے بھی دعویٰ مسیح موعود کے بعد بعض ایسی مشکلات تھیں جن کا حل سوچ کر ہی وہ آگے بڑھ سکتے تھے خاص طور پر اُن احادیث کی روشنی میں مسیح موعود کو لازمی طور پر بعض خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے تھا جس میں سے کوئی بھی مرزا صاحب میں نہ تھی۔ مثلاً ان سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ • مینارۂ دمشق پر فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔

۲۔ • دو زرد رنگ کی چادروں میں ملبوس ہوں گے۔

۳۔ • وہ دمشق میں نازل ہوں گے۔ صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے۔

۴۔ • نمازی نماز کے لیے تیار ہوں گے۔ امام کا نام احمد ہوگا اُن کے باپ کا نام عبداللہ والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ لوگ حضرت عیسیٰ کو پہچان کر اُن سے امامت کے لیے کہیں گے اور آپ جواب میں ارشاد فرمائیں گے کہ آپ ہی نماز پڑھائیں۔ میں اِس اُمّت میں نبی کی حیثیت سے نہیں آیا۔ بلکہ مجھے آنحضرت صلعم کے اُمتی کی حیثیت سے بعض ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔

غرضیکہ نزولِ مسیح کا عقیدہ کوئی ایسی کہانی نہ تھی جو ہر ایک کے ساتھ وابستہ کی جا سکتی نزولِ مسیح کا عقیدہ ایک اسلامی عقیدہ تھا اور مسلمان اس عقیدے کے نہ صرف قائل تھے اچھی طرح اس سے واقف بھی تھے اور اگر اُس وقت کے حالات کو غور سے دیکھا جائے تو مسلمان حضرت مسیح موعود کے منتظر بھی تھے۔ پچھلے چودہ سو برس کے اندر مسلمانوں جتنے بھی اہم اور مشہور علماء، محدّث و مفکرّ پیدا ہوئے ہیں انہوں نے اپنی تحریروں نزولِ مسیح کا مسئلہ پیش کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ نزولِ مسیح کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اندر ابو الحسن

سے تواتر کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے اس موضوع پر الگ اور مستقل طور پر تحریر کیا ہے۔ علامہ ابنِ حزم نے بھی اپنی کتاب میں اس عقیدے کی تصدیق کی ہے اور اس دور کے مشہور و معروف عالم دین مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے ان تمام نقول اور تفصیلات پر ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا نام "عقیدۃ الاسلام" ہے

مرزا صاحب کو خیال گذرا ہوگا کہ دینی خدمات سے چرچا ہو گیا ہے۔ اُس کے ذریعے مسندِ مسیحیت پر وہ فروکش ہو جائیں گے تو مسلمان اس دعوے کو تسلیم کر لیں گے اس لیے موقعہ مناسب خیال کرتے ہوئے دعویٰ کر دیا لیکن نزولِ مسیح کی روایات پر جو مرزا صاحب نے دعویٰ کیا، اُن کی تفصیلات سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح کا نزول دمشق میں ہوگا اور یہاں پر صورت یہ ہے کہ مسیح موعود صاحب قادیان میں تشریف رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ قادیان اور دمشق میں کافی فاصلہ موجود ہے۔ اُن کے سچے ہونے کی بات کہاں تک صحیح اور درست مانی جا سکتی ہے اب مرزا صاحب نے جب ان لوگوں کی باتوں کی جانب توجہ دینا شروع کی تو پھر سوچ کے سمندر سے دلائل کے وہ موتی اٹھا لائے کہ حقیقت سر پیٹ اٹھی اور عقل و خرد انگشت بدنداں رہ گئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ عاجز ابھی اس بات (دمشق اور قادیان والی) کی تفتیش کی طرف متوجہ نہیں ہوا کہ وہ معنی کیا ہیں کہ اسی اثنا میں میرے ایک دوست اور محب واثق مولوی حکیم نورالدین صاحب اس جگہ قادیان تشریف لائے اور انہوں نے اس بات کے لیے درخواست کی جو مسلم کی حدیث میں لفظ دمشق و نیز اور چند ایسے مجمل الفاظ ہیں اُن کے انکشاف کے لیے جنابِ الٰہی میں توجہ کی جائے چنانچہ ان دنوں میں میری طبیعت علیل اور دماغ ناقابل جد و جہد تھا اس لیے میں ان مقاصد کی طرف توجہ کرنے سے مجبور رہا۔ صرف تھوڑی سی توجہ کرنے سے ایک لفظ کی حقیقت مجھ پر کھولی گئی۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۳۲-۳۳)

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ تاویل ملاحظہ ہو

"پس واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تاویل میں میرے پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبے کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات و خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ و رسول کی کچھ محبت نہیں اور احکام الٰہی کی کچھ عظمت نہیں۔ جنہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معمول بنا رکھا ہے اور اپنے نفس امارہ کے حکموں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان ہے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کا وجود ہونا اُن کی نگاہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو اُنہیں سمجھ نہیں آتا اور کیونکہ طبیب کو بیماروں کی طرف آنا چاہیے اس لیے ضروری تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو۔" (حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۳۳-۳۴)

"پس مسیح کا دمشق میں اترنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیل مسیح جو حسین سے بھی بوجہ مشابہت ان دونوں بزرگوں کی مماثلت رکھتا ہے یزیدیوں کو تنبہ اور ملزم کرنے کے لیے جو مثیل یہود ہیں اُترے گا" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۴)

دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے (ازالہ اوہام صفحہ ۳۴)

" تب اس نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ یزیدی الطبع ہیں اور یہ قصبہ (قادیان) دمشق کے مشابہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے ایک بڑے کام کے لیے اس دمشق میں اس عاجز کو اتارا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸)

معترضین حضرات نے جب یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو دو زرد رنگ کی چادروں میں ملبوس ہوں گے تو جواب دیا۔

" میں ایک دائم المرض آدمی ہوں اور دو زرد رنگ کی چادریں جن کے بارے میں حدیثوں میں ذکر ہے کہ ان دو چادروں میں مسیح نازل ہوگا۔ وہ دو زرد چادریں میرے شامل حال ہیں جن کی تعبیر علم الرؤیا کی رو سے دو بیماریاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اُوپر کے حصے میں ہے کہ ہمیشہ سر درد اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری چادر میرے نیچے کے

حصہ بدن میں ہے وہ بیماری ذیابطیس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارضِ ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شاملِ حال رہتے ہیں" (ضمیمہ اربعین نمبر ۳-۴ صفحہ ۴ از مرزا غلام احمد)

یوں مرزا صاحب اپنے راستے کے روڑے ہٹاتے ہوئے آگے کی جانب بڑھتے رہے حتیٰ کہ انہیں وہ گوہرِ مقصود حاصل ہو گیا جس کے لیے وہ انتہائی محنت اور جانفشانی سے ایک مدت سے کام کر رہے تھے یعنی دعویٰ نبوت بھی کر ڈالا اور نبوت کے پلیٹ فارم سے جو اہم خدمات سرانجام دیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مسلمان کی تکفیر کر کے انہیں جوابی کاروائی کے لیے مجبور کیا۔

(۲) ملتِ اسلامیہ میں اختلاف و نفاق کا بیج بویا۔

(۳) انگریز کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ایک تسلسل کے ساتھ پرچار کر کے اُن کے اقتدار کی مدت میں اضافے کی ناپاک کوشش کی۔

(۴) جہاد کو منسوخ قرار دینے کا فریضہ سرانجام دیا تاکہ مسلمانوں سے عسکری رُوح نکال کر ان میں ذلت و مذہبی بے غیرتی پیدا کر کے انہیں دینی و سیاسی طور پر نااہل اور کم ہمت بنا دیا جائے تاکہ انگریز بابا انتہائی آسانی اور آرام کے ساتھ اُن پر حکمرانی کر سکے۔

(۵) مذہب کے نام پر دولت اکٹھی کر کے مالی طور پر ایسی حیثیت اختیار کی جائے کہ آنے والی نسل بڑے آرام کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

(۶) اُن قوتوں کے خلاف محاذ آرائی کر کے انہیں کمزور کیا جائے جو دینی جذبے سے سرشار ہو کر غلامی کے خلاف بے جگری کے ساتھ نبرد آزمائی کا فریضہ انجام دے رہی تھیں

(۷) اپنے پیروکاروں کو ایسی تعلیم دی جس کے زیرِ اثر ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے مختلف اسلامی ممالک کے اندر انگریزوں کی جاسوسی کا فریضہ سرانجام دیا اور یوں قادیانی جماعت سے انگریزوں کو مخلص اور مستعد رضاکار ہاتھ آئے جنہوں

نے ہندوستان اور اس کے باہر انگریز حکومت کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں مثلاً
افغانستان میں عبداللطیف قادیانی جسے جہاد کے خلاف پرچار کرنے کی بنا پر
افغانستان حکومت نے قتل کرادیا تھا اس کی کہانی خود قادیانیوں کی زبانی سُنیئے:

"وہ اطالوی مورخ لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس لیے شہید کیا
گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومتِ افغانستان کو خطرہ لاحق ہوگیا
تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبۂ حریت کمزور پڑجائے گا اور انگریزوں کا اقتدار
چھاجائے گا۔

اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور جہاد کے باب میں جماعت
احمدیہ کا مسلک بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر اُن پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر وہ
اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہوگئے جو انہیں حکومتِ برطانیہ کے متعلق تھا
اور وہ اس ہمدردی کی وجہ سے مستحق سزا ہوگئے جو قادیان سے لے کر گئے تھے[1]

یہ تھے وہ کارنامے جو مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں سرانجام دیئے اور
تک ان کی اُمت اُسی مشن کی روشنی میں سرانجام دے رہی ہے۔ جس کا سارا ثواب
مرزا صاحب کی رُوح کو پہنچ رہا ہے۔ تل ابیب کے مقام پر قادیانی سفارت خانہ
دور ہیں اسی کام کے اندر مصروف ہے۔

دعویٰ نبوت (سنہ ۱۹۰۰ء)

مرزا صاحب نے مسیح موعود بننے کے بعد ۱۹۰۰ء میں دعویٰ نبوت بھی کیا۔ اور یوں
سے دعویٰ مجددیت اور پھر دعویٰ مجددیت سے دعویٰ نبوت تک کا عرصہ
غلام احمد صاحب کی زندگی کا ایک ارتقائی عرصہ ہے جسے انہوں نے ایک
سمجھے منصوبے کے تحت کمال ہمت سے بسر کیا وہ یکے بعد دیگرے دعوے
کرتے چلے گئے اور یوں ٹھہر ٹھہر کر نبوت کی جانب قدم بڑھاتے گئے۔ مرزا

[1] اخبار الفضل ۶ اگست ۱۹۲۵ء

زندگی کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قادیانیت کے پیچھے ایک انتہائی زیرک اور عیار دماغ کام کر رہا تھا مرزا کے اعلانات و دعاوی اور پھر اُن دعاوی کے تدریجی مراحل اور پھر ہر دعوے کی کڑی کا دوسرے دعوے سے مربوط ہونا ایک مربوط سکیم اور منظم منصوبے کی نشاندہی کرتا ہے۔

سیّد سردار شاہ قادیانی نے جنوری ۱۹۲۳ء میں تقریر کرتے ہوئے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ تقریر ۴۔ جنوری ۱۹۲۳ کے الفضل کے شمارہ میں شائع بھی ہوئی ہے۔ اور مرزا بشیر الدین محمود نے بھی اپنی کتاب حقیقت النبوّۃ کے صفحہ ۱۲۴ پر اس واقعہ کو تحریر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب نے پہلی دفعہ اپنی نبوت کا اعلان کس ڈرامائی انداز سے کیا۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ "۱۹۰۰ء کی بات ہے مولوی عبدالکریم صاحب نے جو جمعہ کے خطیب تھے ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں مرزا صاحب کے لیے نبی اور رسول کے لفظ استعمال کیے اس خطبے کو سُن کر مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی نے بہت پیچ و تاب کھائے جب یہ بات مولوی عبدالکریم صاحب کو معلوم ہوئی تو پھر انہوں نے ایک خطبہ پڑھا اور اس میں مرزا صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں غلطی کرتا ہوں تو حضور مجھے بتلائیں میں حضور کو نبی اور رسول مانتا ہوں۔ جب جمعہ ہو چکا اور مرزا صاحب جانے لگے تو مولوی صاحب نے پیچھے سے مرزا صاحب کا کپڑا پکڑ کر درخواست کی کہ اگر میرے اس اعتقاد میں غلطی ہو تو حضور درست فرمائیں۔ مرزا صاحب مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا۔ یہ خطبہ سُن کر مولوی محمد احسن صاحب غصّے میں بھرے ہوئے واپس آئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگے۔ جب مولوی عبدالکریم صاحب واپس آئے تو مولوی محمد احسن صاحب ان سے لڑنے لگے اور آواز بہت بلند ہو گئی تو مرزا صاحب مکان سے نکلے اور یہ آیت پڑھی:۔ یاایّھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النّبی"

یوں اس خطبے اور واقعے سے مرزا صاحب نے مولوی عبدالکریم قادیانی سے اپنی نبوت کا اعلان کروا دیا کیونکہ مرزا صاحب کو اس امر کا مکمل یقین ہو چکا تھا کہ لوگ اُن پر اعتماد کرنے لگے ہیں کہ انکے ہر دعوے پر ایمان لے آئیں گے۔ ذیل میں دعویٰ نبوت کیلئے چند حوالے پیش کیے جاتے ہیں

۲۔ "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک طاعون دنیا میں رہے گا گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیگا کیونکہ یہ اُس کے رسول کی تخت گاہ ہے اور یہ تمام اُمتوں کے لیے نشان ہے۔

(دافع البلاء مصنفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۱۰، ۱۱)

۳۔ "میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں پہلے بھی کئی نبی گذرے ہیں جنہیں تم سچا مانتے ہو۔"

(ارشاد مرزا غلام احمد مندرجہ اخبار بدر مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۸)

۴۔ "میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۶۸ مصنفہ مرزا غلام احمد)

۵۔ "جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا ہوتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور ان ہی امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں

اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں[1]۔"

۶۔ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

۷۔ "پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشین گوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا شروع ہو جانا میری سچائی کے لیے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصۂ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں (حقیقت الوحی صفحہ ۱۶۱)

۸۔ "کانگڑہ اور بھاگسو کے پہاڑ کے صدہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ ان کا کیا قصور تھا انہوں نے کونسی تکذیب کی تھی سو یاد رہے کہ جب خدا کے کسی مرسل کی تکذیب کی جاتی ہے خواہ وہ تکذیب کوئی خاص قوم کرے یا کسی خاص حصۂ زمین میں ہو مگر خدا تعالیٰ کی غیرت عام عذاب نازل کرتی ہے۔" (حقیقت الوحی صہ ۱۶۲)

۔ "پس خدا نے اپنی سنت کے مطابق ایک نبی کے مبعوث ہونے تک وہ عذاب ملتوی رکھا اور جب وہ نبی مبعوث ہو گیا تب وہ وقت آیا کہ ان کو ان کے جرائم کی سزا دی جائے۔" (تتمہ حقیقت الوحی صہ ۵۲)

۔ "سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا، پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو تلاش کرو شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹۰۸)

مرزا غلام احمد کی مندرجہ بالا تحریروں سے اُن کے دعویٰ نبوت کا بیّن ثبوت ملتا ہے ویسے تو کئی اور اقتباسات مرزا صاحب کی کتابوں سے پیش کیے جا سکتے ہیں

---

[1] مرزا صاحب کا آخری خط مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء بنام اخبار "عام" لاہور۔ یہ خط مرزا صاحب کی وفات سے صرف تین دن پہلے کا ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کی وفات کا دن ۲۶ مئی ہے۔

لیکن طوالت کے پیشِ نظر ان ہی چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ مرزا صاحب کی تحریروں کے علاوہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثالث کے ارشادات اس دعویٰ کی تصدیق اور توثیق کے ضمن میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین حضرات مطمئن ہو جائیں کہ مرزا صاحب نے اپنے مکمل نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور یہ کہ وہ لاہوریوں کے عقائد کے مطابق محض مجدد ہرگز نہ تھے۔

تصدیقِ نبوت

قادیانی امت کے دوسرے خلیفہ اور مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۹۱۵ء میں ایک کتاب "حقیقت النبوت" کے نام سے تحریر کر کے اسے شائع کیا جس کی غرض و غایت لاہوری پارٹی کے مقابلے میں مرزا صاحب کو ایک مکمل شرعی اور حقیقی نبی ثابت کرنا تھا کیونکہ لاہوری پارٹی نے مرزا بشیر الدین کے مسند خلافت پر متمکن ہونے پر یہ کہتے ہوئے قادیانیوں سے الگ تنظیم قائم کر لی تھی۔ کہ مرزا صاحب نبی نہیں بلکہ مجدد تھے چنانچہ اس کتاب کی لوح پر یہ تحریر لکھی ہوئی ہے کہ اس میں

"مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت براہین قاطعہ کے ساتھ ثابت کی گئی ہے۔"

کتاب کے صفحہ ۱۸۴ سے لے کر صفحہ ۲۲۳ تک لاہوری پارٹی کو قائل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد کی نبوت کے دلائل دیے گئے ہیں۔ ان دلائل کی کل تعداد بیس ہے۔ جن میں سے ساتویں دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب نے خود اپنے آپ کو نبی اور رسول کہا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں عبارتوں کے حوالے بطور ثبوت پیش کئے ہیں جن میں سے چند عبارتوں کو اوپر پیش کیا گیا ہے۔ جن میں دعویٔ نبوت کے علاوہ اور کسی بات کی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اسی طرح مرزا بشیر الدین محمود نے مرزا صاحب کے بعض الہامات بھی اپنی کتاب میں بطور ثبوت پیش کئے ہیں۔ اور ان الہامات کو اپنے والد صاحب کی نبوت کی دلیل کہا ہے۔ ان الہامات کی جو کتاب "حقیقت النبوۃ" میں درج ہیں کل تعداد ۳۹ تک پہنچتی ہے جن میں بعض دلائل اردو زبان میں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور دار حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

ان الہامات کو تحریر کرنے کے بعد مرزا محمود نے تحریر کیا۔ کہ

"اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس قدر الہامات کی موجودگی میں ہم حضرت مسیح موعود کو غیر نبی قرار دیں اللہ تعالیٰ تو ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بیسیوں اور سینکڑوں دفعہ آپ کو نبی کے نام سے یاد فرماتا ہے اور ہم سب جگہ یہ تاویل کر لیں کہ ان سب الہامات سے مُراد اس قدر ہے کہ آپ نبی نہیں۔ مگر نبیوں کی کوئی صفت آپ میں پائی جاتی ہے۔ کیا اس کی نظیر دنیا میں کسی اور انسان میں بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بار بار نبی کہہ کر پکارتا ہے لیکن درحقیقت وہ نبی نہیں ہوتا۔

"کیا سب نبیوں کو ہم اس لیے نبی نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہی خدا جس نے موسیٰ سے کہا تو نبی ہے تو وہ نبی ہو گیا۔ اور عیسیٰ سے کہا کہ تو نبی ہے تو وہ نبی ہو گیا۔ لیکن آج مسیح موعود سے کہتا ہے کہ تو نبی ہے تو وہ نبی نہیں ہوتا۔ اگر نبی بنانے کے لیے کوئی اور لفظ ہوتے ہیں تو انہیں ہمارے سامنے پیش کرو جن سے ہمیں معلوم ہو سکے کہ پہلے نبیوں کو تو اس طرح نبی کہا جاتا تھا تب وہ نبی ہوتے تھے۔ اور مسیح موعود کو اس کے خلاف کسی اور طرح نبی کہا گیا ہے۔ پس وہ نبی نہیں ہوئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی یقینی وحی کی موجودگی میں کوئی شخص مسیح موعود کی نبوّت کا انکار کر سکتا ہے اور جو شخص انکار کرتا ہے۔ اسے ضرور پہلے نبیوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کی نبوّت جن دلائل اور جن الفاظ سے ثابت ہوتی ہے اُن سے بڑھ کر دلائل اور صاف الفاظ حضرت مسیح موعود کی نبوّت کے متعلّق موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اگر مسیح موعود نبی نہیں تو دنیا میں آج تک کوئی نبی ہوا ہی نہیں۔"[1]

---

[1] حقیقت النبوّت صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱ از مرزا بشیر الدین محمود

اس تحریر کو غور سے پڑھ کر فیصلہ کریں کہ کیا مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے؟ پھر لاہوری مرزائی مرزا غلام احمد کی بعض ابتدائی تحریروں یا اس کی دجل آفریں عبارتوں کو پیش نظر رکھ کر اس بات پر جب اصرار کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت سرے سے کیا ہی نہیں ہے۔ یا اُن کی نبوت جزوی اور ناقص یا نبوت محدثیت تھی تو ان کا یہ دعویٰ صداقت کے اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے خواجہ کمال الدین اور محمد علی ایم اے جیسے پڑھے لکھے لوگوں کا ایک ایسی بات پر اصرار جس کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ درحقیقت لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کا اختلاف مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔ اگرچہ اہل حق اور طالبان راہ ہدایت کے لیے اوپر کی عبارت ہی کافی ہے۔ تاہم "حقیقت النبوۃ" کی چند تحریریں اور بھی پڑھ لیں تاکہ تسلی ہو جائے۔

۱۔ "آپ (یعنی مرزا غلام احمد) نبی ہیں اور خدا اور اُس کے رسول نے ان ہی الفاظ میں آپ کو نبی کہا ہے۔ جن میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو نبی کہا گیا ہے"
(صفحہ ۷۰)

۲۔ "پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رُو سے بھی نبی ہیں۔ اور لغت کے معنوں کی رُو سے بھی نبی ہیں۔" (صفحہ ۱۱۶)

۳۔ "پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اُس کے معنی سے حضرت صاحب ہرگز مجازی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔" (صفحہ ۱۷۴)

۴۔ "بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کے مطابق مانتے ہیں۔" (صفحہ ۲۲۲)

لاہوری پارٹی اپنے مؤقف کو درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی وہ تحریریں پیش کرتی ہے جن سے اُن کے دعویٰ نبوت سے انکار یا جزوی نبوت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب غلام احمد کی ۱۹۰۱ء یا اس کے بعد کی تحریریں جن میں صاف اور واضح الفاظ میں مکمل نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کوئی ذکر نہیں کرتے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قادیانی مرزائی زیادہ دلیری سے کام لیتے ہوئے صاف طور پر مرزا صاحب کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں کو منسوخ قرار دیتے ہیں:۔

۱۔ "جن کتب میں آپ نے اپنے نبی ہونے سے صریح الفاظ میں انکار کیا ہے اور اپنی نبوّت کو جزئی اور ناقص اور محدثوں کی نبوت قرار دیا ہے۔ وہ سب کی سب بلا استثنار ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب ہیں۔ اور ۱۹۰۱ء کے بعد کی کتب میں سے ایک کتاب میں بھی اپنی نبوّت کو جزئی قرار نہیں دیا اور نہ ناقص اور نہ نبوت محدثیت۔"

(حقیقۃ النبوت صفحہ ۱۲۰)

۲۔ "سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور اُن سے حُجت پکڑنی غلط ہے۔" (صفحہ ۱۲۱)

۳۔ "پہلے بھی (یعنی سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے) بھی نبی کے نام سے آپ کو پکارا جاتا تھا لیکن آپ اس کی تاویل کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب بار بار الہامات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول کے نام سے پکارا تو آپ کو معلوم ہوا کہ آپ واقعہ میں نبی ہی ہیں غیر نبی نہیں جیسا کہ پہلے سمجھتے تھے اور نبی کا لفظ جو آپ کے الہامات میں آتا ہے صریح ہے اور قابل تاویل نہیں۔" (صفحہ ۱۲۴)

اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ مرزا بشیر الدین نے اپنے باپ کی نبوّت کو ثابت کرنے کے کتاب "حقیقت النبوت" تحریر کی تاکہ "لاہوریوں" پر حُجت قائم کی جائے۔ نبوت کی یہ دلیلیں کتاب کے پچاس صفحوں پر بکھری پڑی ہیں۔ جن میں چند دلیلیں یہاں پر نقل کی جاتی ہیں۔

"دلیل اوّل۔ حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے پر یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کو نبی کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت مسیح موعود کو بھی قرآن کریم میں رسول کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک تو آیت مبشراً برسولٍ یاتی من بعدی اسمہٗ احمد[1] سے ثابت ہے کہ آنے والے مسیح کا نام اللہ تعالیٰ رسول رکھتا ہے پس جس کا نام قرآن کریم رسول رکھتا ہے اس کے نبی اور رسول ہونے میں

---

[1] قادیانیوں کے نزدیک اس آیت میں مرزا غلام احمد کے رسول ہونے کی بشارت ہے خود مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" میں اس بات کا اقرار کیا ہے۔

کیا شک کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم پہلے سب نبیوں کو اس بنا پر مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام نبی رکھا ہے تو مسیح موعود کے رسول نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں جو دلیل پہلوں کے نبی ہونے کی ہے وہی حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے کی ہے اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نبی اور رسول تھے تو مسیح موعود بھی نبی تھے اور اگر مسیح موعود نبی نہ تھے تو پہلے بزرگ بھی نبی نہ تھے دونوں کی نبوت پر ایک ہی کتاب شاہد ہے۔" (صفحہ ۱۸۸)

"**دوسری دلیل** حضرت مسیح موعود کے نبی ہونے پر یہ ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اور نواس بن سمعان کی حدیث میں نبی اللہ کہہ کے آپ کو پکارا گیا ہے[1]۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہیں اس امر کے حضرت مسیح موعود نبی ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں رسول کہتا ہے۔ اور ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ میں اس کی نسبت پیشین گوئی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے نبی ہونے کی شہادت ہیں اس کی نبوت کا انکار کرنا کسی مومن کے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔" (حقیقت النبوت صفحہ ۱۸۹-۱۹۵)

"**تیسری شہادت** ۔ مسیح موعود کے نبی ہونے پر انبیاء گذشتہ کی شہادت ہے۔ سب سے پرانی شہادت تو زرتشت نبی کی ہے جو ایران کا ایک نبی ہے۔ دوسری شہادت کرشن نبی کی ہے تیسری شہادت دانیال نبی کی ہے پھر کتاب طالمود میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا ہے۔"

"اب میں تمام صداقت پسندوں سے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں پوچھتا ہوں کیا یہ بات عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے کہ ایک شخص جو غیر نبی ہے اس کی نسبت ہزاروں سال پہلے سے انبیاء خبر دے رہے تھے۔ کیا ان تمام نبیوں کی شہادتوں کے باوجود جو انہوں نے ہزاروں سال

---

[1] سبحان اللہ! اس حدیث میں حضرت مسیح ابن مریم کا ذکر ہے جس کو کس خوبصورتی سے بشیر الدین نے اپنے باپ کے ساتھ چسپاں کیا ہے۔

پہلے دی تھیں ہم مسیح موعود کو غیر نبی تسلیم کر سکتے ہیں اور ان تمام پیشین گوئیوں میں جہاں جہاں اُسے نبی کر کے یاد کیا گیا ہے ان سب مقامات کی یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ نبی سے مراد نبی نہیں بلکہ کسی مشابہت کی وجہ سے نبی کہہ دیا گیا ہے۔ آخر تاویل کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ جو کوئی شخص مخلی بالطبع ہو کر اس بات پر غور کرے گا تو اُسے اس خیال کی لغویت خود ہی معلوم ہو جائے گی اور روز روشن کی طرح اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ مسیح موعود ضرور نبی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک شخص کا نام قرآن کریم نبی رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی رکھیں۔ زرتشت نبی رکھے۔ کرشن نبی رکھے۔ دانیال نبی رکھے اور ہزاروں سالوں سے اس کے آنے کی خبریں دی جا رہی ہوں لیکن باوجود ان تمام شہادتوں کے وہ پھر بھی غیر نبی کا غیر نبی ہی رہے اور سب پچھلے نبیوں کی بات۔ قرآن کریم کی شہادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تاویل کر لی جائے۔ اگر تاویل ہی کرنی ہے تو کیوں اپنے خیالات کی اور گمانوں کی تاویل نہ کی جائے اور کیوں بلا سبب اس قدر شہادتوں کو ان کی حقیقت سے پھیر دیا جائے اور اس قدر زبردست ثبوتوں سے مُنہ پھیر لیا جائے" (حقیقت النبوۃ صفحہ ۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹)

اس کے بعد اب کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ کہ مرزا صاحب کے بارے میں ایسا کوئی شک بھی کیا جائے کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور وہ محض مجدد تھے۔ لیکن کسی کے دعویٰ نبوت پر اسلام کی طرف سے کیا فیصلہ ہے اس کا ذکر مختلف ائمہ اور فقہاء کے اقوال سے واضح ہوتا ہے مشتے از خروارے کی مصداق حاشیہ میں چند ایسے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

(اقوال آئمہ و فقہاء) امام ابو حنیفہ (۸۰ھ سے ۱۵۰ھ) "ایک شخص نے امام ابو حنیفہ کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا مجھے موقعہ دو کہ میں اپنی نبوت کی علامات پیش کر دوں۔ اس پر امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جو شخص اُس سے علامات کا مطالبہ کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تکفیر کی جانب :۔

مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین محمود کی مندرجہ بالا تحریروں کے بعد کوئی ذی شعور مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی ان تحریروں سے بجز نبوت کے کوئی اور تاویل ہی کی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر مرزا بشیر الدین کے ان بیانات کے بعد قادیانیوں کا عقیدہ بالکل صاف اور واضح ہوجاتا ہے اور ان کے عقیدے کے بارے میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ پھر بات صرف عقیدے تک ہی محدود نہیں بلکہ عقیدے کے بعد قادیانی حضرات کا شروع سے لے کر اب تک جو مسلمان

فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

(روح البیان جلد ۲۲ صفحہ ۱۸۸ و مناقب الامام اعظم لابن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ)

۲۔ علامہ ابن حزم (۳۸۴ھ / ۹۹۴ء ۔ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء)

"اور یقیناً وحی کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منقطع ہوچکا ہے۔ دلیل اس کی یہ کہ وحی نہیں ہوتی مگر ایک نبی کی طرف اور اللہ عزوجل فرما چکے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں تم میں سے کسی کے باپ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم ہیں نبیوں کے" (المحلیٰ جلد ا صفحہ ۲۶)

۳۔ امام غزالی (۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء ۔ ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء)

اُمت نے اس لفظ (لانبی بعدی) سے بالاجماع یہ سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا ہے کہ آپ کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور یہ کہ اس میں کسی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے جو شخص اس کی تاویل کرکے اسے خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے۔ اس کا کلام مجنونانہ بکواس کی قسم سے ہے اور یہ تاویل اس پر تکفیر کا حکم لگانے میں مانع نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام اُمت کا اجماع ہے کہ اس کی تاویل و تخصیص نہیں کی جاسکتی۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۲۳)

۴۔ قاضی عیاض ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء — "جو شخص خود اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا جو نبوت

کے ساتھ طرزِ عمل رہا ہے اُس سے مسئلہ مزید واضح ہوتا ہے۔ قادیانی مناظرین بڑے دھڑلے کے ساتھ "اجرائے نبوت" کے موضوع پر مسلمانوں سے مناظرے کرتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی تقریریں اور مناظرے سُنے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قادیانی حضرات حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نبوت کے ختم نہ ہونے پر اور آپ کے بعد نبوت کے جاری رہنے پر زبان اور قلم کا جو زور صرف کرتے ہیں اور ختم نبوت کے بارے میں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کی جس قدر تحریف کرتے ہیں وہ سب مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم کرنے کا بیّن ثبوت ہے۔ غرضیکہ "وفاتِ مسیح" اور "اجرائے نبوت" قادیانی مذہب کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایسے اصول کہ جو ان کو تسلیم نہیں کرتا انہیں قادیانی مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اس پر

کے اکتساب اور صفائی قلب کے ذریعے سے مرتبۂ نبوت تک پہنچ جانے کو جائز رکھے جیسا کہ فلسفی لوگ اور غالی متصوفین کہتے ہیں اور اسی طرح جو دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے اگرچہ نبی ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ ایسے سب لوگ کافر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ کیونکہ آپ نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیّین ہیں۔ کوئی نبی آپ کے بعد آنے والا نہیں ہے۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا ہے کہ آپ خاتم النبیّین ہیں جنہیں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کے مفہوم اور مُراد میں تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ان تمام لوگوں کے کُفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بربنائے اجماع بھی اور بربنائے نقل بھی۔ اور اسی طرح وہ بھی کافر ہے جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کی نبوت کا قائل و مدعی ہو۔"

("شفا" جلد ۲ صفحہ ۲۷۰-۲۷۱)

۵- علامہ شہرستانی ۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء

"اور اسی طرح جو کہے — یا یہ کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی نبی ہے تو اس کی تکفیر میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں ہے۔

(الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)

(۶) علامہ ابنِ کثیرؒ ۷۷۴ھ / ۱۳۷۳ء — "ہر وہ شخص جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اس مقام

طرّہ یہ کہ قادیانی لٹریچر اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے والے ویسے ہی کافر ہیں کہ جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے یہودی و نصرانی کافر ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۹۱۱ء سے بھی پہلے اپنے رسالے تشحیذ الاذہان میں مرزا غلام احمد کے ایک خط کے حوالے سے جو عبارت نقل کی ہے اُسے پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ اس بارے میں کس قدر صاف اور واضح بات کرتے ہیں مرزا غلام احمد کے خط کے آخری حصے کی عبارت یہ ہے :۔

"خدا نے مجھے ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے"

(نبوت) کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، مفتری۔ دجال۔ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے"

تفسیر القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۹۴

۷۔ علامہ ابن نُجیم (۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) "اگر آدمی یہ نہ سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے کیونکہ یہ ان باتوں میں سے ہے جن کا جاننا اور ماننا دین میں ضروری ہے"

السیر، باب الردۃ صفحہ ۹

۸۔ مُلا علی قاری (۱۰۱۶ھ)

"اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے، باجماعِ اُمت۔"

شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۲)

۹۔ شیخ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء)

"اہلِ سُنت اس بات کے قائل ہیں کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور رسول اللہ صلی اللہ فرما چکے ہیں کہ میرے کوئی نبی نہیں۔ اب جو کوئی کہے کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اس نے نص کا انکار کیا۔ اس طرح اس شخص کی بھی تکفیر کی جائے گی جو اس میں شک کرے۔ کیونکہ حجت نے حق کو سے الگ کر دیا ہے اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے اس

خط کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد مرزا محمود صاحب لکھتے ہیں :۔

" اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں نکلتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ حضرت صاحب کو اس بات کا الہام ہوا ہے کہ جس کو آپ کی دعوت پہنچی اور اس نے آپ کو قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے پیچھے وہی لوگ نہیں ہیں کہ جنہوں نے تکفیر میں جدوجہد کی بلکہ ہر ایک شخص جس نے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ؟"

(تشحیذ الاذہان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۱ء صد ۱۳۵)

پھر آگے چل کر اسی رسالے میں صاف صاف الفاظ میں تحریر کرتے ہیں :۔

" جب تبت اور سوئٹزرلینڈ کے باشندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ماننے پر کافر ہیں تو ہندوستان کے باشندے مسیح موعود کے نہ ماننے سے کیونکر مومن ٹھہر سکتے ہیں۔ جب حضرت کی مخالفت کے باوجود انسان مسلمان کا مسلمان رہتا ہے تو پھر ان کی بعث کا فایدہ ہی کیا۔ (صد ۱۲۲)

دعوئ باطل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

۱۰۔ فتاوئ عالمگیری (بارھویں صدی)

" اگر آدمی یہ نہ جانے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر کہے کہ میں رسول اللہ ہوں یا فارسی میں کہے کہ من پیغمبرم اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ پیغام لانے والا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۶۳)

۱۱۔ علامہ آلوسی ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان باتوں میں سے ہے جن کی کتاب اللہ نے تصریح کی اور سنت نے وانشگاف بیان کیا اور امت نے اس پر اجماع کیا لہٰذا اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی اور اگر اصرار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔

(روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۱۳۲)

منقول از قادیانی مسئلہ اور اس کے سیاسی، دینی اور تمدنی پہلو از سید ابوالاعلیٰ مودودی

خود مرزا صاحب (مرزا غلام احمد) نے ۱۹۰۲ء میں ایک رسالہ سپردِ قلم کیا جس کا نام تحفۃ الندوہ ہے جس کے مخاطب مجلس ندوۃ العلماء کے ارکان اور وہ علماء تھے جو ندوہ کے اجلاس امرتسر (منعقدہ ۱۹۰۲ء) میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ مرزا صاحب اس رسالے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"پس جیسا کہ میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سناتا ہوں یہ قطعی اور یقینی خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں خدا کا ظلی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھیراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابلِ مواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا رد کر دیا۔ میں صرف یہ نہیں کہتا کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو ہلاک کیا جاتا بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسٰی اور عیسٰیؑ اور داؤد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لیے خدا نے دس ہزار سے بھی زیادہ نشان دکھلائے ہیں قرآن نے میری گواہی دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گواہی دی ہے پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعیّن کر دیا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور میرے لیے آسمان نے بھی گواہی دی ہے اور زمین نے بھی۔ اور کوئی نبی نہیں جو میرے لیے گواہی نہ دے چکا"

مرزا صاحب کی بعض تحریروں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو محض ظلّی و بروزی نبی ہی نہ سمجھتے تھے بلکہ اپنے مستقل صاحبِ شریعت پیغمبر ہونے کے بھی قائل تھے یہ الگ بات ہے کہ ان کی اُمت نے مسلمانوں کے محاسبے سے جان چھڑانے کے لیے زیادہ زور مستقل نبوت کو چھوڑتے ہوتے ظلی و بروزی پر صرف کیا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ مرزا صاحب کو صاحبِ شریعت پیغمبر ہونے کا بھی زعم تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے چند

امر و نہی بیان کیئے اور اپنی اُمت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گذر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی" (اربعین ص۶)

تاریخِ احمدیت کی شہادت

ایک اور حوالہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکار ایسے افراد کو مسلمان نہیں سمجھتے جو مرزا صاحب پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک اسلام کے اصل نمایندے مسلمانوں کی بجائے خود قادیانی ہیں۔ احمدی و غیر احمدی کا یہ فرق خود ان کی زبانی سُنیئے :۔

احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے

"۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مہمان خانہ جدیدکے بڑے کمرے میں احباب جماعت کا ایک اجلاس اس غرض کے لیے منعقد ہوا کہ مدرسہ "تعلیم الاسلام" کی اصلاح کے مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے۔ متعدد احباب نے اس اجلاس میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ضمناً ایک احمدی نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ اور دوسرے مسلمانوں میں صرف مسئلہ حیات و وفات مسیح کا فرق ہے اس کے سوا کوئی امر اصولی طور پر موجب نزاع نہیں ہے حضور نے اگرچہ اس اجلاس کے آخر میں دوپہر سے قبل ایک مبسوط تقریر فرمائی جس میں آپ نے زیر بحث سوال کے علاوہ جماعت کے مقام و منصب اور بعض متفرق

امور پر مبسوط روشنی ڈالی مگر خصوصاً اس شبے کے ازالے کے لیے دوسرے روز یعنی ۲۷ دسمبر ۱۹۰۵ء کو نمازِ ظہر وعصر کے بعد مسجد اقصیٰ میں ایک پُر معارف تقریر فرمائی جو بعد میں "احمدی و غیر احمدی میں کیا فرق ہے" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس تقریر میں حضور نے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ "وفاتِ مسیح میں اسلام کی زندگی" ہے متعدد ایسی علمی اور عملی غلطیوں کی نشاندہی کی جن کے دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا اور واضح کیا کہ بہت سی باتیں ہیں جو ان لوگوں پائی جاتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہے اور جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ اب ان لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جب تک .. غلط عقاید چھوڑ کر راہِ راست پر آجائیں اور اس مطلب کے واسطے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دُور کر کے اصل اسلام پھر دنیا میں قائم کروں۔ یہ فرق ہے ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان۔ ان کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی۔ یہ مثل ایک خراب اور نکمّے باغ کے ہوگئے۔ اُن کے دل ناپاک ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔"

(تاریخ احمدیت جلد سوئم مولوی دوست محمد شاہد صفحہ ۴۷۵)

نبوّت سے بدزبانی تک

غرضیکہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوّت اور اُن کی قادیانی اُمت کا اس دعویٰ پر ڈٹ جانا ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس کے ثبوت میں بہت کچھ پیش کیا جاچکا ہے۔ اور بہت کچھ پیش کیا جاسکتا ہے لیکن کتاب اس کی طوالت کی متحمّل نہیں ہے اس لیے انہی حوالوں تک ہی اکتفا کیا جاتا ہے جن سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ نبوّت کیا۔ وحی کے اجراء کا دعویٰ کیا اور ایسی نبوّت کا اعلان کیا کہ جس پر ایمان نہ لانے سے کفر لازم آتا ہے۔ گو اس کٹھن کام کے لیے انہیں مسلسل محنت کرنا پڑی اور یکے بعد دیگرے دعوے پہ دعوے کرتے ہوئے صاحب شریعت نبوّ

تک پہنچنا پڑا۔ اس کام میں انہیں بعض ایسے اسلامی عقاید کا منہ چڑانے کا حوصلہ بھی ہوا جو چودہ سو سال سے اسلام کے متفقہ اور مسلّمہ عقائد میں شمار ہوتے ہیں اور جن میں سے بیشتر کا اقرار انہوں نے اپنی ابتدائی تحریروں میں بھی کیا۔ مثلاً حیاتِ مسیح۔ ختم نبوت اور وحی الٰہی کے سلسلے کا بند ہونا۔ لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے انسان کو کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ مرزا صاحب پر یہ قول صادق آتا ہے۔ مسیح موعود بننے کے لیے وفات مسیح کا اعلان اور نبوت کے لیے ختم نبوت جیسے اہم اور بنیادی عقیدے سے انحراف اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت اگرچہ معاملے کی سنگینی کیلئے کافی تھا لیکن مرزا صاحب کی بعض تحریروں سے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم، صحابۂ کرام اور اہل بیت کی اہانت اور توہین نے معاملے کو مزید سنگین بنا دیا جس پر اہلِ اسلام کی جانب سے شدید ردِ عمل کا ہونا ایک فطری اور لازمی امر تھا۔ چنانچہ جب مرزا صاحب کے ابتدائی مخالفین نے اس پر انہیں سختی سے ٹوکا اور ان باطل اور غیر اسلامی عقائد کی شدت سے مخالفت کی تو مرزا صاحب نے ان کے لیے جو شدید اور انتہائی قابلِ اعتراض زبان استعمال کی وہ اپنی جگہ پر ایک ایسا المیہ ہے کہ جس پر شرم و حیا نوحہ کناں اور انسانیت و شرافت انگشت بدنداں ہو کر رہ جاتی ہے۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق مرزا صاحب جھنجھلا کر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ ہرگز نہیں سوچتے کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کر رکھا ہے۔ اخلاقی طور پر یہ پست خیالی اور ایک عامیانہ اور بازاری اندازِ تخاطب ایک ایسی حرکت ہے کہ جس پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ زبان ملاحظہ فرمائیں۔

بدزبانی

حضرت مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب مرزا غلام احمد صاحب سے اشتہار بازی شروع کی تو ایک اشتہار میں لکھا۔ "یہ میرا شکار ہے جو میرے قبضے میں آگیا ہے،،

جواب دیا

۱۔" اس زمانے کے مہذب ڈوم اور نقال بھی تھوڑا بہت حیا کو کام میں لاتے ہیں اور
پشتوں کے سفلے بھی ایسا کمینگی اور شیخی سے بھرا ہوا تکبر زبان پر نہیں لاتے۔"

آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۱

۲۔" اگر محمد حسین بٹالوی کے والد کو معلوم ہوتا کہ اس کے نطفے سے ایسا ابوجہل پیدا
ہوگا تو وہ اپنے آلۂ تناسل کو کاٹ دیتا اور اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا۔"

ملخص الفضل ۲ر نومبر ۱۹۲۲ء

علمائے دین کے لیے زبان ملاحظہ فرمائیے:۔

۳۔" پھر فرمایا کہ اس امت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ علماء اس امت کے یہود کے
مشابہ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی
کریں گے۔"

(شہادت القرآن ص۱۱)

۴۔" اے بذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم
یہودیانہ خصلت کو چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی
کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو پلایا۔"

انجام آتھم حاشیہ ص۲۱

۵۔" بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ دل کے مجذوم
اور اسلام کے دشمن دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق
خنزیر ہے۔ مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسیاتی جوش کے لیے
حق اور دیانت کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اے مردار خور مولویو اور گندی روحو...
اے اندھیرے کے کیڑو۔"

ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ

۶۔" عبدالحق غزنوی بار بار لکھتا ہے کہ آتھم والی پیشگوئی میں پادریوں کی فتح ہوئی
ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا لکھیں کہ اے بذات۔ یہودی صفت،

پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا اور ساتھ ہی تیرا بھی ۔ ۔ ۔ اے خبیث کب تک تو جیئے گا ۔ ۔ ۔ خاص کر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیہم نعالُ لعن اللہ الف الف مَرَّۃٍ ط ان پر خدا کی لعنت کے دس لاکھ جوتے برسیں ۔ اے پلید دجال ! تعصب نے تجھ کو اندھا کر دیا ۔"

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۵-۴۶

۷ ۔ " یہ مولوی جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں ۔"

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۵

۸ ۔ " جس دن یہ سب باتیں (محمدی بیگم کی پیشگوئی میں درج شدہ) پوری ہو جائیں گی اُس دن نہایت صفائی سے (اُن کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ اُن کے منحوس چہروں کو بندروں اور سوّروں کی طرح کر دیں گے ۔"

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳

مولوی عبدالحق غزنوی کے بارے میں مزید نمونے ملاحظہ فرمائیں ۔

۹ ۔ "اے کسی جنگل کے وحشی ۔ ۔ ۔ تم نے حق کو چھپانے کے لیے یہ جھوٹ کا گوہ کھایا ۔ اے بذات خبیث ، دشمن اللہ اور رسول کے تو نے یہ یہودیانہ تحریف کی ۔ مگر ترا جھوٹ اے نابکار پکڑا گیا ۔"

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۹-۵۰

۱۰ ۔ " منشی الٰہی بخش نے جھوٹے الزاموں کی نجاست سے اپنی کتاب عصائے موسیٰ کو ایسا بھر دیا ہے کہ جیسا ایک نالی اور بدرو گندی کیچڑ سے بھری جاتی ہے یا جیسا کہ سنڈاس پاخانہ سے ۔" (حاشیہ اربعین صفحہ ۴ صفحہ ۲۷

۱۱ ۔ عام مسلمانوں کے بارے میں :-

" کنجریوں کے بچوں کے بغیر جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے باقی سب میری نبوت پر ایمان لا چکے ہیں ۔" آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۷

۱۲۔ "دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور اُن کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں"

نجم الہدیٰ ص۱۰

۱۳۔ "مجاہدین جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بارے میں مرزا صاحب رقمطراز ہیں۔
"ان لوگوں نے چوروں، قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ شروع کر دیا" ازالہ ص۷۲۴

۱۴۔ مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے بارے میں
"غول۔ لئیم، فاسق۔ شیطان۔ ملعون۔ نطفہ سفہا خبیث۔ مفسد۔ مزوّر۔ منحوس۔ کنجری کا بیٹا۔" (انجام آتھم ص۲۸۱)

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے بارے میں
"کذّاب، خبیث، مزوّر۔ بچھو کی طرح نیش زن۔ اے گولڑہ کی سرزمین تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ تو ملعون کے سبب ملعون ہو گئی۔"

(نزول المسیح ص۷۵)

تصویر کا دوسرا رُخ :۔

۱۔ "لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں ہوتا۔ مومن لعّان (لعنت کرنے والا) نہیں ہوتا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۶۶۰)

۲۔ "گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔" (اربعین نمبر۴ ضمیمہ نمبر۵)

۳۔ "میری فطرت اس سے دُور ہے کہ کوئی تلخ بات مُنہ پر لاؤں"

("آسمانی فیصلہ ص۹)

۴۔ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول اس عاجز (مرزا) کو تہذیب اور اخلاق کے ساتھ بھیجا۔" اربعین ۳ ص۴۴

۵۔ "کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو۔" کشتیٔ نوح ص۱۱

۶۔ "میں نے جوابی طور پر بھی کسی گالی نہیں دی"

(منن الرحمٰن ص۱۸)

مکمّل علیحدگی

قادیانیت اور اسلام کے درمیان فرق بالکل واضح ہو چکا ہے۔ کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہیں جو لوگ اب بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ قادیانیت مسلمانوں ہی کے اندر دوسرے مکاتیب فکر کی طرح ایک مکتب فکر ہے۔ جو اپنا علیحدہ فکر رکھتا اور مسلمانوں کا ہی ایک مذہبی فرقہ ہے۔ وہ لوگ یا تو خود کسی فریب کا شکار ہیں یا کسی دوسرے کو فریب کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔ ایک منصف مزاج انسان اس نتیجے پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ قادیانیت اسلام سے الگ ایک مستقل امت ہے اور قادیانی بالکل جدا دین کے ماننے والے لوگ ہیں جو اسلام کے بنیادی عقائد سے منحرف ہو کر ملت اسلامیہ سے مکمل علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ مرزا غلام احمد کو نبی یا مسیح موعود نہ ماننا اُن کے نزدیک کفر ہے جو علیحدگی کی ایک واضح صورت ہے۔

۱۔ "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ نماز۔ روزہ حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ (مرزا غلام احمد) نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" (خطبہ مرزا بشیر الدین محمود اخبار الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱)

۲۔ "حضرت خلیفہ اوّل نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔" (خطبہ مرزا بشیر الدین محمود اخبار الفضل مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

۳۔ "اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے صاف حکم دیا کہ غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے کوئی تعلقات ان کی شادی اور غمی کے معاملات میں نہ ہوں۔ جب ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا؟"

(الفضل ۱۸ جون ۱۹۱۶ء)

(۴) "حضور مرزا صاحب فرماتے ہیں غیر احمدی کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔" (الفضل ۱۶ دسمبر ۱۹۲۰ء)

۵۔ "یہ اعلان بغرضِ آگاہی عام شائع کیا جاتا ہے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں۔ آیندہ احتیاط کی جائے۔"

(اعلان ناظر امورِ عامہ قادیان الفضل ۱۴ر فروری ۱۹۳۳ء)

۶۔ "حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (مرزا فضل احمد مرحوم) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔"

(الفضل ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۱ء)

۷۔ "پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔"

(اربعین نمبر ۳ مرزا غلام احمد صفحہ ۳۴)

۸۔ "میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہیں۔ اسی طرح جو لوگ غیر احمدیوں کو لڑکی دے دیں اور وہ اپنے اس فعل سے توبہ کیے بغیر فوت ہو جائیں۔ ان کا جنازہ بھی جائز نہیں۔"

(مرزا بشیر الدّین محمود صاحب کا خط الفضل ۱۳۔ اپریل ۱۹۲۶ء)

۹۔ "حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی۔ دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلّق کا ذریعہ رشتہ ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو اُن کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت

ہے ۔ اگر یہ کہو کہ غیر احمدی کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۶۶)

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا۔ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے"

(اشتہار معیار الاخیار مرزا غلام احمد مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء

منقول از کلمۃ الفصل صاحبزادہ بشیر احمد ص ۱۲۹)

"اب جبکہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تو کیوں خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے"

(کلمۃ الفصل ص ۱۲۹)

"حضرت مرزا صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ورنہ آپ حسب حکم الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۲۶)

" (مرزا غلام احمد کی تحریر کا حوالہ دینے کے بعد)

"حضرت مسیح موعود کی اس تحریر سے بہت سی باتیں حل ہو جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعے اطلاع دی کہ تیرا انکار کرنے والا مسلمان نہیں اور نہ صرف یہ اطلاع دی بلکہ حکم دیا کہ تو اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھ۔ دوسرے یہ کہ حضرت صاحب نے عبدالحکیم خان کو جماعت سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے۔ چوتھے یہ کہ جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے لیے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۲۵)

۱۴- "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

(آئینہ صداقت مرزا بشیر الدین محمود ص۳۵)

۱۵- " اگر کوئی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے وہ تو مسیح موعود کا منکر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کے جنازے کیوں نہیں پڑھنا چاہیئے۔

(انوارِ خلافت ص۹۳)

۱۶- "ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے ایک نبی کے منکر ہیں۔"

(انوارِ خلافت ص۹۰)

۱۷- "حضرت مسیح موعود نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی ہی دفعہ میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ جائز نہیں۔ جائز نہیں "

(انوارِ خلافت صفحہ ۸۹ مرزا محمود)

مندرجہ بالا تحریروں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مرزا صاحب کے بعد آنے والے اس قادیانی امت کے خلفاء نے اپنی تحریروں اور عمل کے آپ کو مسلمانوں سے الگ تھلگ کرتے ہوئے ایک علیحدہ اُمت کی حیثیت میں کی سعی کی اور بر ملا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ غیر احمدی (مسلمان) اور احمدیوں کے درمیان اختلافات کی ایک مستحکم دیوار حائل ہے۔ یہ اختلافات ایسے اختلافات کے بعد غیر احمدی (مسلمانوں) کے معصوم بچے سے لے کر اس قوم کے بڑے سے بڑے حتیٰ کہ قائد اعظم تک اس قابل نہیں رہتے کہ ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے میں مسلمان اکابرین کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ مسلمان

غلام احمد کی اصل حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے اُس کے تقدس اور دعویٰ نبوت کی صحیح صورت کو واضح کرتے تاکہ عوام الناس کو گمراہی سے بچا کر مذہب کے نام پر اسلام کے خلاف اس سیاسی یلغار کا بہتر طور پر مقابلہ کیا جا سکتا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں میں ایسی قابلِ فخر شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے محض جذبۂ ایمانی اور غیرتِ اسلامی سے کام لے کر اس فریضۂ ملّی کو نہایت کامیابی کے ساتھ سرانجام دیا ہے۔ ایسے اکابرین کے کارنامے تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں انہوں نے انتہائی بے سرو سامانی کے عالم میں کُفر کی اس یلغار کا مقابلہ کیا۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ انگریزی جبر و استبداد کی پُوری قوت اس فرقۂ ضالہ کی پُشت پناہی کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی۔

مرزا صاحب اور ان کے باطل عقاید کی مخالفت اگرچہ اس وقت ہی شروع ہو گئی تھی جب انہوں نے مجدد ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کیا یہ ۱۸۸۹ء کا واقعہ ہے جب سب سے پہلے مرزا صاحب نے لدھیانہ کے مسلمانوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی جس پر علمائے لدھیانہ میدان میں آئے۔ لیکن اس مخالفت میں اتنی سکت نہ تھی اور لوگ اس مخالفت کو ایسے ہی سمجھتے رہے کہ جیسے دو گروہ علماء یا اُن کے پیروکار ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہوں لیکن جب مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں یکے بعد دیگرے مثیلِ مسیح اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو بزرگانِ ملت کھُل کر سامنے آ گئے اور وہ لوگ بھی مخالفت میں پیش پیش نظر آئے جو اس وقت تک مرزا غلام احمد کے ساتھ تھے اور اُن کی عقیدت کا شکار ہو کر انہیں ایک متقی و پرہیز گار مخلص اور بے باک خادمِ اسلام سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کا مقابلے میں آ جانا مرزا صاحب کے باطل ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

گذشتہ بحث کے آخری حصے کی تحریروں سے جو باتیں ہمارے سامنے ایک صاف اور واضح صورت میں آتی ہیں اُن کو مختصراً یوں پیش کیا جا سکتا ہے

(۱) مرزا صاحب نے صاف طور پر اجرائے نبوّت کو عقیدے کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے ختمِ نبوّت کے بنیادی عقیدے سے بغاوت کی

۲۔ ملہم سے مامور من اللہ اور پھر مامور من اللہ سے مجدد جس کے بعد مثلیل مثیل مسیح اور مسیح موعود کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے درمیان مستقل طور پر نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھولا۔

۳۔ اس کے بعد دعویٰ نبوت کر کے مستقل الگ ملت کی داغ بیل ڈالی۔

۴۔ خود مرزا صاحب اور ان کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تحریروں سے اس کا ثبوت فراہم کیا کہ وہ مسلمانوں سے الگ اور علیحدہ ایک مستقل اُمّت ہیں۔ اور جو لوگ مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہیں کرتے وہ جہنمی مستحق سزا اور کافر ہیں۔

۵۔ مسلمانوں کے سوشل بائیکاٹ کو جزوِ ایمان قرار دیا۔ ان کو لڑکیاں دینے پر پابندی عائد کی گئی اور اُن کے معصوم بچوں کی نمازِ جنازہ ادا کرنے سے قادیانیوں کو سختی سے منع کر دیا گیا۔

۶۔ جن مسلمانوں نے مرزا صاحب کی خلافِ اسلام تحریروں پر انہیں ٹوکا تو انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ اخلاقی معیار کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی جس سے مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان نفرت کے جذبات پیدا ہوئے جو وقت کے ساتھ ساتھ شدید سے شدید تر ہوتے گئے۔

"مُشتے نمونہ از خروارے" کی مصداق ذیل میں مرزا صاحب کی چند ایسی ہی خلافِ اسلام تحریروں کو پیش کیا جاتا ہے جس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسی تحریروں کے مصنف کے کفر میں کیا کسر باقی رہ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب نے نبوّت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تو ان کی ایسی تحریریں انہیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینے کے لیے کافی تھیں۔ اب جبکہ ان تحریروں کے ساتھ ساتھ ان کے دعویٰ نبوت کے بارے میں گذشتہ اوراق میں ذکر آچکا ہے انہیں یا اُن کے پیروکاروں کو مُسلمان سمجھنا یا تو پرلے درجے کی خود فریبی ہے یا پھر انتہائی درجے کی عیّاری اور مکّاری ـ ـ ـ ـ ـ ـ ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا صاحب نے خدا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم، انبیاء اور اہلِ بیت کے بارے میں کیا جسارت کی ہے۔

خداوند تعالیٰ

(۱) میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ الوہیت میری رگوں اور پٹھوں میں سرایت کر گئی۔"

کتاب البریہ صفحہ ۱۰۳-۱۰۴

(۲) مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا کہ " تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے" (اَنْتَ مِنِّی بمنزلہ ولدی)۔

(حقیقت الوحی ص۸۶)

(۳) دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:۔

" خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا اور میں تجھ سے۔"

(۴) " خدا نماز بھی پڑھتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے وہ جاگتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے"

(البشریٰ ص۷۹ جلد دوم)

(۵) خدا سے کبھی کبھی خطا ہو جاتی ہے۔" اخطی و اعیب"

(حقیقت الوحی ص۱۰۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

(۱) محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہی ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ ایک غلطی کا ازالہ مصنفہ غلام احمد

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

(۲) پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا ہے اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔ (مرزائی عقیدہ)

(از کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز ص۱۱۳ نمبر ۳ جلد ۱۴)

۳۔ " اس کے (یعنی نبی کریم) کے لیے چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا؟"

(اعجاز احمدی ص۷۱ مصنفہ غلام احمد)

شعر جس کا ترجمہ انہوں نے خود کیا ہے۔

لہٗ خسف القمر المنیر وان لی
عنسا القمران المشرقان اتنکر

۴۔ نزول مسیح میں مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں ؎

آدمم نیز احمد مختار   دربرم جامۂ ہمہ ابرار

۵۔ تریاق القلوب صفحہ ۵ پر

منم مسیح زماں ، منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

۶۔ مرزا صاحب کے ایک خاص عقیدت مند قاضی محمد ظہور الدین اکمل نے ایک مرتبہ مرزا صاحب کی شان میں قصیدہ لکھا اور ان کے سامنے پڑھا جس میں آخری شعر قابل توجہ ہیں ؎

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

مرزا صاحب نے اپنے اس نیازمند کی بڑی تعریف و ستائش کی۔ شاباش دی اور اس کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ قصیدہ اپنے پاس رکھ لیا۔ بعد میں یہ قصیدہ اخبار بدر میں چھاپ بھی دیا گیا۔

(اخبار بدر نمبر ۴۳ جلد ۲ ص۱۴
مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

انبیاء علیہ السلام

خداوند تعالیٰ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہانت آمیز تحریروں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب انبیاء کی باری ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے | من بہ عرفاں نہ کمترم زکسے
آنچہ داداست ہر نبی را جام | داد آں جام رامرا بہ تمام
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین | ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

(نزولِ مسیح)

(۲)

"آسمان سے کئی تخت اُترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔
حقیقت الوحی صہ ۹۹

(۳)

نزول مسیح کے صفحہ ۸۲-۸۴ پر یہ عبارت تحریر کرتے ہیں۔

"اس جگہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت بہت زیادہ معجزات اور پیشگوئیاں موجود ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور پیش گوئیوں سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ اور نیز ان کی پیش گوئیوں اور معجزات اس وقت محض بطور قصوں اور کہانیوں کے ہیں۔ مگر یہ معجزات ہزار ہا لوگوں کے لیے واقعات چشم دید ہیں۔ قصے تو ہندوؤں کے پاس بھی کچھ کم نہیں۔ قصوں کو پیش کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ ایک گوبر کا انبار مُشک اور عنبر کے مقابل پر"

(نزولِ مسیح صفحہ ۸۲، ۸۴)

(۴)

"یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں پر بباعث ان کے کسی پوشیدہ گناہ کے یہ ابتلا آیا کہ جن راستوں سے وہ اپنے موعودہ نبیوں کا انتظار کرتے رہے ان راہوں

سے نہیں آئے بلکہ چور کی طرح کسی اور دروازے سے آ گئے۔"

(نزولِ مسیح حاشیہ صفحہ ۳۵)

(۵)

"دُنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خُدا نے فرمایا ہے۔ کہ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں مُوسیٰ ہوں، میں عیسیٰ ابنِ مریم ہوں۔ میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہوں یعنی بروزی طور،

(تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵)

جن پیغمبروں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کے بارے میں مرزا صاحب کیا گوہر افشانی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت آدم علیہ السّلام

آدم اس لیے آیا کہ نفوس کو اس دنیا کی زندگی کی طرف بھیجے اور ان میں اختلاف اور عداوت کی آگ بھڑکائے۔ مسیح اُمم اس لیے آیا کہ انہیں دارِ فنا کی طرف لوٹائے اور ان میں سے اختلاف و مخاصمت تفرقہ و پراگندگی کو دُور کرے۔"

(ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

حضرت نُوح علیہ السّلام

" خدا تعالیٰ میرے لیے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانے میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ غرق نہ ہوتے۔"

(حقیقت الوحی ص۱۳۷)

" خدا نے میرے لیے وہ نشان دکھائے کہ اگر وہ ان امتوں کے وقت دکھائے جاتے جو پانی اور آگ اور ہوا سے ہلاک ہو گئیں تو ہلاک نہ ہوتیں۔"

(دعوتِ حق ص۷ مشمولہ حقیقت الوحی)

حضرت یوسف علیہ السلام

"اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچا لیا گیا مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا اور اس امت کے یوسف یعنی مرزا غلام احمد کی بریت کے لیے پچیس برس پہلے ہی خدا نے آپ گواہی دے دی۔ مگر یوسف بن یعقوب اپنی بریت کے لیے انسانی گواہی کا محتاج ہوا۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

"حضرت موسیٰ کی توریت میں پیش گوئی کی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں پہنچائیں گے مگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ (حاشیہ حقیقت الوحی صـ ۱۷۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۔ "مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو، شرابی، نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد ۳)

۲۔ "حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام کرتے رہے۔ (ازالہ اوہام صـ ۱۲۷)

۳۔ "ہاں آپ کو (عیسیٰ علیہ السلام) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اکثر غصہ آجاتا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صـ ۵)

۴۔ "اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ نے (عیسیٰ علیہ السلام) پہاڑی تعلیم کو

جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر ہے کہ گویا یہ میری تعلیم ہے لیکن جب سے چوری پکڑی گئی ہے عیسائی بہت شرمندہ ہیں۔ آپ نے یہ حرکت شاید اس لیے کی ہوگی کہ کسی عمدہ تعلیم کا نمونہ دکھلا کر رسوخ حاصل کریں۔ لیکن آپ کی اس بے جا حرکت سے عیسائیوں کو سخت روسیاہی ہوئی اور پھر افسوس یہ ہے کہ وہ تعلیم بھی عمدہ نہیں۔ عقل اور کانشنس دونوں اس تعلیم کے مُنہ پر طمانچہ مار رہے ہیں۔ آپ کا ایک یہودی اُستاد تھا جس سے آپ نے توریت کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو زیرکی سے کچھ بہت حصّہ نہیں دیا تھا اور یا اس اُستاد کی شرارت ہے کہ اُس نے آپ کو محض سادہ لوح رکھّا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صن۲۹)

۵۔ " عیسائیوں نے بہت سے معجزات آپ کے لکھے ہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔"

(ضمیمہ صن۲۹)

۶۔ " آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور محبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقعہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنا ناپاک ہاتھ لگا دے اور زنا کاری کی کمائی کا ناپاک عطر اس کے سر پہ ملے۔ اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے"

۷۔ " ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑ دو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے پوچھا گیا کہ کیا وہ حضرت ابوبکر کے درجے پر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر تو کیا وہ بعض انبیاء سے بہتر ہے۔" (معیار الاخبار مندرجہ تبلیغ رسالت ج نہم ص۳۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اس کو تم چھوڑتے ہو اور مُردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔"

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ میں خدا کا کشتہ ہوں لیکن تمہارا حسین دشمنوں کا کُشتہ ہے پس فرق کھُلا کھُلا اور ظاہر ہے۔ (نزولِ مسیح ص۸۹)

۲۔ کربلا ئیست سیر ہر آنم — صد حسین است در گریبانم
(نزول مسیح ۹۹)

۳۔ وقالوا علی الحسنین فضل نفسہ
اقول نعم واللہ ربی سیظہر

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کہ اس شخص (مرزا غلام احمد) نے امام حسن اور حسین سے اپنے تئیں افضل سمجھا۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں۔ اور میرا خدا عنقریب ظاہر کر دے۔"
اعجاز احمدی"

ان تحریروں کو پڑھ جائیے اور پھر انصاف کیجئے کہ کیا یہ سب کچھ مرزا غلام احمد کُفر کے لیے کافی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور کیا ان تحریروں سے ایک گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی تڑپ نہیں اٹھتا۔ چہ جائیکہ وہ لوگ جو دینِ اسلام کی تعلیمات پر پوری نگاہ رکھتے ہوئے اِن گمراہ کن تعلیمات کے مہلک نتائج سے بھی پوری طرح سے واقف و آشنا

تھے۔ ایسے حضرات کا میدانِ عمل میں آکر قادیانی یلغار کو روکنا ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دَور کے علمائے حق اور صوفیائے عظام نے یک زبان ہو کر مرزا غلام احمد کی اس بے دین تحریک کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان حضرات میں وہ لوگ بھی سامنے آئے جو ابتداء میں مرزا غلام احمد کے کام کو خدمتِ اسلام سمجھ کر اس کے ساتھ ہو گئے تھے اور جنہیں اُن کی ذات سے حُسنِ ظن تھا۔ کہ وہ اپنی آیندہ زندگی میں شاید اسلام کی کوئی بڑی خدمت سرانجام دینے والے ہیں۔ ان میں خود اُن کے دوست اور مربّی مولانا محمد حسین بٹالوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ جو ابتداء میں مرزا صاحب کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور ان کی مشہور کتاب براہینِ احمدیہ پر ایک تعریفی تبصرہ بھی تحریر کیا۔ انہیں لاہور میں اپنی مسجد میں اپنے ساتھ رکھا۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک مناظر کی حیثیت میں آگے بڑھنے میں اُن کی مدد کی۔ اور اُن کے بعض کاموں میں مشیر اور مددگار بھی ثابت ہوئے مولانا محمد حسین بٹالوی کے علاوہ مولانا عبدالحق غزنوی اور ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کا ذکر بھی آتا ہے جو ایک لمبے عرصے تک مرزا صاحب کے مریدوں میں شامل رہے۔ لیکن بعد میں اُن کے کافرانہ عقائد کی تاب نہ لا کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ ان لوگوں کے علاوہ محاسبے کے اس دور اوّل میں جو دوسرے علماء پیش پیش تھے۔ اُن میں ہندوستان کی مشہور و معروف دینی شخصیت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور مولانا ثناءاللہ امرتسری سرِفہرست ہیں کہ جن کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے اپنے تو اپنے بیگانے بھی معترف ہیں دُنیا جانتی ہے کہ یہ حضرات اُن لوگوں میں ہرگز نہ تھے جو محض اپنی ذاتی شہرت اور نمود و نمائش کی خاطر کام کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ نہ ہی ان حضرات کے پیش نظر اس محاسبے سے شہرت حاصل کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ شہرت تو خدا کے فضل و کرم سے وہ پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔ اور ہندوستان کے اندر دُور و نزدیک ان کی شخصیتیں اہلِ علم حضرات میں اچھی خاصی متعارف شخصیتیں تھیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض خوشنودیٔ خدا کی خاطر میدان میں آئے۔ اور ان لوگوں نے مرزا غلام احمد کا اس شدّت سے محاسبہ کیا کہ ایوانِ قادیان میں تہلکہ مچ گیا اور مرزا صاحب کے یمین و یسار میں خوشامد

رید تھرا اُٹھے۔ آنے والے صفحات میں انہی بزرگ ہستیوں کا ذکر آتا ہے جنہوں نے مرزا احمد کو للکارا اور اُسکے مصنوعی تقدس کے پردے کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ اور یوں کروڑوں مسلمان اس فتنۂ عظیم کی یلغار سے مامون و محفوظ ہے جس کے لیے مسلمان نسل اُن کے دینی کارنامے پر اُن کی ممنونِ احسان ہے

قادیانی تحریک کے محاسبے کی داستان کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دورِ اول میں چند عظیم شخصیتوں نے انفرادی طور پر یہ فریضۂ ملّی سر انجام دیا۔ لیکن جب قادیانیت اپنی زندگی کے اہم ترین مرحلے میں داخل ہوئی۔ اور اسے مرزا بشیر الدین محمود جیسے ہوشیار اور چالاک قاید کی قیادت نصیب ہوئی تو قادیانی ایک خطرناک امت کی حیثیت اختیار کر گئے۔

علامہ اقبال نے اس امت کا محاسبہ ایک اچھوتے اور انوکھے انداز میں کیا اور علمی محاذ پر ایسے دلائل پیش کیے کہ جس پر مسلمان جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ اُن کی تحریریں قادیانیت کے محاسبے میں حرفِ آخر کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ جس کا جواب قادیانیت کے الفضل اور فیضی شاید قیامت تک کے لیے بھی پیش نہ کر سکیں گے۔

لیکن جن لوگوں نے قادیانیت کے محاسبے کو ایک تحریک کی صورت دی اور جن کے محاسبے کی شدت سے قادیانی رُوح لرز اُٹھی وہ مجلس احرارِ اسلام کے رضا کار اور نڈر رہنما تھے جنہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ قادیانی مذہبی لبادے میں سیاسی جماعت کی حیثیت رکھتے، محسوس کیا کہ ان کا مقابلہ و محاسبہ جماعتی طور پر ہی کیا جا سکتا ہے، اس قصرِ باطل پر تابڑ توڑ حملے کر کے ملّتِ ابراہیمی کی خدمت کا فریضہ سر انجام دیا۔ ورنہ قادیانی اپنے باطل عقاید کے باوجود اس قدر منظم تھے کہ بظاہر انہیں ان کے اصل خدوخال سے متعارف کرانا ناممکن نہیں تو ایک انتہائی مشکل بات تھی۔ مجلس احرارِ اسلام نے اس میدان میں کیا کارنامے سر انجام دیئے اور کیوں آہنی تگ و دو کر کے محاسبے کو ایک تحریک کی صورت دی گئی۔ یہ ایک الگ کتاب میں پیش کیا جائے گا۔ اس موقعے پر مرزا غلام احمد قادیانی کے ان ہمعصر علمار کا ذکر مقصود ہے جنہوں نے قادیانیت کے محاسبے کے دورِ

اوّل میں اپنی خدمات پیش کیں اور ایک ایسی تحریک کا آغاز کیا جو تقریباً ایک سو برس کی
طویل مسافت طے کرنے کے بعد ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچی جس دن پاکستان
کی حکومت نے عوام کے پُرزور مطالبے پر قادیانیوں کو آئینی اور قانونی طور پر مسلمانوں
سے الگ اور علیحدہ غیر مسلم اقلیّت قرار دیا۔

تیسرا باب

محاسبے کی ابتداء

- مولینا محمد حسین بٹالوی سے پہلا مناظرہ
- علمائے لدھیانہ کو چیلنج (۱۸۹۱ء)
- مرزا غلام احمد اور علمائے لدھیانہ
- لدھیانہ میں مناظرہ (مئی ۱۸۹۱ء)
- پہلا مباہلہ (جون ۱۸۹۱ء)
- مناظرۂ دہلی (اکتوبر ۱۸۹۱ء)
- سر سید احمد خاں اور غلام احمد
- سر سید احمد کا خط (دسمبر ۱۸۹۱ء)

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی ہی وُہ واحد ذریعہ ہے جس نے مختلف فرقہ بندیوں کے باوجود مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھا ہُوا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد کسی نئی نبوّت کا تصور وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

پچھلے اوراق میں اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل عقائد کو بعض اہلِ نظر علمائے حق نے اُس وقت ہی بھانپ لیا تھا جب مرزا صاحب نے ۱۸۸۰ء میں اپنی کتاب براہین احمدیہ کے پہلے دو حصے شائع کئے تھے ۔ وزیر آباد سے مولانا عبد المنان امرتسر سے مولانا ابو عبداللہ غلام العلی ، قصور سے مولانا غلام دستگیر صاحب اور لدھیانہ سے مولانا محمد ۔ اور مولانا عبد العزیز صاحب وہ علمائے حق تھے جنہوں نے مرزا صاحب کے بارے میں ابتداء ہی اس خدشے کا اظہار کر دیا تھا کہ آگے چل کر یہ حضرت کوئی گل کھلانے والے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان علمائے کرام کے بارے میں مرزا صاحب نے بھی اپنی تحریروں میں برہمی کا اظہار کیا ہے ۔ اور کچھ اس انداز سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان راست باز لوگوں کے ہاتھوں بہت تنگ تھے ۔ بالآخر ان حضرات کے ردّ میں بہت سی کتابیں تصنیف کرنا پڑیں ۔ جن میں سے ایک کا نام "نزولِ مسیح" ہے ۔ جس کتاب میں مرزا صاحب نے اپنے رسول اور برحق ہونے کے لیے کئی پیش گوئیاں ضبطِ تحریر میں لا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میرے مخالفین میری مخالفت کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوئے اور ان کی یہ رسوائیاں میری سچائی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے ۔ اس کتاب میں مرزا صاحب کی قلم سے کوئی فرقہ بھی محفوظ و مامون نہیں رہا ، شیعہ ۔ سُنی ، اہلِ حدیث سب کے خلاف ہذیان سرائی کی گئی ۔ اور بڑی ترنگ میں اپنی پیش گوئیوں کے سچ ہونے کو ثابت کیا گیا ہے ۔ اس کتاب کے مطالعے سے قاری یہ اثر لیتا ہے کہ علماء کے محاسبے کی یہ گرفت اچھی خاصی سخت تھی ۔ ایسے خوش قسمت جو اس کتاب میں مرزا صاحب کے خامۂ عنبر شمامہ کا نشانہ بنے وہ حضرات

درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا ابو عبداللہ غزنوی امرتسریؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ علی گڑھ، حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوریؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ۔ حضرت مولانا عبدالحق غزنویؒ۔ سر سید احمد خانؒ۔ مولانا محی الدین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ۔ حضرت مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پٹیالویؒ

مولانا محمد حسین بٹالوی کا پہلا مناظرہ

ان تمام افراد میں سب سے پہلے مرزا صاحب سے نبرد آزما ہونے والے مولانا محمد حسین بٹالوی تھے۔ جو ایک مدت سے مرزا صاحب کے قریب ہونے کی وجہ سے انہیں اچھی طرح جانتے تھے اور جنہوں نے ابتدائی ایام میں جبکہ مرزا صاحب کا کفر ابھی کھل کر سامنے نہیں آیا تھا، مرزا صاحب کی معاونت اور حوصلہ افزائی کا فرض بھی ادا کیا۔ پچھلے ابواب میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ مولانا موصوف کی عمر مرزا غلام احمد سے ملاقات بھی ہوئی۔ اور لاہور میں ایک مدت تک مرزا صاحب مولانا محمد حسین بٹالوی کے ساتھ قیام پذیر بھی رہے۔ جب مرزا غلام احمد نے ۱۸۸۰ء میں براہین احمدیہ شائع کی تو مولانا نے اپنے رسالے میں بڑے اچھے انداز میں ایک طویل تبصرہ بھی تحریر فرمایا۔ لیکن بالآخر جب آپ نے دیکھا کہ مرزا صاحب اسلام کی حدود پھلانگ کر کفر کی آغوش میں آ گرے ہیں۔ تو سینہ سپر ہو گئے۔ علماء سے مرزا صاحب کے کفر کا فتویٰ لیا۔ اور بقیہ عمر ردِ مرزائیت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ردِ مرزائیت کے ضمن میں پہلا مناظرہ لاہور میں ہوا۔ جس میں مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد حسین بٹالوی مناظر تھے جبکہ قادیانیوں کی جانب سے مناظر ان کے "امام غزالی" حکیم نورالدین تھے۔ مناظرے کا موضوع حیات مسیح علیہ السلام تھا۔

اس مناظرے کا اہتمام لاہور کے مرزائی حضرات نے کیا جن میں منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ منشی عبدالحق اکونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف ضلعدار قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تینوں حضرات اہلحدیث تھے۔ اور لاہور کے اندر قومی کارکنوں کی حیثیت سے اچھے خاصے مشہور تھے لیکن

ہیں مرزائی ہو گئے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی چونکہ بذاتِ خود اہلِ حدیث تھے۔ اس لیے انہیں ان کے مرزائی ہو جانے پر سخت افسوس ہوا اور وہ کبھی نہ کبھی وقت نکال کر ان حضرات کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن اس کے مقابلے میں یہ لوگ اس بات کی ٹوہ میں تھے کہ موقع ملے تو مولانا محمد حسین بٹالوی کو حکیم نورالدین سے الجھا دیں تاکہ مولانا محمد حسین بٹالوی کو ذلیل و رسوا ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اُن کے نزدیک محمد حسین بٹالوی صاحب سے نجات حاصل کرنے کا ایک یہی طریقہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان قادیانیوں نے ایک دفعہ جموں کا سفر کر کے حکیم نورالدین سے ملاقات بھی لی اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ مولانا محمد حسین بٹالوی سے مناظرہ کریں لیکن حکیم نورالدین نے کمال خوبی سے ان حضرات کو ٹرخا دیا۔ ابھی اس واقعے کو کچھ زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ حکیم نورالدین صاحب اپنے کسی کام کے سلسلے میں لاہور آئے تو یہ تینوں حضرات حکیم نورالدین کو مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ مناظرے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ اس طرح لاہور کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ داتا کی اس نگری میں قادیانیت اور اسلام کے درمیان پہلا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے حکیم نورالدین کو خوب رگیدا اور انہیں دلائل و براہین کی طاقت سے لاجواب کر دیا۔ حکیم نورالدین نے مناظرہ بیچ میں چھوڑ کر لدھیانہ میں پناہ لی۔ جہاں پر ان دنوں اُن کے پیر و مرشد مرزا غلام احمد قیام پذیر تھے۔

۱۵ اپریل ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین بٹالوی نے لدھیانہ میں مرزا غلام احمد کو تار ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ آپ کا مریدِ خاص مناظرے سے فرار حاصل کر کے آپ کے پاس پہنچ چکا ہے اُسے مناظرے پر آمادہ کریں اور یا پھر خود مناظرے کے سلیے تیار ہو جائیں۔ اس پر مرزا غلام احمد نے بعض شرائط پر مناظرے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن یہ شرائط ایسی تھیں جن کو مولانا نے تسلیم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ مولانا محمد حسین بٹالوی کے نزدیک اس طرح مناظرے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی تھی۔ شرط یوں تھی کہ مرزا صاحب نے مولانا کو کہا کہ آپ چار ورق پر جو کچھ چاہتے ہیں تحریر کر کے میرے پاس روانہ کر دیں جس کے جواب میں میں بھی چار ورق پر جواب تحریر کر دوں گا اور اس کے ساتھ ہی مناظرہ ختم ہو جائے گا۔ یہ ایک لایعنی اور فضول شرط تھی

جس کو مولانا محمد حسین بٹالوی نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یوں پیر و مرشد نے مولانا محمد حسین بٹالوی سے نجات حاصل کی اور اس طرح یہ پہلا مناظرہ ختم ہو گیا۔

علمائے لدھیانہ کو چیلنج (۱۸۹۱ء)

۳ مئی ۱۸۹۱ کو مرزا صاحب نے علمائے لدھیانہ کو چیلنج دیا کہ وہ مسئلہ حیاتِ مسیح وفاتِ مسیح پر اُن سے مناظرہ کر لیں۔ علمائے لدھیانہ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم جو ۱۸۸۵ء میں آپ کو کافر و مرتد اور انگریز کا جاسوس قرار دے چکے ہیں۔ اس لیے ہمارے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے بہترین اور مناسب موضوع کذب و صداقت غلام احمد ہے۔ ہم دلائل و شواہد سے تمہیں کافر ثابت کرتے ہیں اور جواب میں تم ہمارے اس دعوٰی کی تکذیب میں اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرو۔ اگر مسلمان ثابت ہو گئے تو بعد حیاتِ مسیح و وفاتِ مسیح پر بھی مناظرہ ہو سکتا ہے۔

یہ بات چونکہ مرزا صاحب کے لیے انتہائی مشکل تھی اس پر سوچ بچار کے لیے لاہور حکیم نورالدین کو طلب کیا گیا۔ چنانچہ حکیم نورالدین نے لدھیانہ پہنچ کر مرزا صاحب کو جو مشورہ دیا۔ اُسے مولانا رفیق دلاوری صاحب کے الفاظ میں دیکھئے۔ جو یوں رقمطراز ہیں:

"حکیم نورالدین نے لدھیانہ پہنچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان اور کفر پر مباحثہ ہو گا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتوٰی تکفیر پیش کریں گے تو ثالث لامحالہ ہماری جماعت پر کفر و ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفت گو نہ کرے گا کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرۂ امکان سے خارج ہے البتہ ان مولویوں سے گفت گو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں۔"[1]

---

[1] آئمۂ تلبیس جلد دوم مصنفہ مولانا رفیق دلاوری ص ۶۹۵

مرزا غلام احمد نے علمائے لدھیانہ کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنے مذہب و صداقت پر مناظرہ کرنے سے انکار کردیا۔ اور اس طرح اس دوسرے معرکے میں بھی مرزا صاحب اور اُن کے حواریوں کو شکست فاش ہوئی۔

مرزا غلام احمد اور علمائے لدھیانہ

مرزا غلام احمد کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب دوسرے شہروں کی نسبت لدھیانہ سے خاصی رغبت تھی۔ وہ اکثر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اس شہر میں براجمان ہوتے اور اپنی زبانِ پُر بیان سے لولوئے لالہ بکھیرتے۔
کتاب کے پچھلے صفحات پر اس بات کا ذکر موجود ہے۔ کہ جب مرزا غلام احمد نے ۱۸۸۴ء میں براہینِ احمدیہ کی چار جلدیں مکمل کرکے انہیں شائع کیا۔ تو سب سے پہلے جن لوگوں نے مرزا غلام احمد کی مخالفت کی۔ اُن میں علمائے لدھیانہ پیش پیش تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نامور ہیرو مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانویؒ کے فرزند مولانا محمد عبداللہ مولانا عبدالعزیز نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ عزیزالرحمٰن جامعی نے اپنی کتاب "رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور جنگِ آزادی" میں اس تاریخی واقعہ کو یوں تحریر کیا ہے :۔

"لدھیانہ میں مختصر قیام کے زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی لدھیانہ آیا اور اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب مرزا غلام احمد کی قیام گاہ پر گئے اور مرزا کو دیکھتے ہی فرمایا یہ شخص کافر اور مرتد ہے۔ اس کی بیعت مت کرو۔ یہ اپنے آپ کو مجدد نہیں بلکہ نبی اور پیغمبر ثابت کرنا چاہتا ہے مرزا کی مجلس میں اس طرح اعلانِ حق پر بڑا شور ہوا کہ بلا کسی دلیل کے مولانا شاہ محمد عبداللہ نے مرزا کو کافر اور مرتد قرار دیدیا ہے۔ اس وقت مرزا کی کتاب براہینِ احمدیہ چھپ چکی تھی۔ مولانا شاہ محمد صاحب نے رات بھر میں اس کتاب کا مطالعہ کیا اور صبح کو مرزا کی تحریروں کی بنیاد پر مکمل فتویٰ لکھ کر

شائع کر دیا کہ ان تحریروں کی بنا پر مرزا کافر اور مرتد ہے اس جرأت آمیز اعلان پر سارے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی۔ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر تک مرزا کے کفر و ارتداد کے بارے میں کئی برس تک کوئی فیصلہ نہ دے سکے تھے۔ لیکن آخر کار مرزا کے روز بروز نئے سے نئے الہامات کے اعلانات نے تمام ہندوستان کے علماء کو علماء لدھیانہ کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہ مرزا کافر اور مرتد ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنی کتابوں میں اور اپنے اعلانات اور الہامات میں سب سے زیادہ گالیاں علمائے لدھیانہ ہی کو دیں جو علماء لدھیانہ کے خاندان کے لیے یقیناً توشۂ آخرت ہے۔"[1]

مرزا غلام احمد نے اپنی تحریک کا آغاز لدھیانہ سے اس لیے کیا کہ پنجاب کے اند برطانوی استعمار کے لیے علماء لدھیانہ مستقل طور پر ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر چکے جنہوں نے انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برطانوی سلطنت کے خلاف پیہم جہاد بالسیف کرکے برطانوی حکومت کو ورطۂ حیرت ڈال دیا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ انگریزی اطاعت و فرمانبرداری کی اس تحریک کا مرکز سے شروع کیا جاتا جو اہل فرنگ کی پریشانی کا باعث بن چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی ج آزادی پر جن لوگوں نے بھی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان میں اکثریت نے لدھیانہ کے لوگوں کی و شجاعت کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ علمائے لدھیانہ نے ش عبدالقادر لدھیانوی کی قیادت میں حب الوطنی کا عظیم مظاہرہ کیا۔ لدھیانہ کے گرد و کا علاقہ جہاد بالسیف کے ذریعے دشمن سے آزاد کرا کر وہاں پر چھ ماہ تک آزاد حکوم قائم رکھی۔ اور براہ راست حکومت دہلی سے رابطہ قائم کرکے اس جہاد خیر میں وافر حص ذیل میں چند کتابوں کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) "مولانا عبدالقادر بن مولانا عبدالوارث لدھیانہ کے ایک علمی خاندان سے تعلق

---

۱ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور جنگ آزادی مصنفہ مولانا عزیز الرحمٰن جامعی مط
ص ۹۱-۹۲

رکھتے ہیں انہوں نے مع اپنے بیٹوں کے جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ لدھیانہ سے آکر مسجد فتح پوری میں قیام کیا تھا مولانا جبیب الرحمٰن لدھیانوی ان ہی کے پوتے تھے۔" ۱۸۵۷ کا تاریخی روزنامہ مصنفہ پروفیسر خلیق نظامی صہ ۱۶۷

اسی طرح انتظام اللہ شہابی اپنی کتاب ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" میں شاہ قادر لدھیانوی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"مولانا شاہ عبدالقادر ابن مولانا عبدالوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم وفضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر ۱۷۹۶ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لیے روانہ ہوئے اور دلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے۔ تکمیل کی اور تربیت روحانی پائی۔ ۱۸۲۵ء میں وطن واپس آئے اور رشد وہدایت میں لگ گئے۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے اور لدھیانہ میں نظر بند ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریز سے دلی نفرت تھی، ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا کوئی اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمٰن مولانا محمد عبداللہ اور مولانا عبدالعزیز نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مولانا مع اہل وعیال اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور مسجد فتح پوری کے حجرہ میں قیام کیا۔ یہیں پر ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا جن کو صحنِ مسجد میں دفن کیا گیا۔

چونکہ پانسہ پلٹ چکا تھا اس لیے مولانا وطن واپس ہوئے اور عرصہ تک خلوت گزین رہے۔ گورنمنٹ نے بہت تلاش کیا مگر خدا نے بچائے رکھا۔

آپ کے صاحبزادے مولانا عبد العزیز اور مولانا محمد عبد اللہ اور شیخ احمد جان دہلوی کو (جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے) حکومت نے افغانستان سے سازباز کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ شیخ صاحب جیل میں سدھار ے۔ یہ لوگ مقدمے سے بری ہو گئے۔ مولانا محمد عبد اللہ کے صاحبزادے محمد ذکریا تھے۔ جن کے خلف الرشید فخر احمد اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ہیں۔ جن کی سیاسی مساعی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد عبد الحفیظ صاحب ابن مولانا عبد اللہ نواسہ مولانا عبد العزیز ہیں جو ایک عرصہ تک مجلسِ احرارِ اسلام دہلی کے صدر رہے۔ مولانا شاہ عبد القادر نے ۱۸۶۰ء میں انتقال کیا۔ پٹیالہ میں دفن ہوئے۔"

اسی طرح ایک اور ہندو مورّخ پنڈت سندر لال نے بھی اپنی کتاب "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" میں لدھیانہ کا ذکر کیا ہے :۔

"جالندھر اور پھلور کی فاتح فوجیں دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوئیں۔ لدھیانہ کا شہر پنجاب میں جنگِ آزادی کا ایک خاص مرکز تھا۔ شہر میں اس دن بڑا جوش وخروش تھا۔ جیل خانہ توڑ دیا گیا تھا۔ سرکاری خزانہ پر قبضہ کرلیا گیا تھا ۱۱ر جون ۱۸۵۷ء کا دن تھا۔ جالندھر، لدھیانہ اور پھلور کی فوجیں مل کر جنگِ آزادی میں حصہ لینے کے لیے دلی کی طرف روانہ ہوگئیں۔"[۱]

جنگِ آزادی کے ایک دوسرے مصنف خورشید مصطفٰے رضوی امروہوی نے جنگِ آزادی کے سلسلے میں علمائے لدھیانہ کی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا کہ مولانا عبد القادر لدھیانوی کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

"مولانا عبد القادر نے شہری عوام کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ ان کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ چنانچہ دربار میں ہنگامہ ہوتے بچا۔ ڈپٹی کمشنر

---

[۱] جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء مصنفہ سندر لال صفحہ ۱۲۳

نے شہریوں سے ہتھیار چھین لیے لیکن مولوی صاحب اپنے ساتھیوں کو لے کر دہلی روانہ ہو گئے[1]

جنگِ آزادی کے بارے میں جو رپورٹ برطانوی گورنمنٹ نے تیار کی تھی اس رپورٹ میں اس بات کا اعتراف موجود ہے کہ علمائے لدھیانہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے پنجاب میں لدھیانہ بغاوت کا ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔ چنانچہ مولانا غلام رسول مہر بھی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لدھیانہ میں شروع ہی سے تشویشناک صورت پیدا ہو گئی تھی وہاں کے ڈپٹی کمشنر نے ضلع کے سکھ رسالوں کی امداد لے کر حالات پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے شہر کی آبادی کو بہت بھڑکایا۔ اور دو مرتبہ ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ ہنگامہ برپا ہو جائے۔ لدھیانہ میں کابل کے شدوزئی شہزادے بھی رہتے تھے وہ مولوی صاحب کے بڑے معتقد تھے اور گجروں میں موصوف کو بہت اثر و رسوخ حاصل تھا۔ جب ادھر اُدھر سے مزید فوجی سرکشی کر کے آئے تو مولوی صاحب نے اپنے معتقدوں کو ان میں شامل ہونے کی ہدایت کی اور ایک جھنڈا تیار کیا۔ اور فوجوں کو لے کر دہلی روانہ ہو گئے۔ شہر میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی مولوی صاحب کے زیرِ اثر تھے۔ مولوی صاحب کے دہلی جانے کے بعد ۵۰ آدمیوں کو لڑائی میں شہید کیا گیا اور ۱۶ آدمیوں کو پھانسی دی گئی"[2]

یہ مولوی صاحب جن کا ذکر انگریزوں نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے مولانا عبد القادر لدھیانوی تھے جن کے بیٹے مولانا محمد عبد اللہ اور مولانا عبد العزیز نے سب سے پہلے مرزا

---

[1] جنگِ آزادی خورشید مصطفیٰ رضوی امروہوی ص ۲۲۶
[2] میوٹنی رپورٹ جلد ہشتم حصہ اوّل ص ۷۰-۷۱

صاحب کے کافر ہونے کا فتویٰ لدھیانہ سے شائع کیا۔

ان تحریروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۸۵۷ کی دوبارہ آزادی میں لدھیانہ شہر کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ جالندھر۔ پھلور اور گرد و نواح مجاہدینِ آزادی اپنے مرکز لدھیانہ میں جمع ہوتے اور پھر یہاں سے مولانا عبد القادر کی قیادت میں دہلی روانہ ہوتے۔ انگریزوں کو اس بات کا احساس تھا کہ پنجاب کے جب تک انگریزوں سے نفرت کو لوگوں کے دلوں سے دور نہیں کیا جاتا اس وقت ہندوستان پر مستقل طور پر قبضہ قائم رکھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ پنجاب خاص طور پر اس بات کی ضرورت تھی کہ انگریز جیسی دور اندیش قوم کو اس احساس ہو چکا تھا کہ پنجاب کے بہادر اور دلیر لوگ ہی ہماری عسکری ضرورتوں کو کرنے کے اہل ہیں۔ لہذا انگریزی اطاعت و فرمانبرداری کی تخم ریزی کے لیے جعلی نبوت کی ضرورت محسوس کی گئی اس کے اعلان اور اس کے کام کی ابتدا لدھیانہ شہر سے زیادہ مناسب مقام اور کوئی نہیں تھا۔ لدھیانہ کے گرد میں اس وقت بھی انگریزوں کے خلاف جوش و خروش موجود تھا۔ علمائے لدھیانہ اس ضمن میں مرزا غلام احمد کے خلاف سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دے کر اس ثبوت فراہم کیا کہ وہ سیاسی شعور کے سلسلے میں دوسرے شہروں کے علماء کی بہت آگے ہیں۔ اور انہیں انگریزوں کے ٹوڈی اور زلہ خوار کے پہچاننے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی خواہ وہ تقدس کے کتنے ہی پردوں میں لپٹ کر آئے۔

آج جب ہم محاسبہ قادیانیت کی تاریخ ترتیب دینے کی اہم ذمہ داری کرنے میں مصروف ہیں یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے کہ جو کام پاک کے اندر ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے غیور مسلمانوں کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا مقدس کام کی ابتداء ۱۸۸۵ میں شاہ عبد القادر لدھیانوی کے بیٹوں نے مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ دے کر کر دی تھی اور یوں مولانا محمد عبد اللہ لدھیانوی اور عبد العزیز لدھیانوی اس تحریک ختم نبوت کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

لدھیانہ میں مناظرہ (مئی ۱۸۹۱ء)

علمائے لدھیانہ کو جو چیلنج مرزا غلام احمد نے ۳ مئی ۱۸۹۱ء کو دیا تھا۔ اس بارے
...ے لدھیانہ کی جانب سے جو جواب مرزا غلام احمد کو دیا گیا اس کا ذکر پچھلے صفحات
...مر یہ کیا جا چکا ہے کہ حکیم نورالدین نے بھی لاہور سے لدھیانہ آکر مرزا صاحب کو یہی
...رہ دیا تھا کہ آپ علمائے لدھیانہ سے مناظرہ کرنے کی بجائے کسی ایسے عالم کے ساتھ
...کریں جس نے ابھی آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ چنانچہ اس کام کے لیے
...نا محمد حسین بٹالوی کا انتخاب خود مرزائیوں کی جانب سے ہوا اس کا ذکر اس اشتہار
...بھی موجود تھا جس میں مرزا صاحب نے علمائے لدھیانہ کو حیات و وفاتِ مسیح کے مسئلہ
...مناظرہ کا چیلنج دیا تھا کہ اگر تم مناظرے کے لیے تیار نہ ہو سکو تو اپنی طرف سے مولانا
...سین بٹالوی کو مقرر کر لو۔ جب لاہور میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا
... احمد نے خود میرے ساتھ مناظرے کے لیے میرا نام تجویز کیا ہے تو وہ بغیر کسی تاخیر کے
...ے لدھیانہ پہنچے اور انہوں نے مولانا محمد حسن کے ذریعے مرزا صاحب کو مناظرے کا
...ام دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مناظرے کا موضوع کیا طے ہوا، مولانا
...سین بٹالوی نے موضوع یہ تجویز کیا کہ "وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیثِ نبویہ میں
...شارت دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟" لیکن اس موضوع پر مرزا صاحب
... مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ انکار آج تک باقاعدہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ آج بھی
...سی مرزائی مناظر سے یہ کہا جائے کہ آؤ کذب و صداقتِ غلام احمد پر مناظرہ کر لو تو وہ
...ائی مناظر اس سے صاف طور پر انکار کر دیگا اور اس کے برعکس اپنی طرف سے
...سرا موضوعِ مناظرہ پیش کریگا۔ جو بالعموم "حیات و وفاتِ مسیح" کا موضوع ہوتا ہے
...نچہ اس وقت بھی مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو یہی جواب دیا کہ میں اپنی
...یت پر گفتگو کے لیے تیار نہیں ہوں۔ بلکہ آپ کے ساتھ صرف حیات و وفاتِ مسیح
...بات ہو گی کیونکہ میرے دعویٰ مسیحیت کی بنا یہی ہے اور اگر آپ میری اس بنا کو رد

کردیں گے تو اس کے ساتھ ہی میرے دعویٰ کا بھی رد ثابت ہو جائے گا۔ مرزا صاحب کی اس بات کے جواب میں جو استدلال مولانا محمد حسین بٹالوی نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ آپ کے چیلنج کے اشتہار میں یہ دونوں دعوے موجود ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا دعویٰ اور اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ۔ اور یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کے ساتھ یوں نتھی ہرگز نہیں ہیں کہ ایک کے ثابت ہو جانے کے بعد دوسرا دعویٰ لازماً ثابت ہو جائے۔ لہٰذا پہلے آپ کے دعویٰ مسیحیت پر بات ہوگی جس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ کی حیات یا وفات کا بھی ذکر ہوگا۔ اور ویسے بھی اصولِ مناظرہ کے تحت ہمیں اس بات کا حق حاصل ہے کہ ہم جس پر چاہیں پہلے مناظرہ کریں۔ ہاں البتہ اگر آپ دعویٰ مسیحیت سے دستبردار ہو جائیں تو پھر صرف حیات و وفاتِ مسیح پر مناظرہ ہوگا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے اس جواب سے مرزا صاحب بوکھلا اٹھے۔ اور کوئی ایسی بات لکھ بھیجی جس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ مرزا صاحب مناظرے کے موڈ میں نہیں ہیں اور شاید یہ مناظرہ نہ ہوتا اگر مرزا صاحب کے خاص مریدین پٹیالہ سے آکر مرزا صاحب کو مجبور نہ کرتے۔ چنانچہ پٹیالہ کے ان قادیانیوں کے پُرزور اصرار پہ مرزا صاحب نے مناظرے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد مناظرے میں کیا ہوا۔ اس بارے میں مولانا رفیق دلاوری اپنی مشہور و معروف کتاب آئمہ تلبیس میں یوں تحریر کرتے ہیں

"آخر مباحثہ ہوا مولانا محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا نے ٹال مٹول کیے اور حیلے بہانے شروع کیے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں سے جواب کو ٹالتا رہا کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پہ ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا

جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے تو مرزا صاحب کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے۔ ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے اس لیے مناسب ہے کہ اس بحث کو جلد ختم کر دیجیے ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔

غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑالی[1]

پہلا مباہلہ

مولانا عبد الحق غزنوی امرتسریؒ کی دعوتِ مباہلہ (جون ۱۸۹۱ء)

امرتسر کے جن علمائے کرام نے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف محاذ قائم کیا ان میں مولانا عبد الحق امرتسری کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے مرزا غلام احمد کو دعوت مباہلہ دے کر سچ اور جھوٹ کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ وہ اکثر و بیشتر مرزا غلام احمد کے خلاف اشتہار نکالا کرتے تھے اور بالآخر یہی اشتہار بازی دعوتِ مباہلہ کی صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ مولانا عبد الحق غزنویؒ نے ایک اشتہار کے ذریعے مرزا غلام احمد کو دعوتِ مباہلہ دی جس کے جواب میں مرزا صاحب نے بھی ایک اشتہار چھپوایا۔ یہ دونوں اشتہارات قارئین کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔

اطلاعِ عام برائے اہلِ اسلام
(از صوفی عبد الحق غزنوی مباہل مرزا)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں اور تین برس سے اُس سے یہی درخواست ہے کہ اپنے کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں

---

[1] آئینہ تلبیس جلد دوم ص ۴۶۶

پادریوں کے مقابلے شائع کیئے ہیں مجھ سے مباہلہ کر مگر چونکہ خاص کر وہ ان دنوں میں اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو اس موقع پر میں نے اور ہمارے اور مسلمان بھائیوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ مرزا سے اس موقع پر مباہلہ یا مباحثہ یا اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کی جاوے تاکہ وہ پادریوں کے مقابلے میں کمزور نہ ہو جاوے لہٰذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ ۷ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ ارسال کیا کہ ہم کو آپ سے مباہلہ بدل وجان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو۔ وہ خط یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ چونکہ آپ آجکل اسلام کی طرف سے مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہو، اور اہل اسلام کی مدد میں ہو۔ لہٰذا اس موقع پر کسی مسلمان کو آپ پر حملہ کرنا یا آپ کے ساتھ مقابلہ یا مباہلہ میں پیش آنا نہایت نامناسب اور بہت ہی خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اور اس امر کی عقل اور عرف اجازت نہیں دیتی کیونکہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی ذلت اور بدنامی ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ مقررہ آپ کی بے موقع ہے اس تاریخ کا بدلنا ضروری ہے۔ ہم کو مباہلہ کرنا آپ سے بدل وجان منظور ہے۔ رسالہ موسوم بہ "سچائی کا اظہار" میں آپ لکھتے ہیں کہ عنقریب ایک جلسہ مباحثہ علمائے لاہور سے ۱۵ رجون ۱۸۹۳ء تک ہونے والا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مباہلہ اس مباحثہ کے بعد ہو جبکہ آپ اسلام کے مقابلہ پر ہوں۔ نیز آپ کا لیکچر اس موقعہ پر ہمیں بالکل منظور نہیں کیونکہ جب آپ اپنی صفائی ظاہر کریں گے تو ہم بھی آپ کی تردید کریں گے۔ پھر تو مباحثہ ہوا نہ مباہلہ۔ یہ بحثوں کے جھگڑے تو ختم ہونے والے نہیں۔ مقام مباہلہ میں فقط فریقین یہی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے پر لعنت کرے۔ فقط۔ اس کا جواب بدست حاملان رقعہ ہذا بھیجدیں۔

راقم عبدالحق غزنوی بقلم خود ۷ ذی القعد ۱۳۱۰ھ

اس خط کا جواب جو مرزا صاحب نے بھیجا وہ بھی بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی، از طرف عبداللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ

دایدہ ۔ میاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں
آپ نے قطعی طور پر مجھ کو کافر اور دجّال لکھا ہے۔ مباہلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے
اور میرے امرتسر میں آنے کے لیے دو ہی غرضیں تھیں۔ ایک عیسائیوں سے مباحثہ
اور دوسرے آپ سے مباہلہ۔ میں بعد استخارہ مسنونہ انہیں دو غرضوں کے لیے
مع اپنے قبائل کے آیا ہوں۔ اور جماعت کثیر دوستوں کی جو میرے ساتھ کافر ٹھہرائی
گئی ہے ساتھ لایا ہوں۔ اور اشتہار شائع کر چکا ہوں اور متخلّف پر لعنت بھیج
چکا ہوں۔ اب جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے۔ میں تو حسب وعدہ میدانِ
مباہلہ یعنی عید گاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ "خدا تعالیٰ کافر اور کاذب کو ہلاک کرے"
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں ۱۵ / جون ۱۸۹۳ء
کے مباحثے میں نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم نورالدین صاحب
یا حضرت مولوی سیّد محمد حسن صاحب بحث کے لیے جاویں گے۔ ہاں یہ مجھے
منظور ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں۔ صرف یہ دعا ہو گی کہ میں مسلمان
اور اللہ کے رسول کا متبع ہوں۔ اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھ
پر لعنت کرے اور آپ کی طرف سے یہ دعا ہو گی کہ یہ شخص درحقیقت کافر اور
کذاب اور دجال اور مفتری ہے اور اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ
میرے پر لعنت کرے اور اگر یہ الفاظ میری دعا کے آپ کی نظر میں ناکافی ہوں تو
جو آپ تقویٰ کی راہ سے لکھیں کہ دعا کے وقت یہ کہا جائے وہی لکھ دوں گا۔ مگر
اب ہرگز ہرگز تاریخ مباہلہ تبدیل نہیں ہو گی۔ لعنت اللہ علیٰ من تخلف منا و
ماحضر فی ذالک التاریخ والیوم والوقت والسلام علیٰ عبادہ
الذین اصطفیٰ۔

خاکسار غلام احمد از امرتسر (ہفتم ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ)

عرض یہ ہے کہ اب میں بری الذمہ ہو گیا ہوں اور مجھ پر کسی قسم کی ملامت نہیں کیونکہ

میں نے تاریخ کا بدلنا تو اس سبب سے چاہا تھا کہ اگرچہ میں اور دیگر مسلمان مرزا کو کیسا ہی گمراہ سمجھیں مگر جب وہ اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو ہم سب کو بجائے بد دعا کے دُعا اور مدد دینی چاہیئے۔ مگر مرزا نے وہ تاریخ یعنی دہم ذی القعد نہیں بدلی۔ اب میں بھی اس وقتِ معینہ پر کہ دہم ذی القعد ۱۳۱۰ھ بوقت دو بجے دن کے اپنا حاضر ہونا مباہلہ کے واسطے مقام باہلہ میں فرض سمجھتا ہوں۔ اور وہاں جا کر لیکچر یا وعظ یا اظہارِ صفائی طرفین سے مطلق نہ ہو گا جیسا کہ اس نے اپنے خط میں وعدہ کر لیا ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں گا۔ مقام عیدگاہ مباہلہ اس طریق پر بدیں الفاظ ہو گا۔

یعنی میں عبد الحق ۳ بار بآواز بلند کہوں گا کہ

"یا اللہ میں مرزا کو ضال، مضل، ملحد، دجال۔ کذاب۔ مفتری۔ محرف کلام اللہ تعالیٰ و احادیث رسول اللہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر تو نے آج تک نہ کی ہو۔"

مرزا تین دفعہ بآواز بلند کہے۔

"یا اللہ اگر میں ضال و مضل و ملحد دجال و کذاب و مفتری و محرف کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ صلعم ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر تو نے آج تک نہ کی ہو۔"

بعد میں رو بقبلہ ہو کر دیر تک ابتہال و عاجزی کریں گے کہ یا اللہ جھوٹے کو اور رُسوا کر اور سب حاضرین مجلس آمین کہیں گے۔

المشتہر:۔ عبد الحق از امرتسر پنجاب مورخہ ۸ ذی القعدہ ۱۳۱۰ھ بمطابق جون ۱۸۹۱ء ماخوذ از تاریخ مرزا مرتبہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۳۹ تا ۴۳

مباہلے کے اثرات و نتائج

چنانچہ اس اشتہار میں طے شدہ وقت کے مطابق دونوں فریق امرتسر کی عیدگاہ میں
بیٹھے ہوئے اور مقررہ الفاظ دہرا کر دعائیں مانگی گئیں اور اس طرح اسلام اور قادیانیت
کا یہ پہلا مباہلہ انتہائی امن اور سکون کے ساتھ مکمل ہوا لیکن اس کے نتیجہ میں اس مباہلہ کے
ایک سال تین ماہ بعد جب ڈپٹی آتھم والی پیشگوئی اپنی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی اور ہر
چہار جانب سے مرزا صاحب سے استفسار ہوا تو اس موقعہ پر مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک
اشتہار کے ذریعے اس بات کا اظہار کیا کہ ڈپٹی آتھم والی پیشگوئی کا پورا نہ ہونا مرزا
صاحب اور میرے درمیان مباہلے کے اثرات میں سے ایک اثر اور نتیجہ ہے کیونکہ اس پیشگوئی
کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب کی بدنامی اور رسوائی ہوئی ہے اس دعوے کی دلیل
میں مولانا عبدالحق صاحب نے مرزا صاحب کی اپنی ہی تحریر کا حوالہ بھی دیا۔ یہ تحریر مرزا
صاحب کے رسالہ حجت الاسلام میں ہے جو مرزا صاحب نے عیسائی مناظرین کے جواب میں
لکھی تھی کہ

"میری سچائی کے لیے ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور
نشان ظاہر ہو اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں۔"

(حجت الاسلام صفحہ ۵ مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان)

لیکن مرزا صاحب نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ میری بدنامی یا رسوائی
ہوئی ہے بلکہ مرزا صاحب نے کہا کہ اس عرصے میں میری سچائی کے کئی نشانات ظاہر ہوئے
ہیں۔ اس مباہلے کے بعد میرے مریدوں میں اضافہ ہوا۔ مجھے نقدی امداد مہیا کی گئی اور میری
عزت اور میرے وقار میں اضافہ ہوا۔ جیسا کہ وہ مولوی عبدالحق امرتسری کے بارے میں نزول
مسیح کے صفحہ ۱۹۴ پر تحریر کرتے ہیں:۔

"صدہا مخالف مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا جن میں سے عبدالحق میدان میں
نکلا اور مباہلہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت تو صرف چند آدمی ہمارے ساتھ تھے

اور اب ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ اور دن بدن ترقی کر رہے ہیں اور اس کے مقابل جاکر دیکھنا چاہیئے کہ عبدالحق کے ساتھ کتنے ساتھی ہیں اور اس کی کیا عزت ہے کیا یہ خدا کا نشان نہیں؟"

ایسی ہی ایک تحریر مرزا صاحب کی ایک دوسری تصنیف "حقیقت الوحی" کے صفحہ ۲۴۰ پر بھی ملتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب نے مرزا صاحب کو اچھا خاصا تنگ کیا ہوا تھا کہ نزولِ مسیح کے صفحہ ۳۲ پر بھی مولوی عبدالحق غزنوی کو ہراساں کرنے کے لیے بعض ایسے علماء کا نام تحریر کیا ہے جو مرزا صاحب کے مباہلے کے پیشِ نظر مباہلہ میں جھوٹے ہونے کی وجہ سے اُن کی زندگی میں فوت ہو گئے اور تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مولوی عبدالحق غزنوی بھی جھوٹا ہونے کی وجہ سے اُن کی زندگی ہی میں مر جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اپنے مباہل مولوی عبدالحق غزنوی کی موجودگی میں ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو اس دارِ فانی سے کُوچ کر گئے جبکہ مولوی عبدالحق غزنوی نے مرزا صاحب کی وفات سے کئی سال بعد ۲۳ر رجب ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۶ر مئی ۱۹۱۷ء کو رحلت فرمائی اور یہ عرصہ ۹ سال کا بنتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے "نزولِ مسیح" کی وہ عبارت پیش کی جاتی ہے :-

" اوّل تم میں سے مولوی اسمٰعیل علیگڈھ[1] نے میرے مقابل یہ کہا کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے گا۔ سو تم جانتے ہو کہ شاید دس سال کے قریب ہو چکے کہ وہ مر گیا اور

---

[1] مولوی محمد اسماعیل صاحب علی گڑھی کے بارے میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب "فتح اسلام" صفحہ ۴۱ کے حاشیہ پر بڑی تفصیل سے تحریر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قیام علی گڑھ کے وہاں کے ایک عالمِ دین مولوی محمد اسماعیل سے ان کی ملاقات ہوئی اور چند روز کی شناسائی کے بعد مرزا صاحب سے انہوں نے ایک جگہ وعظ یا تقریر کا وقت لے لیا۔ مقام اور دن طے ہو گیا تو عین وقت پر مرزا صاحب بعض خطرات کی بناء پر چل دیے گئے جس سے ان کی اہانت ہوئی اور انہوں نے مرزا صاحب کے خلاف ایک پمفلٹ لکھا جس میں بعض اہم باتیں مرزا صاحب کے بارے میں انہوں نے تحریر کیں کہ یہ شخص نالائق ہے اسے کوئی الہام یا وحی نہیں ہوتی۔ یہ نماز بھی وقت پر نہیں پڑھتا۔

اب خاک میں اس کی ہڈیاں بھی نہیں مل سکتیں۔ پھر پنجاب میں مولوی غلام دستگیر قصوری اُٹھا اور اپنے تئیں کچھ سمجھا اور اس نے اپنی کتاب میں میرے مقابلے میں یہ لکھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے گا۔ سو کئی سال ہو گئے کہ غلام دستگیر بھی مر گیا۔ وہ کتاب چھپی ہوئی موجود ہے۔ اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی اُٹھا اور ایک اشتہار میرے مقابل نکالا اور جھوٹے پر لعنت کی اور تھوڑے دنوں کے بعد اندھا ہو گیا۔ دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اس کے بعد مولوی غلام محی الدین لکھو کے والا اُٹھے۔ اُس نے بھی ایسے ہی الہامات شائع کیے۔ آخر وہ بھی جلد دُنیا سے رخصت ہوا۔ پھر عبدالحق غزنوی اُٹھا اور بالمقابل مباہلہ کر کے دعائیں کیں کہ جو جھوٹا ہے خدا کی اس پر لعنت ہو۔ برکتوں سے محروم ہو۔ دنیا میں اس کی قبولیت کا نام و نشان نہ رہے۔ سو تم دیکھ لو کہ ان دعاؤں کا کیا انجام ہوا اور اب وہ کس حالت میں ہے اور ہم کس حالت میں ہیں۔ دیکھو اس مباہلے کے بعد ہر ایک بات میں خدا نے ہماری ترقی کی اور بڑے بڑے نشان ظاہر کیے آسمان سے بھی اور زمین سے بھی اور ایک دنیا کو میری طرف رجوع دے دیا اور جب مباہلہ ہوا تو شاید چالیس آدمی میرے دوست تھے اور آج ستر ہزار کے قریب ان کی تعداد ہے اور مالی فتوحات دو لاکھ روپے سے بھی زیادہ اور ایک دنیا کو غلام کی طرح ارادت مند کر دیا۔ اور زمین کے کناروں تک مجھے شہرت دے دی۔ لطف تب ہو کہ اوّل قادیان میں آؤ اور دیکھو کہ ارادت کا کس قدر اس جگہ خیمہ زن ہے اور پھر امرتسر میں عبدالحق غزنوی کو کسی دکان پر یا بازار میں چلتا دیکھو کہ کس حالت میں چل رہا ہے۔ بڑا افسوس ہے کہ خدا کی طاقت کھلے طور پر میری تائید میں آسمان سے نازل ہو رہی ہے مگر یہ لوگ شناخت نہیں کرتے۔ ٹرانسوال اور دولت برطانیہ کی صلح ہو گئی مگر ان لوگوں کی اب تک جنگ باقی ہے ٹرانسوال نے عقلمندی کر کے انگریزی گورنمنٹ کو طاقتور پایا اور اطاعت قبول کر لی۔ مگر یہ لوگ اب تک آسمانی گورنمنٹ کے باغی ہیں۔" (نزول مسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صفحہ ۳۱-۳۲-۳۳)

مناظرۂ دہلی اکتوبر ۱۸۹۱ء

لدھیانہ میں مرزا صاحب نے جس طرح مناظرے سے جان چھڑائی۔ اس کا تذکرہ او
گذشتہ میں ہو چکا ہے لیکن جون ۱۸۹۱ء کے اس مناظرے کے بعد جو مولانا محمد حسی
بٹالوی اور مرزا غلام احمد کے درمیان ہوا۔ مرزا صاحب نے مناسب سمجھا کہ اس ہزیمت
پسپائی کے ازالہ کے لیے کسی بڑے آدمی سے نبرد آزمائی کی جائے تاکہ نفسیاتی طور پر لوگ محس
کریں کہ کچھ تو ہے جس کی بنا پر بڑے لوگوں کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب کی با
آپ کی نظرِ التفات دہلی کے ایک جید عالم دین حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلوی
پر پڑی۔ وہ ہندوستان کے علمائے اہل حدیث کے سرخیل سمجھے جاتے تھے اور پورے
ہندوستان کے اندر آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد فریضۂ خدمتِ اسلام میں مصروف تھ
خود مولانا محمد حسین بٹالوی بھی مولانا نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے
چنانچہ مرزا غلام احمد ستمبر ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ سے دہلی پہنچے اور چند روز اپنے حلقۂ اثر
ممتاز لوگوں سے مشورے کے بعد مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کو بذریعہ اشتہار "حیاتِ مسیح"
کے موضوع پر مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ چونکہ مولانا اہل حدیث مسلک کے تھے اس لیے
اس اشتہار میں ایسے فقرے بھی لکھے گئے جس سے حنفی مسلمانوں کو خوش کرنے کی ناکام
کوشش کی گئی اور امام ابو حنیفہ کے مسلک اور ان کے منصب کا دفاع بھی کیا گیا۔ بہر حا
یہ مناظرہ بھی چند روز کے بعد ایسی صورت میں ختم ہو گیا کہ مرزا صاحب نے دہلی میں مز
قیام سے انکار کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ اُن کے خسر بیمار ہیں اور وہ فوراً اُن کی عیادت
کے لیے دہلی سے جانا چاہتے ہیں۔

ذیل میں اس اشتہار کی نقل پیش کی جاتی ہے جو مرزا صاحب نے چھپوا کر دہلی
میں تقسیم کیا۔

" اشتہار بمقابلہ مولوی سیّد نذیر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث

مشتہرہ مرزا صاحب

" چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب نے جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفاتِ مسیح ابن مریم ملحد قرار دیا ہے اور عوام کو سخت شکوک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ آپ ہی اعتقادِ حیاتِ مسیح میں قرآن کریم اور احادیثِ نبوی کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اوّل اہل حدیث کا دعویٰ کر کے اپنے بھائیوں حنفیوں کو بدعتی قرار دیا اور امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ ان کو حدیثیں نہیں ملی تھیں۔ اور وہ اکثر احادیثِ نبویہ سے بے خبر ہی رہے تھے اور اب باوجود دعویٰ اتباع قرآن اور حدیث کے حضرت مسیح ابن مریم کی حیات کے قائل ہیں وہذا عجب العجائب۔ اگر کوئی عوام میں سے ایسا کہتا، اور خلاف قال اللہ قال الرسول دعویٰ کرتا تو کچھ افسوس کی جگہ نہ تھی لیکن یہی لوگ جو دن رات درس قرآن اور حدیث جاری رکھتے ہیں اگر ایسا بے اصل دعویٰ کریں۔ تو ان کی علمیت اور قرآن دانی اور حدیث دانی پر سخت افسوس آتا ہے۔ یہ بات کسی متنفس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ بآواز بلند پکار رہی ہیں کہ فی الواقع حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہیں مگر جن لوگوں کو عاقبت کا اندیشہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کا خوف نہیں۔ وہ تعصب کو مضبوط پکڑ کر قرآن اور حدیث کو پسِ پُشت ڈال لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس اُمت پہ رحم کرے۔ لوگوں نے کیسے قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا اور اس عاجز نے اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حضرت مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب کا نام بھی درج کیا تھا مگر عندا الملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہُوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک گوشہ گزیں آدمی ہیں۔ اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہے طبعاً کارہ ہیں اور اپنے کام تفسیر قرآن کریم میں مشغول ہیں۔ اور شرائط اشتہار کے پورا کرنے میں مجبور ہیں۔ کیونکہ گوشہ گزیں ہیں،

حکّام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور باعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہیت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں۔ ان کاموں میں اوّل درجے کا جوش رکھتے ہیں لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ بپابندئ شرائط مندرجہ اشتہار ۲ ر اکتوبر ۱۸۹۱ء بالاتفاق بحث کر لیں اور اگر انہوں نے بقبول اشتہار ۲ ر اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کے لیے مستعدی ظاہر نہ کی اور پوچ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا۔ بحث میں امر تنقیح طلب یہ ہوگا کہ آیا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی مسیح ابن مریم جس کو انجیل ملی تھی اب تک آسمان پر زندہ ہے اور آخری زمانے میں آئے گا یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت فوت ہو چکا ہے اور اس کے نام پر کوئی دوسرا اسی اُمت میں سے آئے گا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ مسیح ابنِ مریم زندہ بجسدہٖ العنصری آسمان پر موجود ہے تو یہ عاجز دوسرے دعویٰ سے خود دست بردار ہو جائے گا ورنہ بحالت ثانی بعد اس اقرار کے لکھانے کے درحقیقت اسی اُمت میں سے مسیح ابن مریم کے نام پر کوئی اور آنے والا ہے۔ یہ عاجز اپنے مسیح موعود ہونے کا ثبوت دے گا اور اگر اس اشتہار کا جواب ایک ہفتہ تک مولوی صاحب کی طرف سے شائع نہ ہوا تو سمجھا جائے گا کہ انہوں نے گریز کی اور حق کے طالب علموں کو محض نصیحتاً کہا جاتا ہے کہ میری کتاب " ازالہ اوہام " کو خود غور سے دیکھیں اور ان مولوی صاحبوں کی باتوں پر نہ جاویں۔ ساٹھ جزء کی کتاب اور یقیناً سمجھو کہ " معارف اور دلائل یقینیہ کا اس میں ایک دریا بہتا ہے صرف ۳؎ قیمت ہے اور واضح ہو کہ درخواست مولوی سید نذیر حسین صاحب کی کہ

مسیح موعود ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے اور اس میں بحث ہونی چاہیئے بالکل تحکم اور خلاف طریقِ انصاف اور حق جوئی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ مسیح موعود ہونے کا اثبات آسمانی نشانوں کے ذریعے سے ہوگا اور آسمانی نشانوں کو بجز اُس کے کون مان سکتا ہے کہ اوّل اس شخص کی نسبت جو کوئی آسمانی نشان دکھادے یہ اطمینان ہوجاوے کہ وہ خلاف قال اللّٰہ و قال الرسول کوئی اعتقاد نہیں رکھتا ورنہ ایسے شخص کی نسبت جو مخالف قرآن اور حدیث کوئی اعتقاد رکھتا ہے ولائیت کا گمان ہرگز نہیں کرسکتے۔ بلکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی نشان بھی دکھاوے تو وہ نشانِ کرامت متصور نہیں ہوتا بلکہ استدراج کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بھی اپنے لمبے اشتہار میں جو لدھیانہ میں چھپوایا تھا اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں۔ اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ سب سے پہلے بحث کے لائق وہی امر ہے جس سے یہ ثابت ہوجاوے کہ قرآن و حدیث اس دعوے کے مخالف ہیں اور وہ امر مسیح ابنِ مریم کی وفات کا مسئلہ ہے کیونکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر درحقیقت قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات ہی ثابت ہوتی تو اس صورت میں پھر اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعویٰ پر ایک نشان کیا بلکہ ایک لاکھ نشان بھی دکھادے تب بھی وہ نشان قبول کرنے کے لائق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ قرآن ان کے مخالف شہادت دیتا ہے۔ غایت کار وہ استدراج سمجھے جاویں گے لہٰذا سب سے اول بحث جو ضروری ہے مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات کی بحث ہے جس کا طے ہوجانا ضروری ہے کیونکہ مخالف قرآن و حدیث کے نشانوں کا ماننا مومن کا کام نہیں۔ ہاں ان نادانوں کا کام ہے جو قرآن و حدیث سے کچھ غرض نہیں رکھتے۔ فاتقوا اللّٰہ ایہا العلماء والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

المشتہر: مرزا غلام احمد از دہلی بلیماراں کوٹھی نواب لوہارو۔ ۶؍ اکتوبر ۱۸۹۱ء

اس اشتہار کے بعد ہندوستان بھر سے علمائے کرام نے دہلی پہنچنا شروع کر دیا
مرزا صاحب اور مولانا صاحب کے درمیان اس مناظرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں
پنجاب سے مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب تو پہلے ہی دہلی میں تھے۔ وہ تو شاید لاہور
ہی مرزا صاحب کے پیچھے تھے۔ لاہور سے لدھیانہ اور لدھیانہ سے دہلی چلے آئے تاکہ
مرزا صاحب کے چیلنج کا جواب دیا جا سکے۔ بھوپال سے مولانا نذیر حسین محدث دہلوی
ایک نامی شاگرد مولانا محمد بشیر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ مقابلے کے لیے جامع مسجد
سے زیادہ موزوں اور کونسی جگہ ہو سکتی تھی۔ لیکن مرزا صاحب نے مسجد میں بات کرنے سے
کر دیا۔ اور اس کی بجائے علیحدہ ایک مکان کو مقام مناظرہ مقرر کیا ۔ مولانا نذیر حسین
صاحب محدث دہلوی نے اپنی بجائے اپنے شاگرد مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی کو مناظرہ
میں شرکت کا حکم دیا جسے مرزا غلام احمد نے مولانا کے نمائندے کے طور پر تسلیم کر لیا اور
مولانا محمد بشیر احمد صاحب حضرت مسیح ابن مریم کے مدعی بنے اور مرزا صاحب نے خود اپنی
کا فیصلہ کیا۔ مباحثہ چونکہ حیات مسیح کے موضوع پر تھا اس لیے مولانا محمد بشیر صاحب نے آیت
ان مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے استدلال کیا۔ مناظرے کی پوری
تفصیل ایک رسالے کی صورت میں انہی دنوں چھاپ دی گئی تھی جس رسالے کا نام
"الحق الصریح فی اثبات حیوٰۃ المسیح" ہے اس میں مولانا محمد بشیر صاحب نے
اس مناظرے کی مختصر روئیداد اپنے الفاظ میں یوں بیان کی ہے :۔

" اما بعد یہ کیفیت ہے اُس مناظرہ کی جو میرے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی
مسیحیت کے درمیان میں بمقام دہلی واقع ہوا۔ مرزا صاحب نے دہلی میں آکر دو اشتہار
ایک مطبوعہ دوم اکتوبر ۱۸۹۱ دوسرا مطبوعہ ششم اکتوبر سنہ صدر بمقابلہ جناب مولانا
سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مد اللہ ظلہم العالی کے شائع کیے اور طالب مناظرہ
ہوئے وہ دونوں اشتہار خاکسار کے بھی دیکھنے میں آئے۔ خاکسار نے محض بنظر نصرتِ
دین و سُنت و ازالہ الحاد و بدعت، قصد مناظرہ مصمم کر کے جواب اشتہار مرزا
صاحب کے پاس بوساطت جناب حاجی محمد احمد صاحب دہلوی کے بھیجا اور اس جواب

ہیں مرزا صاحب کے سب شروط کو تسلیم کر کے صرف شرطِ ثالث میں قدرے ترمیم چاہی۔ مرزا صاحب نے بھی اس ترمیم کو قبول کیا۔ بعض ترمیم کے یہ تین شرطیں طے پائیں۔

اوّل یہ کہ امن قائم رہنے کے لیے سرکاری انتظام ہو۔

دوم۔ یہ فریقین کی بحث تحریری ہو۔ ہر ایک فریق مجلس بحث میں سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے اور ایسے ہی فریق ثانی جواب لکھ کر دے

سوم۔ اول بحث حیات مسیح علیہ السلام پر ہو۔ اگر حیات ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود چھوڑ دیں گے اور اگر وفات ثابت ہو تو مرزا صاحب کا اصل دعویٰ یعنی عدوم نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے میں بحث کی جاوے گی۔ اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز سمجھا جائے گا۔

جب تصفیہ شروط کا ہو گیا تو جناب حاجی محمد احمد صاحب نے حسب ایماء مرزا صاحب کے خاکسار کو طلب کیا۔ چنانچہ شب شانزدہم ربیع الاوّل ۱۳۰۹ھ کو میں بھوپال سے روانہ ہو کر روز شنبہ تاریخ شانزدہم ماہ مذکور قریب نواخت چہار ساعت دہلی میں داخل ہوا اور مرزا صاحب کو اطلاع اپنے آنے کی دی تو مرزا صاحب نے مختلف رقعوں کے ذریعے شروط میں تبدیل ذیل فرمائی

۱۔ حیات مسیح علیہ السلام کا ثبوت آپ کو دینا ہوگا۔

۲۔ بحث اس عاجز (مرزا غلام احمد) کے مکان پر ہو۔

۳۔ جلسہ عام نہیں ہوگا۔

۴۔ صرف دس آدمی تک جو معزز خاص ہوں آپ ساتھ لا سکتے ہیں۔ مگر شیخ بٹالوی (مولانا محمد حسین بٹالوی) اور مولوی عبدالحمید ساتھ نہ ہوں۔

۵۔ پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو۔ اور پہلا پرچہ آپ کا ہو۔

انتہیٰ۔ ان شروط کا قبول کرنا نہ تو خاکسار پہ لازم تھا۔ اور نہ میرے احباب کی رائے ان کو تسلیم کرنے کی تھی مگر محض اس خیال سے کہ مرزا صاحب کو کوئی حیلہ مناظرے سے گریز کا نہ ملے یہ سب باتیں منظور کی گئیں بعد اس کے تاریخ نوزدہم ربیع الاول روز جمعہ بعد نمازِ جمعہ مناظرہ شروع ہوا۔ خاکسار نے ان کے مکان پر جاکر مجلس بحث میں پانچ ادلّہ حیاتِ مسیح کے لکھ کر حاضرین کو سُنا دیئے اور دستخط اپنے کرکے مرزا صاحب کو دے دیئے۔ مرزا صاحب نے مجلسِ بحث میں جواب لکھنے سے عذر کیا۔ ہرچند جناب حاجی محمود احمد صاحب وغیرہ نے ان کو الزام نقضِ عہد و مخالفت شروط کا دیا مگر مرزا صاحب نے نہ مانا اور یہ کہا کہ میں جواب لکھ رکھوں گا آپ لوگ کل دس بجے آئیے۔ ہم لوگ دوسرے روز دس بجے گئے۔ مرزا صاحب مکان کے اندر تھے۔ اطلاع دی گئی تو مرزا صاحب باہر نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب تیار نہیں ہوا جس وقت تیار ہوگا آپ کو بُلا لیا جائے گا۔ پھر غالباً دو بجے دوپہر کے بعد ہم لوگوں کو بلاکر جواب سنایا۔ اور یہ کہا کہ اب مجلس بحث میں جواب لکھنے کی ضرورت نہیں آپ مکان پر لے جاویں۔ چنانچہ میں اس تحریر کو مکان پر لے آیا۔ اسی طرح ۶ روز تک سلسلہ مباحثہ جاری رہا۔ چھٹے روز کہ تین پرچے میرے ہو چکے تھے اور تین مرزا صاحب کے۔ مرزا صاحب نے پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مباحثہ قطع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں ہے اور زبانی فرمایا کہ میرے خسر بیمار ہیں۔ اس وقت ایک مضمون جو پہلے سے منتظرِ احتیاط لکھ رہا تھا اور وہ متضمن تھا اس امر پر کہ مرزا صاحب کی جانب سے نقضِ عہد و مخالفت ہوئی، مرزا صاحب کی موجودگی میں سب حاضرینِ جلسہ کو سُنا دیا گیا۔ حاضرینِ جلسہ مرزا صاحب کو الزام دیتے تھے مگر مرزا صاحب نے ایک نہ سُنی۔ اسی روز تہیۂ سفر کرکے شب کو دہلی سے تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب کے یہ افعال اول دلیل ہیں اس پر کہ

ان کے پاس اصل مسئلہ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کی دلیل نہیں ہے اصل بحث کے لیے دو سدیں انہوں نے بنا رکھی ہیں۔ ایک بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام دوسرے نزول مسیح علیہ السلام۔ جب دیکھا کہ ایک سد جو ان کے زعم میں بڑی راسخ تھی ٹوٹنے کے قریب ہے اس کے بعد دوسری سد کی جو ضعیف ہے نوبت پہنچے گی۔ پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو قلعی کھل جائے گی۔ اس لیے فرار مناسب سمجھا بعد انقطاع مباحثہ اور چلے جانے مرزا صاحب کے احقر دو روز دہلی میں متوقف رہ کر روز شنبہ کو ڈاک گاڑی میں بھوپال روانہ ہوا۔ (رسالہ الحق الصریح صہ ۲)[1]

یہ ہے اُس تاریخی مناظرہ دہلی کی داستان ہے جسکے لیے مرزا صاحب لدھیانہ سے بڑے اہتمام کے ساتھ چلے تھے اور جس مناظر کی نشر و اشاعت کے لئے انہوں نے اپنی دیرینہ عادت کے مطابق باقاعدہ اشتہار بازی سے بھی کام لیا۔ لیکن مناظرے کے پہلے ہی بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اسطرح دہلی میں بھی وہی ہوا جو اس سے پہلے لاہور اور لدھیانہ میں ہو چکا تھا اور غالباً آج تک اسلام اور قادیانیت کے درمیان جتنے بھی مناظرے ہوئے ہیں ان میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے کہ قادیانی مبلغ اپنی پسند کے موضوع خود تجویز کرتے ہیں اور پھر اس پر بھی اُن سے کچھ بن نہیں آتی تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ راقم کو بھی ایک ایسے مناظرے میں شرکت کا موقع ملا۔ یہ مناظرہ ربوہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک دیہہ "ڈاور" میں ہوا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی جانب سے مولانا لعل حسین اختر مرحوم اور مولانا محمد منظور صاحب چنیوٹی اور قادیانیوں کی طرف سے قاضی نذیر لائلپوری مناظر تھے۔ مناظرہ "ختم نبوت" کے موضوع پر تھا۔ اور شام تک دونوں جانب سے دلائل پیش کیے جاتے رہے لیکن بالآخر قاضی نذیر صاحب منقار زیر پر ہو گئے اور مناظرہ ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں پر اختتام پذیر ہوا۔ مناظرے

---

[1] ماخوذ تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صہ ۴۳ تا ۴۹

سے پیشتر اس بات پر بحث ہوتی رہی کہ مناظرہ کس موضوع پر ہو۔ مسلمان اس بات اصرار کرتے تھے کہ مناظرہ کذب و صداقتِ غلام احمد پر ہو گا جبکہ قادیانی اس پر تیار ہوتے تھے اور اپنی جانب سے موضوع "ختم نبوت" پیش کرتے۔ مسلمان اس پر رضا ہو گئے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کسی دوسری تاریخ پر قاضی نذیر مولانا لعل حسین اختر ساتھ کذب و صداقتِ غلام احمد پر بھی مناظرہ کریں گے۔ دوسرے مناظرے کے لیے باقا دن تاریخ اور مقام تحریری طور پر متعین ہوا جس کے بعد ختم نبوّت پر مناظرہ شروع ہوا بعد میں قادیانی دوسرے مناظرے پر تشریف ہی نہیں لائے جس کی وجہ سے کذب و صدا غلام احمد پر بات چیت نہ ہو سکی۔

سر سیّد احمد خانؒ اور غلام احمد

سر سیّد کی بعض علمی و مذہبی باتوں سے اختلاف کے باوجود اُن کی عظمت اور ان علمی بصیرت سے انکار نہیں ہے وہ مسلمانوں کے درمیان ایک متنازعہ شخصیت ہونے باوجود ایک عظیم شخصیت تسلیم کیے گئے ہیں اور پھر دین سے لگاؤ اور آنحضرت صلی اللہ وسلم سے محبت اُن کی ایک مسلمہ خوبی ہے جس پر کوئی مسلمان انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ سر سیّد احمد خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقے میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے ہیں شاید اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے بانی ہیں۔ اور انہوں نے اپنی تمام عمر اس بات صرف کر دی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے حصول کے لیے تیار کر سکیں۔ لیکن حقیقت ہے کہ سر سید نے ہمیشہ وہی بات کہی جس کو خود سوچا اور انہیں اس بات کی مطلق پرواہ نہ تھی لوگوں پر اس کا ردِ عمل کیا ہو گا۔ وہ تحقیقی میدان میں کسی سے رو رعایت کے قائل نہ جب ایک رائے قائم کر لی تو پھر ہمیشہ کے لیے اُس پر ڈٹے رہے جیسا کہ انہوں نے دیا سے محسوس کیا کہ ہندوستان کے مُسلمان انگریزی اطاعت کے بغیر بحیثیت ایک قوم آگے بڑھ سکتے۔ تو برملا اس کا پرچار کیا اور مسلمانوں کو انگریزوں کی اطاعت اور فرمانبرداری لیے تیار کیا۔ اسی طرح جدید تعلیم کے حصول کے لیے ان کی تگ و دو محض اس لیے تھی

تے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان تعلیم کے میدان میں اس قدر پیچھے ہیں کہ اس کمی کو پورا کیے وہ زندگی کے کسی میدان میں بھی آگے نہیں بڑھ سکتے"۔ یہ درست ہے کہ سرسید اور ان معصروں نے مذہبی میدان میں بعض ایسی باتیں بھی کہی ہیں جن کا مسلمانوں پر شدید ردِ عمل اور آج تک اُن باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک کثیر طبقے میں ان کی وہ عزت و ام نہیں ہے جو جدید تعلیم یافتہ طبقے میں موجود ہے۔ مثلاً مولوی چراغ علی جو اپنے علمی کی وجہ سے ہمیشہ سرسید کی نگاہوں میں عزت و احترام سے دیکھے گئے مرزا غلام احمد رح جہاد کے قائل نہ تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بھی مرزا غلام احمد تحریر کیا ہے وہ سرسید احمد خاں کی تحریروں سے مماثلت رکھتا ہے اور اس طرح سرسید احمد ن کے بعض فقہی مسائل پر اختلاف اس قدر شدید ہیں کہ جنہیں ہرگز نظر انداز نہیں کیا لتا۔ لیکن سرسید احمد خاں نے یہ سب کچھ ایک دائرہ کے اندر رہ کر کیا اور تمام جدید فلسفے وجود کسی نئے فرقے کی بنیاد نہیں رکھی۔ اور نہ ہی ملت اسلامیہ کی اساس کو علمی گولہ باری لیے بطور چاندماری استعمال کیا۔ جبکہ مرزا غلام احمد نے عقیدۂ ختم نبوت سے بغاوت ے وحدت ملی کی اس اساس کو پارہ پارہ کرنے کی ناپاک جسارت کی جس پر قیامت تک کے نوں کے اتحاد و اتفاق کا دارومدار ہے جبکہ سرسید احمد خاں نے ملی تشخص کو برقرار نے کے لیے تمام زندگی وقف کردی اور یہی بنیادی فرق ہے جو مرزا غلام احمد اور سید احمد خان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اب اُن کی تعلیمات جدید فلسفے کی وجہ سے ہ کتنی ہی مماثلت و مشابہت رکھتی ہوں لیکن اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے وہ ں الگ الگ راہوں کے مسافر متصور ہوں گے۔ جیسا کہ "موج کوثر" میں شیخ محمد اکرم طراز ہیں۔

سرسید، مولوی چراغ علی اور سید امیر علی کی مذہبی امور میں عام مسلمانوں سے اختلاف کیا لیکن انہوں نے کوئی نیا فرقہ نہیں قائم کیا۔ ان کے طریق کار کو جدید علم الکلام یا نو معتزلہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے مسائل اسلامی کو جدید فلسفے اور علوم کے مطابق ثابت کرنے کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو اسلامی علوم کو فلسفہ یونانی کے مطابق

ثابت کرنے کے لیے دورِ عباسیہ میں معتزلین یا متکلمین نے اختیار کیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سر سید یا ان کے ہم خیال کسی علیحدہ فرقہ کے بانی نہ ہوئے ان کا مقصد اپنی سمجھ کے مطابق عام مسلمانوں کی اصلاح تھا۔ اور اسی لیے انہوں نے اپنے خیالات قوم کے سامنے پیش کیے۔ لیکن ان میں کوئی مجددیت یا نبوت یا ولایت کا دعویدار نہ تھا اور انہوں نے کوئی علیحدہ جماعت بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی زمانے میں ایک صاحب پیدا ہوئے جنہوں نے جدید متکلمین کی بعض باتیں اخذ کیں لیکن جن کی تعلیمات کی امتیازی خصوصیات ان کے ذاتی اور شخصی دعاوی ہیں۔ یہ صاحب قادیانی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد تھے۔" (موج کوثر صہ ۱۷۷)

اسی طرح دوسری جگہ شیخ محمد اکرم تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولوی چراغ علی صاحب سے مرزا صاحب (غلام احمد) کی خط و کتابت تھی اور جہاد کے متعلق وہ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انہوں نے بیشتر سر سید کے خیالات کی پیروی کی لیکن باوجود اُن کی (غلام احمد) کی تعلیمات میں کئی باتیں تو معتزلہ خیالات کے قریب تھیں وہ اکثر اصولی باتوں میں قدامت پسند تھے اور عام مسلمانوں سے ان کے معتقدین بالخصوص قادیانی گروہ کا اختلاف بیشتر مرزا صاحب کے اپنے دعاوی کے متعلق ہے انہوں نے مسیح موعود، مہدیٔ منتظر اور کرشن اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ ایسے دعوے ہیں جن کو عام مسلمان غلط سمجھتے ہیں نبوت کا دعویٰ کر کے اور ایک نیا فرقہ کھڑا کر کے انہوں نے مسلمانوں میں جو اختلاف پیدا کیا اُسے بھی اکثر مسلمان ناپسند کرتے ہیں[۱]۔"

موجِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرم صہ ۱۷۸

۱؎ خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیئے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد اکرم نے یہ الفاظ بامرِ مجبوری بڑے محتاط میں تحریر کیے ہیں۔ ان کی یہ نرم روی کسی حد تک قابلِ اعتراض ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٔ نبوت کوئی ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ جسے محض ناپسندیدگی کہا جائے بلکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ بات اسلام کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے جسے کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ محمد اکرم کی تحریروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سر سید یا اُن کے کسی ہمعصر نے
[غل]ام احمد کی طرح کسی قسم کا کوئی دعویٰ ہر گز نہیں کیا۔ بلکہ وہ ایک محقق کی حیثیت سے مسائل
[اس]لامی کو جدید فلسفے اور علوم کے مطابق ثابت کرنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کیا جو دورِ
[عب]اسیہ کے معتزلین اور متکلمین نے اسلامی علوم کو یونانی فلسفہ کے مطابق ثابت کرنے کے لیے
[اخ]تیار کیا جبکہ دوسری جانب مرزا غلام احمد نے دعویٰ نبوّت کرکے ایک الگ راہ اختیار کی
[جس] کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی نگاہ میں ایک ناپسندیدہ شخصیت قرار دیئے گئے۔ آیئے اب ہم
[د]یکھتے ہیں کہ ایک ہی دور کی یہ دو متضاد شخصیتیں ایک دوسرے کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں

سر سیّد احمد کا خط (دسمبر ۱۸۹۱ء)

یہ اُسی سال کی بات ہے جب مرزا غلام احمد اور ان کی فوج ظفر موج لاہور، لدھیانہ
[او]ر دہلی کے اندر مناظروں کی یدھ رچانے کے بعد واپس قادیان آتی ہے تو علامہ اقبال رحمۃ
[اللہ] علیہ کے استاد مکرّم مولانا سیّد میر حسنؒ نے مرزا غلام احمد اور ان کے دعووں کے بارے میں
[اس] ملک کی اس عظیم ہستی سر سیّد احمد خاں سے مرزا غلام احمد کی بابت رائے طلب کی کہ وہ
[اس] شخصیت کو اس کے دعووں کی روشنی میں کیا پاتے ہیں۔ یہ خط سر سید احمد خاں کے اُن
[خ]طوط میں سے ہے جنہیں اُن کے پوتے سر راس مسعود نے مرتب کرکے چھپوا دیا تھا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

" مخدومی و مکرّمی!

آپ کے نوازش نامہ کا نہایت شکر ہے' پانچ روپے چندہ بھی پہنچا۔ اس کے لیے بھی شکر
ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ تفسیر لکھنے میں حرج پڑ جاتا ہے۔ مگر جب موقعہ ملتا ہے
لکھتا ہوں۔ تفسیر سورۃ یوسف بھی تمام ہوگئی اور چھپ رہی ہے۔

مرزا غلام احمد کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے
بہتر، ہمیں اس سے کیا فائدہ؟ نہ ہمارے دین کے کام کا ہے نہ دنیا کے۔ ان کے الہام
اُن کو مبارک رہے

اگر نہیں ہوتا اور صرف ان کے توہمات اور خللِ دماغ کا نتیجہ ہے تو ہم کو اس سے

کیا نقصان ہے۔ وہ جو ہوں سو ہوں اپنے لیے ہیں۔ میں سنتا ہوں کہ آدمی نیک بخت اور نمازی پرہیزگار ہیں۔ یہی امر اُن کی فروگذاشت کو کافی ہے۔

جھگڑا اور تکرار کس بات کا ہے ان کی تصانیف میں نے دیکھیں وہ اس قسم کی ہیں جیسا ان کا الہام یعنی نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی۔

حکیم نورالدّین کی کوئی تحریر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ دینیات میں کسی کا الہام جب تک شائع نہ تسلیم کرلیا جائے کسی کام کا نہیں۔

تقدیر، علم الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ ماکان اور مایکون علم الٰہی میں موجود ہیں۔ پس کسی الہام میں یا یُوں کہو تقدیر میں کچھ تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتے۔ پس دنیا میں جو کچھ بھی ہوئے یعنی جو تقدیر میں ہے یعنی جو علم الٰہی میں ہے وہ ہوگا۔ پس کسی کے الہام سے کسی کو دُنیا میں کیا فایدہ ہوسکتا ہے۔

پس ایسی بے سود کہ بالفرض اگر سچ بھی ہو تو کچھ فایدے کی نہیں۔ اور اگر جھوٹ بھی ہو تو بھی ہمارے نقصان کی نہیں اس پر متوجہ ہونا اور اوقات ضائع کرنا ایک لغو کام ہے۔"

خاکسار سید احمد

علیگڑھ۔ ۹ر دسمبر ۱۸۹۱ء

مولانا سیّد میر حسنؒ کے جواب میں سرسید احمد خاں نے مرزا غلام احمد کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اُس سے مندرجہ ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ ان باتوں کو صراحت کے ساتھ سرسیّد احمد خاں نے اپنے اس تاریخی خط میں بیان کردیا ہے۔ کہ سرسیّد کے نزدیک:۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعاوی میں سچے ہوں یا جھوٹے دونوں صورتوں میں قابلِ اعتنا نہیں۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات ان کے اپنے دعوے کے مطابق اگر سچے بھی ہوں تو بھی نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے کام کے

۳۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے الہامات۔ توہمات یا پھر اُن کے خللِ دماغ کا نتیجہ ہوں۔

۴۔ مرزا غلام احمد کی تصانیف بیکار محض ہیں جو نہ ہی تو دین کے کام کی ہیں اور نہ ہی دُنیا کے کام کی

۵۔ دین کے بارے میں کسی کا الہام اُس وقت تک قابلِ قبول ہرگز نہیں ہے جب تک اُس کو شارع نہ تسلیم کر لیا جائے اور اگر کسی کو شارع (صاحب شریعت نبی) نہ مانا جائے تو اُس کا الہام کسی کام کا نہیں۔ پس سرسید کے نزدیک اگر مرزا کو صاحب شریعت نبی مانا جائے تو اسلام سے تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور اگر مرزا صاحب کو صاحب شریعت نہ مانا جائے تو پھر یہ سارا الہامات کا دھندہ لغو اور بے فایدہ ہے۔

۶۔ دُنیا کے اندر جو کچھ بھی ہونے والا ہے اب کسی الہام سے اس میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مرزائی پیش گوئیوں کے طومار اور الہاموں کے انبار سب بیکار ہیں۔

۷۔ مرزائیت (سچی ہو یا جھوٹی) کی طرف توجّہ کرنا حماقت ہے اور اس کی تعلیمات پر غور کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

ان تمام باتوں کی تصدیق خود مرزا صاحب کی اپنی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ کہ سرسید احمد خاں کے نزدیک مرزا غلام احمد کی تحریروں کی کوئی وقعت نہ تھی جیسا کہ مرزا صاحب کے ملفوظات میں اس کا ثبوت موجود ہے ملاحظہ فرمایئں۔

"ایک شخص نے بیان کیا کہ سرسید احمد خاں صاحب سے جب ایک دفعہ میری کتابوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اُس نے کہا کہ ان میں ذرہ خیر نہیں۔[۱]"

سرسیّد کے غالباً یہی خیالات تھے کہ جن کی بنا پر مرزا غلام احمد نے بھی سرسید کو اپنی تحریروں میں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ آیئے دیکھیئے کہ قادیانی حضرات اور خود مرزا غلام احمد سرسیّد کو کیا سمجھتے ہیں۔

---

[۱] ارشاد مرزا غلام احمد مندرجہ ملفوظات احمدیہ حصہ ششم صفحہ ۳۶۹۔ مؤلفہ محمد منظور الٰہی قادیانی

پیش گوئی نمبر ۴۳ جو کتاب نزولِ مسیح مصنفہ مرزا غلام احمد صفحہ نمبر ۱۸۱ درج ہے۔ پڑھیئے۔ کہ مرزا صاحب سر سید کے بارے میں کیا تحریر کرتے ہیں۔

"دیکھو ٹائیٹل پیج برکات الدعا مطبوعہ اپریل ۱۸۹۳ء- اس کے بعد ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو لیکھرام بذریعہ قتل فوت ہوگیا اور اُس وقت جب یقینی اور قطعی طور پر مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ میری دُعا کے قبول ہونے پر آسمان پر یہ قرار پاچکا ہے کہ لیکھرام ایک دردناک عذاب سے قتل کیا جائے گا۔ میں نے اسی کتاب "برکات الدعا" میں سید احمد خاں کو جو اپنے باطل عقیدے کی رُو سے دعاؤں کے قبول ہونے سے منکر تھا۔ اس طرف توجہ دلائی اور اُس کے سامنے اپنی دُعا سے لیکھرام کے مارے جانے کی نظیر پیش کی۔ حالانکہ لیکھرام ابھی زندہ پھرتا تھا اور میں نے سر سید احمد خان کو مخاطب کرکے کتاب برکات الدعا میں لکھا کہ لیکھرام کی موت کے لیے میں نے دُعا کی ہے اور وہ دُعا قبول ہوگئی سو آپ کے لیے نمونے کے طور پر یہ دُعائے مستجاب کافی ہے مگر اس تحریر پر ہنسی کی گئی کیونکہ لیکھرام ابھی زندہ اور تندرست اور توہینِ اسلام میں سخت سرگرم تھا اور میں نے اس مراد سے کہ لوگ پیش گوئی کو یاد کرلیں اشعار میں سید احمد خاں کو مخاطب کیا اور وہ اشعار یہ ہیں جو برکات الدعا میں درج ہیں۔

۱۔ روئے دلبر از طلبگاران نمیدارد حجاب | میدرخشد در خور و مے تابد اندر ماہتاب
۲۔ لیکن ایں رُوئے حسین از غافلاں ماند نہاں | عاشقی باید کہ بردارند از بہرش نقاب
۳۔ دامنِ پاکش زنخوت ہائے آید بدست | ہیچ راہی نیست غیر از عجز و درد و اضطراب
۴۔ بس خطرناک است راہ کوچۂ یار قدیم | جاں سلامت بایدت از خود روی ہا سرتتاب
۵۔ تا کلامش عقل و فہم نا سزایان کم رسد | ہر کہ از خود گم شود اُو یابد آں راہ صواب
۶۔ مشکلِ قرآن نہ از ابنائے دنیا حل شود | ذوق آں میداند آں مستی کہ نوشند آں شراب
۷۔ اے کہ آگاہی ندا دندت ز انوار درون | در حق ما ہر چہ گوئی نیستی جائے عتاب
۸۔ از سرِ وعظ و نصیحت ایں سخنہا گفتہ ایم | تا مگر زیں مرہمے بہ گردد آں زخم خراب
۹۔ از دُعا کن چارۂ آزار انکار دعا | چو علاج مے زمے وقت خمار و التہاب

۱۰. ایکہ گوئی کہ دعا ہا را اثر بودے کجا ست — سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب

۱۱. ہاں مکن انکار زیں اسرار قدر تہائے حق — قصہ کوتاہ کن بہ بیں از ما دعائے مستجاب

اسی کتاب نزولِ مسیح کے صفحہ ۱۹۱ پر مرزا صاحب ایک دوسری پیش گوئی ------ جو انہوں نے سر سید احمد خاں صاحب کے بارے میں کی تھی کہ عنقریب انہیں کئی قسم کے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جو اُن کے خیال کے مطابق پوری ہوئی۔ شاید ان مشکلات کا ایک سبب سر سیّد کا وہ خط بھی ہو جو انہوں نے سید میر حسن؟ تحریر کیا تھا۔ بہر حال پیش گوئی ملاحظہ فرمائیں۔

"پیش گوئی نمبر ۴۷

"۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ابتداءً اور ۱۲ مارچ ۱۸۹۷ء میں ثانیاً یعنی بذریعہ اشتہار ایک پیش گوئی شائع کی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سید احمد خاں صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کو کئی قسم کی بلائیں اور مصائب پیش آئیں گی چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اوّل تو آخر عمر میں سید صاحب کو ایک جوان بیٹے کی موت کا جانکاہ صدمہ پہنچا اور پھر مسلمان قوم کا ڈیڑھ روپیہ جو اُن کی امانت میں تھا ان کا ایک معتمد علیہ شریرانہ و خیانت سے ضبط کر کے ان کو ایسا صدمہ اور غم پہنچا گیا جس سے ان کی تمام اندرونی طاقتیں اور قوتیں یک دفعہ سلب ہو گئیں اور جلد انہوں نے راہِ عدم دیکھا۔"

"پیش گوئی نمبر ۴۸

"خداوند علیم و خبیر سے خبر پا کر میں نے اپنے اشتہار ۱۲ مارچ ۱۸۹۷ء میں اس امر کو ظاہر کر دیا تھا کہ اب سید احمد خان صاحب کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کی موت کا وقت قریب ہے۔ افسوس ہے کہ ایک نظر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا۔ سید صاحب غور سے پڑھیں کہ اب ملاقات کے عوض میں یہی اشتہار ہے۔ چنانچہ اس اشتہار کے ایک سال بعد سید صاحب وفات پا گئے۔"

مرزا غلام احمد کی ان پیش گوئیوں کے بعد اب قادیانی لٹریچر سے حرف دو

اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے صورت کھل کر واضح ہو جائے گی کہ قادیانی احمد خاں کے بارے میں کیا نظریات رکھتے ہیں۔

"ایسے لوگ بھی بستے ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود نے آکر کوئی ایسا کام نہیں کیا جن سے ان کی صداقت ثابت ہو سکے جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان سے بہت پہلے سرسید وہی کچھ کر گئے ہیں اس لیے مرزا صاحب کے دعاوی کو قبول کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے اور ہم کیوں کریں۔

اس کے متعلق صرف یہی کہوں گا کہ اگر ایسے لوگ آنکھیں۔ کان اور دل رکھتے تو کبھی اپنے لیے یہ فیصلہ نہ کرتے لیکن افسوس کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے سنتے ہوئے نہیں سنتے اور سمجھتے ہوئے نہیں سمجھتے۔ میں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت مسیح موعود کی وہ خصوصیات بتاؤں گا جن کا حامل سرسید کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس زمانہ تک کا کوئی انسان بھی پیش نہیں کیا جا سکتا اور جن کو دیکھ کر ایک حق پسند اور صداقت شعار انسان نہایت آسانی سے فیصلہ کر سکے گا کہ حضرت مسیح موعود کی کیا شان ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرسید کی تقلید میں بیان کیا ہے وہ وفاتِ مسیح کا مسئلہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سرسید نے اس کا اعلان کیا اور بعد میں مرزا صاحب نے اس کو پیش کر دیا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سرسید نے جس رنگ اور جس طرز سے اس مسئلے کا اقرار کیا ہے اس میں اور جس رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو صاف کیا ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے[1]۔"

---

[1] اخبار الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۱۱۵ ۲۰ مئی ۱۹۱۶ء ماخوذ از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی

دوسری جگہ بیان ہوتا ہے:۔

"اگر فرض کے طور پر ہی مان لیں کہ سر سید نے اسلام کی خدمت کی ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس نے حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا کیونکہ ان کی تمام کوششیں اور سعی جو اس نے اپنے خیال میں اسلام کے متعلق کی وہ اس کے ساتھ ہی اس کی قبر میں دفن ہو گئی اور اس کو فروغ دینے والا آگے کوئی پیدا نہ ہوا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کو دیکھو کہ آپ کی جماعت دن بدن زور و شور سے اس کام کو چلا رہی ہے جو ان کا آقا اپنے ہاتھ سے چلا گیا تھا۔ اور دنیا میں پھر پھر کر غافل لوگوں کو جگا رہی ہے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی وہی طریق اسلام کی اشاعت کا پسند ہے۔ جو اس کے مسیح نے استعمال کیا ہے کیونکہ اسی کو دن بدن فروغ دے رہا ہے۔ اور سر سید کی اگر کوششیں ہوتی تھیں تو اس کے ساتھ ہی چل بسی ہیں[1]"

اور اس طرح قادیانی امت نے سر سید احمد خان سے ان کے خط کا انتقام لے لیا۔

---

[1] اخبار الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۱۱۹ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۱۶ء
ماخوذ از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی

چوتھا باب

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

- ردِ قادیانیت کی جانب
- چھیڑ چھاڑ کی ابتداء
- تحریری مناظرے کا چیلنج (۱۹۰۰ء)
- علمائے ہند کو چیلنج
- پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا جواب
- مرزا صاحب کا مؤقف
- شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسۂ عام (۱۹۰۰ء)
- ابو فیض مولوی محمد حسن فیضیؒ کا چیلنج (۱۸۸۹ء)
- دوسرا چیلنج (۱۹۰۰ء)

" ہندوستان میں انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور وہ مسلمانوں ہی کو انقلاب ۱۸۵۷ء کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ گو مسلمان غیر منظم ہونے کی وجہ سے جنگِ آزادی ہار چکے تھے لیکن ہنوز انگریزوں کو کھٹکا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو کچلنے کے لیے انگریزوں نے جس بربریت کا مظاہرہ کیا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود برطانوی استعمار پرستوں کو اطمینانِ قلب حاصل نہیں تھا۔ یہ کانٹا بدستور ان کے دل میں کھٹک رہا تھا کہ یہ شیر زخمی ہو چکا ہے۔ ایک دفعہ پھر حملہ آور ہو گا۔ انگریز چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو ختم کیا جائے اور ان کے شیرازے کو منتشر کر دیا جائے تاکہ وہ پھر سر نہ اٹھا سکیں۔ لیکن اس آرزو کے اُس وقت تک پورا ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، جب تک مسلمان رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے تھے۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اپنے دَور کے مشہور صوفی بزرگ ہیں۔ جن کا شجرۂ
ب پچیس واسطوں سے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے اور چھتیس ۳۶ سلسلوں سے
امام حسن رضی اللہ عنہٗ سے ملتا ہے۔ آپ کے اسلاف میں سے حضرت پیر سیّد
ن دینؒ اور ان کے چھوٹے بھائی پیر سیّد غلام رسول شاہ اپنے وطن ساڈھورہ شریف
انبالہ (بھارت) سے نقل مکانی کر کے راولپنڈی سے چند میل دُور بمقام گولڑہ شریف
ہو گئے[1]۔ یہ اُن کے بزرگوں کا روحانی فیض تھا کہ وہ بہت جلد گرد و نواح میں مقبول
رجع خلائق بن گئے۔ اور یہ سلسلۂ فیوض و برکات اس چھوٹے سے گاؤں میں آج بھی
ی و ساری ہے۔

مخدوم میراں شاہ قادر قمیصؒ کی بارھویں پشت میں سے ایک صاحب حضرت سیّد عبدالرحمٰن نوری
گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے الٰہی انتقال فرما گئے اور آپؒ کی وصیت کے مطابق آپ
وراد و وظائف کی کتابیں آپ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپؒ کے صاحبزادگان پیر سیّد
ن دینؒ و سیّد غلام رسول شاہؒ کو جب ساڈھورہ میں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ پیدل روانہ
بصرہ پہنچے اور چھ ماہ تک اپنے والدِ ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔ "مخازن النسب"
لکھا ہے کہ ایک روز اوراد و وظائف کی کتابیں خود بخود قبر شریف سے باہر آ گئیں۔ جنہیں
ر یہ دونوں بھائی فریضۂ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے
ئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سیّد روشن دین
ہ کے کمال سے متاثر ہو کر منصب قضا پیش کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کابل سے وطن
یں ہوتے ہوئے سرزمین گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارھویں صدی ہجری کے
ر کی بات ہے جبکہ دہلی کے تخت پر مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی متمکن تھا۔ اور بنگال پر انگریز دل
قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دَور دورہ تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو رہے

حضرت پیر سیّد روشن دین شاہؒ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے دادا پیر سیّد غلام شاہؒ کے والدِ بزرگوار تھے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام پیر سیّد نذر دین ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ آپ کی ولادت ہجری بمطابق ۱۸۱۵ء بمقام گولڑہ شریف ہوئی۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ عین عالمِ شباب تھے آپ کو مخالفین کی سازش سے زندہ جلانے کی ناکام کوشش کی گئی[1] جس سے اس خاندان کو اچھی خاصی شہرت حاصل ہوئی اور یوں یہ گیلانی سادات کا خاندان مخالفین کی خواہشات کے علی الرغم پہلے سے زیادہ مقبول و محبوب ہو گیا۔

تھے اور مرہٹے اور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اس نواح میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ان ہر دو حضرات نے پنجاب کے اس شمال مغربی گوشے کو جائے امن اور اپنے مقاصدِ تبلیغ و ارشاد کے لیے موزوں خیال کرتے ہوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خدام کو اسی جگہ بلوا لیا۔ حضرت پیر روشن دینؒ قبلہ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سیّد غلام شاہ کے والدِ بزرگوار تھے۔"

(مہر منیر، مصنفہ مولانا فیض احمد فیضی صفحہ ۵۱-۵۲)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] "حضرت قبلہ عالم (پیر مہر علی شاہؒ) فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں حضرت اجّی صاحب (پیر سید نذر دین والدِ ماجد پیر مہر علی شاہ پوٹھواری زبان میں والد کو اجّی کہتے ہیں) شب و روز یادِ الٰہی اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ہی سکھوں کا محلہ تھا۔ جہاں سکھ قلعدار کی ایک رشتہ دار لڑکی بد چلنی کے الزام میں حاملہ پائی گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مخالف نے صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعدار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپ کو گرفتار کرا کر زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس الزام و سزا کے خلاف قرب و جوار کے مسلمانوں کے وفد سکھ سردار کے پیش ہوئے تو اس نے کہا سجادہ صاحب فوراً آکر یقین دلائیں کہ لڑکا بے گناہ ہے۔ سجادگی پر اس وقت اجّی صاحب کے ماموں سیّد فضل دینؒ رونق افروز تھے۔ آپؒ نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ اسے کہہ دو کہ

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ ہجری بمطابق ۱۸۹۵ء
روز سوموار گولڑہ شریف میں ہوئی۔ حضرت نے اپنی ابتدائی تعلیم قرآن پاک اور فارسی
پڑھنے سے شروع کی اور خداداد قابلیت اور ذہانت کے بل بوتے پر بہت جلد ابتدائی تعلیم
کے مراحل طے کر لیے۔ جس کے بعد ہندوستان کے مشہور و معروف دینی مدارس کی طرف اعلیٰ

لے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لیے اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دن پہلے مواضعاتِ میرا بادیہ، دمیرا اکو وغیرہ کے مسلمانوں نے اجتماع
کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحبؒ نے اطراف و جوانب میں پیغام بھجوا کر
اطلاع کرا دی کہ جو کوئی ایسا قدم اُٹھائے گا اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ لوگ رُک گئے
سزا والے دن علی الصبح ہی ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اس
کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دور ندی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ عورتوں
آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دیا کہ ہمارے پیرزادے کو ان کے ساتھ تول کر
اور وصول کر لو۔ اور انہیں رہا کر دو مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اُس زمانے کے دستور کے مطابق
عبرتِ عامّہ کے لیے سزائے موت شارعِ عام پر دی جاتی تھی۔ اس لیے ایک کھلی جگہ لکڑیاں چُن
کر چتا تیار کی گئی اور فوج نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

یہ بدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اُس رات آپ صاحب کو حضرت غوث الاعظم کی زیارت
نصیب ہوئی جنہوں نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے گھر میں جو نیا لباس موجود ہے
پہن کر دو نفل نماز ادا کریں۔ چنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لیے پانی
دیا اور گھر سے لباس بھی منگوا دیا۔ جو آپؒ نے پہن کر نماز دوگانہ ادا فرمائی اور چتا پر جا کر
بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل لگا کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر لاکھ جتن کے باوجود آگ نہ لگی
دیکھ کر الزام لگانے والے شخص نے کہ سپاہی پیر دں سے مل گئے ہیں اس لیے دانستہ ہیرا پھیری
کر رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اس نے حضرت کے کپڑوں اور لمبے لمبے
گھنگھریالے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں خشک بھوسے ڈال کر جلائے۔ اور جب شعلے

تعلیم کے لیے رجوع کیا۔ سب سے پہلے آپ کانپور گئے۔ جہاں مولانا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات ہوئی۔ آپ چونکہ ان دنوں حج کے لیے روانہ ہونے والے تھے اس لیے انہوں نے اپنے استادِ محترم جناب مولانا لطف اللہ علیگڈھی کے پاس بھیج دیا چنانچہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے انہی بزرگ سے عرصہ ڈھائی سال تک تعلیم حاصل کی جس کے بعد آپ سہارن پور تشریف لے گئے۔ اور مولانا احمد علی سہارن پوری سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ جو حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کے شاگرد تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ۱۲۹۵ ھجری بمطابق ۷۷۔ ۱۸۷۶ء میں حصول کے بعد واپس وطن تشریف لائے اور اپنے آپ کو درس و تدریس میں مشغول کرلیا۔ اس سے پہلے حصول تعلیم کے دوران چونکہ آپ کو اپنے استادِ محترم جناب حافظ سلطان محمود کے ہمراہ کئی مرتبہ سیال شریف تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا جس سے آپ حضرت شمس الدین سیالوی کے روحانی مرتبے کو اچھی طرح پہچان چکے تھے۔ حضرت شمس الدین

بلند ہونے لگے تو اس برتن کو آپ کے تیل میں تر بتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شعلے لپکتے رہے اور ان کی حرکت سے حضرت کے بال لہراتے رہے لیکن انہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اس جلتے ہوئے بنولوں کو آپ کے تیل میں تر اور کپڑوں پر الٹ دیا۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کا اثر قبول کیے ہوئے لکڑیوں پر جا گرے اور بجھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپ کی بے گناہی کا غوغا اٹھا اور قلعدار نے حکم دیا کہ مخبر کو گرفتار کر کے اسی چتا پر جلا دیا جائے اور خود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرت سے معافی کا خواستگار ہوا۔ کہ آپ واقعی بے گناہ ہیں۔ میں نے اس برے آدمی کے کہنے پر آپ پر ناحق ظلم کیا۔"

ماخوذ از مہرِ منیر مصنفہ مولانا فیض احمد فیضی صہ ۵۶-۵۵

...بھی آپ سے خاص شفقت فرماتے تھے اس لیے ہندوستان سے جب آپ فارغ التحصیل
...پس وطن پہنچے تو سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ
...زین سیالوی سے بیعت کر لی۔ جبکہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ اپنے ہی اسلاف
...ت حق پرست پر بیعت تھے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ آپ
...شتیہ صابریہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ مولانا محمد قاسم
...اور مولانا رشید احمد گنگوہی بھی حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہی سے بیعت تھے۔
...ں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں تھانہ بھون کے علاقہ میں اپنے پیر و مرشد
...ر باقاعدہ جہاد بالسیف میں حصہ لیا۔ یوں حضرت مولانا قاسم نانوتوی بانی مدرسہ
...م دیو بند اور مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے پیر بھائی
...ے۔

...دیانیت کی جانب :۔

...۱۸۹۰ء کا واقعہ ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب بغرض ادائیگی حج بیت اللہ
...ے گئے اور آپ نے حجاز مقدس میں سکونت پذیر ہونے کا مکمل ارادہ فرما
...یہاں پر جب آپ کی ملاقات حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ہوئی تو آپ
...ت کی بنا پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو آگاہ کیا کہ عنقریب سرزمین ہند
...عظیم فتنہ ظاہر ہونے والا ہے۔ ایسے میں آپ ہندوستان میں زیادہ بہتر خدمات
...دے سکیں گے۔ کیونکہ اُس وقت اگر آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی رہے
...ں کے علماء اس فتنے سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت
...داد اللہ مہاجر مکیؒ کی خواہش کے مطابق واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔
...ایک سال بعد یعنی ۱۸۹۱ء میں مرزائے قادیان نے دعویٰ نبوت کیا جو بعد میں
...ان کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ ثابت ہوا جس کی جانب حضرت حاجی
...لد مہاجر مکیؒ نے ایک برس پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا۔

"مہرِ منیر" کے مصنف مولانا فیض محمد فیضی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۳ پر
میں چند اور باتیں تحریر فرمائی ہیں جنہیں نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

• "ملفوظاتِ طیّبات" میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ (پیر مہر علی)
نے فرمایا کہ عالمِ رویا میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے مرزا غلام احمد قادیانی
تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی
کُتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو"

"ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کی ایک خود نوشت
آپ کے قدیم مسوّدات میں موجود پائی گئی ہے۔ جس کا متعلقہ حصہ ذیل میں درج
ہے (اس تحریر کی اصل کا عکس بالمقابل صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

"در ایام ارادۂ اجابتِ دعوتِ مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہراً الغرضِ تحقیق حق
بذریعہ اشتہارات نموده بود۔ ایں نعمتِ عظمیٰ مشرف شدم درحالتے کہ
چشمانِ خود بندہ نموده بحالتِ بیداری در حجرۂ تنہا نشستہ بودم کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلّم را دیدم کہ بر ہیئت قعدہ جلوس فرما ہستند و بفاصلہ چہار
بالشت ایں آثم تر یہ ہماں ہیئت بالمقابل بمحاذاۃ تامہ مثل جلوس مرید بحضور
شیخ حاضر است و غلام احمد بعید تر ازیں مکان رو بمشرق و پشت کردہ
بجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نشستہ است، بعد ازیں رؤیت یہ لائق
بعد احباب رسیدم حسب وعدۂ مؤکدہ خود (بمثل لعنۃ اللہ علی من تخلف
وابی) تخلف ورزید و بہ لاہور نیامد"

ترجمہ:۔ جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے
اشتہارات کے ذریعے دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ
کر رہا تھا۔ مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے حجرہ میں بحالت
بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا۔ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے

صلہ پر اسی حالت میں باادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح
مقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اُس جگہ سے دُور مشرق کی طرف مُنہ کیئے اور
حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف پُشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رویت کے
میں بمع احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے تاکیدی وعدہ سے (مثل انکا
نے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"
یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو عالمِ رویا میں خود آنحضرت
علیہ وسلم کی جانب سے اس امر کا اشارہ ہو چکا تھا کہ مرزا غلام احمد احادیث
نت کر رہا ہے اور تمہیں اس کی جانب توجہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت پیر مہر علی
اس میدان میں سب سے پہلے جو اہم قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ ایک رسالہ بعنوان
ہدایت" تحریر فرمایا جو ۱۸۹۹ میں شائع ہو کر تمام ہندوستان میں تقسیم ہوا جسے
ضرات نے خوب پسند فرمایا۔ اس رسالے میں نزولِ مسیح اور حیاتِ مسیح پر حضرت
شاہ صاحب نے انتہائی علمی انداز میں تبصرہ فرمایا اور ثابت کیا کہ قرآن و حدیث
میں حضرت مسیح علیہ السّلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں
یا میں تشریف لا کر اپنے فرائضِ منصبی کو سرانجام فرمائیں گے۔ نیز تحریر فرمایا کہ
میہ کے اجتماعی اور متفقہ عقیدے کے مطابق مرزا غلام احمد کا دعویٰ مسیحیت
باطل ہے۔
ر مہر علی شاہ نے جہاں شمس الہدایت کو ہندوستان کے مقتدر علمائے کرام کی
میں ارسال کیا وہاں ایک رسالہ مرزا غلام احمد کو بھی بھیجا جس سے قادیان میں
ر برپا ہو گیا۔ مرزا غلام احمد کی امت نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس رسالے کی
عت کے ساتھ ہی ملک کے طول و عرض میں مرزا غلام احمد کے عقاید کے خلاف
ل مچ گئی اور یہ معاملہ اس حد تک آگے بڑھا کہ خود مرزا غلام احمد کو اس معاملے
توجہ دینا پڑی۔
بلیئے تو یہ تھا کہ مرزا غلام احمد کی جانب سے اُن دلائل اور عقاید کا جن کو احادیث

کی روشنی میں پیر مہر علی شاہ صاحب نے باطل قرار دیا تھا دفاع کیا جاتا اور یہ ثابت کیا جا
عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ علمائے اسلام کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے
اور اس کے مقابلے میں صحیح بات وہ ہے جس کا میں دعویٰ کرتا ہوں۔ نیز میرے عقا
وفاتِ مسیح، میرا مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونا اور میرا دعویٰ نبوت قرآن و حدیث
میں صحیح اور درست ہے نیز مجھے اور میرے تسلیم کرنے والوں کو خارج از اسلام
قرآن و احادیث کی رُو سے صحیح اور درست نہیں ہے لیکن اس کے برعکس ان تمام حق
نظر انداز کر کے ایک فضول اور لایعنی بات کا چیلنج پیر مہر علی شاہ صاحب کو دیا
آؤ اور میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔ حالانکہ عربی میں تفسیر نو
مقابلہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کے لیے کوئی معیاری بات نہ تھی کیونکہ یہ حقیقت
بعض غیر مسلم عرب فضلاء کی تصانیف بھی فصاحت و بلاغت کے میدان میں اعلیٰ
کی تسلیم کی جا چکی ہیں اور اس طرح کئی غیر مسلم بھی قرآن مجید کے مفسر اور حافظ ہو
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی نویسی رسالت اور مجددیت کا معیار نہیں ہو سکتی تھی

لیکن مرزا صاحب کا یہ چیلنج تو تھا ہی اس لیے کہ ان اصل حقائق سے لوگوں کی
ہٹا کر ایک ایسے کام کی طرف مبذول کرا دی جائے کہ جس سے اُن کے غلط دعوے
پر لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو جائیں اور اس طرح وہ اپنے میدان میں بلا روک ٹوک
کام جاری رکھ سکیں۔ لیکن قربان جائیے ان اللہ والوں کے جو باطل کی ہر سازش کو اپنی
طاقت کے ذریعے سے بھانپ لیتے ہیں اور باطل پرستوں کو اپنے ان حیلوں میں کام
ہونے دیتے جو وہ اپنی کامیابی کے لیے تراش لیتے ہیں۔ پیر مہر علی نے جیسا کہ آپ
والے صفحات میں پڑھیں گے۔ تحریری مقابلہ سے پہلے تقریری مقابلہ کی قید لگا کر م
کی اس عیاری کا منہ توڑ جواب دیا جس سے مرزا صاحب کی وہ سازش جو وہ پیر مہر
صاحب کے دلائل سے بچنے کے لیے کرنا چاہتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے
شمس الہدایت میں کیا تھا ناکام ہو کر رہ گئی۔

چھیڑ چھاڑ کی ابتداء

پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اشارے اور
ت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اس فتنہ سے پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے کہ
ر میں غلام احمد کی جانب سے چھپا ہوا ایک دعوت نامہ مرزا صاحب کے ایک پیرو
بد الکریم سیالکوٹی کی جانب سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو موصول ہوا جس کا
کچھ یوں تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور ہندوستان میں احیاء دین اور عروج اسلام
مامور کیا گیا ہوں آپ اس کام میں میری مدد کریں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ نے جواب
ا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ آپ جب
مسلموں سے ہی اپنی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں تو بہتر ہے۔ چند دنوں کے بعد مرزا غلام احمد
سے ایک اور اعلان شائع ہوا جس میں ہندوستان کے تمام درویش صفت بزرگوں
نشین صوفیائے عظام کو ایک چیلنج دیا گیا۔ در اصل یہ چیلنج کھسیانی بلی کھمبا نوچے
مذاق اُس وقت شائع کیا گیا۔ جب مشائخ عظام اور سجادہ نشین حضرات میں سے
ی مرزا غلام احمد کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔ مرزا صاحب کی یہ انتہائی خواہش تھی
ہ نشین کو اپنے ساتھ لے کر ان کے حلقۂ اثر میں نام پیدا کیا جائے لیکن جب اس میں
ئی تو جھنجھلا کر یہ چیلنج دے ڈالا جو اس وقت کے اخبار "ایام الصلح" میں چھپا:۔

اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں
بلا تنبیہ اور بلا کسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو! تم میں بعض لوگ محدثیت
اور مقربیت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض از راہ ناز زمین پر پاؤں
بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم مارتے ہیں اور چشتی، قادری، نقشبندی
ور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تو لاؤ۔"

اس چیلنج کے بعد پیر مہر علی شاہ صاحب نے رسالہ "شمس الہدایت فی اثبات حیات
شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کیا جس کا تذکرہ پچھلے صفحات پر ہو چکا ہے۔ جس پر

مرزا غلام احمد نے پیر صاحب کو وہ تاریخی چیلنج دیا جو درج ذیل ہے:۔

تحریری مناظرے کا چیلنج (۱۹۰۰ء)

۲۲ر جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے شمس الہدایت کے جوا
کی بجائے تحریری مناظرہ برائے عربی تفسیر نویسی کا چیلنج دیا جس کی عبارت یہ

" پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جو سخت مکذّب ہیں اُن کے ساتھ ایک طریق فیصلہ
مع اُن علماء کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں درج ہیں[1]۔

یہ صاحب جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈ
کے سجادہ نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں وہ اپنی رسمی مشیخیت کے غرور سے اس
خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح سے اس سلسلۂ آسمانی کو مٹا دیں۔ چنانچہ اسی غ
سے اُنہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن و حد
سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پس
اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرۂ لغویات میں ایک بھی ایسی با
پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف ا
دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسما
سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخر

---

[1] پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جاہل
قرآن اور علم عربیت سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ پھر تفسیر قرآن مجید اور بلاغ
میں کیا مقابلہ کریں کیونکہ اگر وہ جاہل ہیں تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں۔ اور مراتب سلو
مرتبہ کشف القرآن کیوں رکھا ہوا ہے ماسوا اس کے کہ جب یہ مقابلہ خوارق عادات کے
تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا دعویٰ ہے۔ (م

زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے ۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے اُلٹے معنے کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ قدیم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب آیت ۳۸۔ اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے سورہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر میں اور نیز آیت ذِکْرًا رَّسُوْلًا میں۔ لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح ان کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ ایسا ہی ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے۔ بلکہ اس جگہ تو ایک براق بھی ساتھ تھا۔ مگر کس نے آنحضرت کا چڑھنا اُترنا دیکھا اور فرشتوں اور براق کو دیکھا؟ ظاہر ہے کہ منکر لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور نہ اُترتے دیکھ سکے اس لیے انہوں نے شور مچا دیا کہ معراج جھوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو آسمان پر چڑھتا یا اُترتا نظر نہ آیا تو کیا مسیح اترتا نظر آجائے گا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ کیا ابوبکرؓ نے سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اُترتے دیکھا؟ یا عمر فاروقؓ نے اس مشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰ نے اس نظارے سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے مع فرشتوں کے اُترتا دیکھو گے۔ خود قرآن ایسی رویت کا مکذب ہے۔

تتمہ اشتہار ہٰذا اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اس علامت کا منتظر رہنا کہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اُترتا نظر آئے گا تبھی ہم اس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے بلا شبہ یہ مشاہدہ محال ہے اور اگر جائز ہوتا تو ضرور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں چڑھتے اور اُترتے دکھائی دیتے پس جو امر محال سے متعلق ہے وہ بھی محال اور باطل ہے (منہ)

سوائے مسلمانو کی نسل! ان خیالات سے باز آجاؤ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے اور کسوف خسوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گذر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے مجدد پیدا نہ ہوا۔ خدا سے ڈرو اور ضد اور حسد سے باز آجاؤ۔ اُس غیور سے ڈرو جس کا غضب کھا جانے والی آگ ہے۔ اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک سہل طریقہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راستباز بندے ہیں ان کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے :-

(۱) اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق یعنی ما بہ الامتیاز رکھا جاتا ہے اس لیے مقابلے کے وقت بعض امور خارق عادت اُن سے سرزد ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ آیت ویجعل لکم فرقانا اس کی شاہد ہے۔

(۲) ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا۔ جیسا کہ آیت لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اس کی شاہد ہے۔

(۳) ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور جو صدر مقام پنجاب ہے۔ صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیات یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اوّل تو یہ دعا کریں کہ یا الٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور

معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما۔ اور رُوح القدس سے اس کی مدد کر[۳]۔ اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اُس سے یہ توفیق چھین لے۔ اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے۔ تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ تو کس کے ساتھ ہے۔ اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تائید سے محروم ہے[۴]۔ پھر اس دُعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار۔ اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چپکے چپکے بغیر آواز سُنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تاکہ اس کی فصیح عبارت کے سُننے سے دوسرا فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقہ نہ کرسکے اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو

حاشیہ اشتہار[۳] پیر مہر علی اپنی کتاب "شمس الہدایت" کے صفحہ ۱۸ پر یہ لاف زنی کرچکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی لیکن اب تو وہ ان دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں ؎

ندارد کسے با تو گفتہ کار
ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار (منہ)

حاشیہ اشتہار[۴] یاد رہے کہ ہر ایک نبی یا رسول یا محدّث جو نشان اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہے وہی نشان اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارِ صدق و کذب ہوتا ہے مگر منکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کبھی شاذونادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن ہی نشانوں کے ساتھ حجت پوری کرتا ہے جو خود بغرض تحدّی پیش کرتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ (منہ)

پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا۔ نہ کسی پردہ میں ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلّی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کرے اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹے کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے رُو برو ختم کرنا ہوگا اور جب فریقین لکھ چکیں تو دونوں تفسیریں اور دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمے ہوگا سنائی جائیں گی اور اُن ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے لکھی گئی ہے اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں کوئی نہ اس عاجز کے سلسلے میں داخل ہو اور نہ مہر علی شاہ کا مرید ہو اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولوی عبد اللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں[ف] مگر یہ ضروری ہوگا کہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجے پر اور تائید الٰہی سے ہے لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیئے جس کا ذکر قرآن میں قذفِ محصنات کے باب میں ہے جس میں تین دفعہ قسم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس[۲] ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صدہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں[۲] پس اس طرز کے مباحثہ اور

حاشیہ اشتہار[ف] یہ اس شرط سے کہ مولوی محمد حسین وغیرہ اس دعوت سے گریز کر جائیں جو ضمیمہ اشتہار میں درج ہے (منہ)

حاشیہ اشتہار[۲] کافی ہوگا جو بیس[۲] ورق کا اندازہ اُس قرآن کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب دہلوی نے چھپوایا ہے۔

اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہوگیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا۔ یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کر دوں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبت شہادت بیس گواہوں کے اس وقت لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی اور نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورۂ قرآنی سے کچھ لکھ سکے۔ یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہوگا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابل شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفریں کریں۔ کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اگر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی دعا کریں اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں اس لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔

غرض یہ طریق فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں متذکرہ بالا جو صادق کے لیے قرآن میں ہیں ثابت ہو جائیں گی یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے

بجز ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ فریق غالب کا وہ مابہ الامتیاز ثابت ہوگا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف لکھنے سے وہ علامت متحقق ہو جائے گی جو آیت لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ کا منشا ہے اور دُعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے۔ فریق غالب کا حسب آیت اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مومن مخلص ہونا بپایہ ثبوت پہنچے گا اور اس طرح پر یہ اُمت تفرقہ سے نجات پا جائے گی۔ چاہیئے کہ اس اشتہار کے وصول کے بعد جس کو میں رجسٹری کرا کر بھیجوں گا مہر علی شاہ صاحب دس دن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں ؎۔ لیکن ضروری ہوگا کہ یہ اطلاع ایک چھپے ہوئے اشتہار کے ذریعے سے ہو جس پر میرے اشتہار کی طرح بیس۲۰ لوگوں کی گواہی ہو اور بحالت مغلوبیت اپنی بیعت کا اقرار درج ہو۔

یاد رہے کہ مقام بحث بجز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہوگا۔ تا اُسی جگہ حاضر ہو جاؤں اگر میں حاضر نہ ہُوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی ؎ تو بعض پولیس کے افسر بلائے جائیں گے۔ ھذا ما ارانی ربی رب السموٰت العلی فادعوك یا قوی علی بصیرة من ربّی ولعنة الله علی من تخلف منا وابی والسّلام علی من اتبع الهدیٰ۔ تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم وَاتقوا الله الذی یسمع ویریٰ

(المشتہر خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء)

حاشیہ اشتہار ؎ دس دن تک پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے شائع ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن بہ لحاظ ضمیمہ اس اشتہار کے تمام علماء کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعت اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہوگا (منہ)

حاشیہ اشتہار ؎ اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دستکش ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی (منہ)

گواہانِ میرزا

تحریری مناظرے کے اس تاریخی دعوت نامے کے نیچے جن ممتاز قادیانیوں کے نام مرزا صاحب کی طرف سے درج ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

مولوی حکیم نورالدین صاحب۔ مولوی محمد احسن امروہی۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی۔ مولوی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی مرزا خدا بخش صاحب مصاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ۔ حکیم شاہ نواز صاحب راولپنڈی۔ ماسٹر مولوی شیر علی صاحب بی اے ہیڈ ماسٹر ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی۔ صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سرساوی اولاد چار قطب۔ میر ناصر نواب صاحب گورنمنٹ پنشنر دہلوی حال قادیان۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب ایف اے سیکنڈ ہیڈ ماسٹر ہائی سکول قادیان۔ سید فضل شاہ صاحب ٹھیکیدار مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جہلم۔ مولوی قطب الدین صاحب کمپونڈر شفاخانہ قادیان۔ مولوی محمد فضل صاحب چنگوی۔ مولوی عبداللہ صاحب کشمیری۔ مولوی حافظ احمد اللہ خان صاحب مدرس ہائی سکول قادیان۔ مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس شیخ عبدالرحیم صاحب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان۔

اشتہار بازی

آپ نے مندرجہ بالا اشتہار پڑھا اس اشتہار سے مجموعی تاثر جو قائم ہوتا ہے وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مرزا صاحب فن اشتہار بازی میں یدطولیٰ رکھتے تھے اور اس ساری کارروائی کا مقصد سوائے اپنی شہرت کے اور کچھ نہ تھا۔ مرزا صاحب نے اپنی تحریکِ قادیانیت کی ابتداء ہی اشتہار بازی سے کی۔ پنڈت دیانند سرسوتی سے اشتہار بازی ہوئی جس کی وجہ سے ایک خاص حلقے میں متعارف ہوتے ہوئے اپنے مامور من اللہ ہونے کا اعلان اخبارات میں اشتہار کے ذریعے کیا۔ غیر مسلموں سے مناظرے اشتہار بازی سے ہوتے ہوئے اپنے مجدد ہونے کا

اعلان اور شرائطِ بیعت، اس کے بعد وہ خاص اشتہار جو براہینِ احمدیہ کے ضمن میں مرزا صاحب نے شائع کرایا اس بارے میں آپ اوراقِ گذشتہ میں پڑھ چکے ہیں کہ کس ہوشمندی سے اسے مرتّب کیا گیا اور بڑے بڑے والیانِ ریاست کے نام اسے ارسال کر کے ایک خطیر رقم بطور چندہ طلب کی گئی۔ اس کے بعد جب مناظروں کا دورِ ثالث شروع ہوتا ہے جس میں مرزا صاحب مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے پَر تولتے نظر آتے ہیں۔ اس سارے دَور میں بھی مرزا صاحب کی جانب سے اشتہار بازی اپنے عروج پر رہی۔ علمائے لدھیانہ کو چیلنج کیا جاتا ہے تو کبھی علمائے دہلی سے مقابلے کی آنکھ مچولی کھیلی جاتی ہے اور اس سارے ڈرامے میں مقصد پر نگاہ مرزا صاحب کا وہ کمال ہے کہ جس کے اپنے تو اپنے بیگانے بھی معترف نظر آتے ہیں اور یہ مقصد شہرت حاصل کرنا ہے۔ مرزا صاحب خوب سمجھتے تھے کہ اگر اس شور و غل سے ایک صد آدمی متوجہ ہوں تو اس میں سے کم از کم دس پندرہ ہر حال میں متاثر ہو کر قریب آئیں گے یہاں پر بھی پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی عظیم شخصیت کو چُنا گیا تاکہ پورے ہندوستان میں اس کا چرچا ہو اور پھر اپنی شہرت کے لیے اس وقت کے مقتدر علمائے اسلام اور صوفیائے عظام کو بھی ساتھ ہی چیلنج دے ڈالا۔ مرزا صاحب کو اس بات کا علم تو تھا ہی کہ ایسے اشتہاروں کے بعد مناظرہ تو خواہ وہ تحریری یا تقریری اُس وقت ہوگا جب میں گھر سے اس غرض کے لیے باہر نکلوں گا۔ کم از کم اور کچھ نہیں تو چرچا تو لازمی ہوگا اور اس چرچے سے اگر چالیس پچاس آدمی مخالف ہوں گے تو کم از کم بیس پچیس آدمی حلقۂ اثر میں بھی ضرور آئیں گے یا کم از کم متوجہ ضرور ہوں گے جیسا کہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ اس مناظرہ کے لیے جس کے لیے اتنی اشتہار بازی کی گئی اور ہندوستان بھر کے ۸۶ کے قریب علمار کو اس چیلنج مناظرہ میں ملوث کیا گیا وہ بالآخر نہ ہو سکا اس لیے کہ مرزا صاحب قادیان سے لاہور تشریف ہی نہ لائے۔ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

کے مصداق اتنی ہنگامہ آرائی کے بعد مرزا صاحب کا لاہور مناظرے کے لیے نہ آنا اُن کی

پرانی تکنیک کا اہم خاصہ ہے جو انہوں نے عمر بھر اختیار کیئے رکھی۔

علمائے ہند کو چیلنج :۔

جو دعوت نامہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وصول ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ضمیمہ دعوتِ اشتہار بھی تھا جس میں مناظرے کے لیے بعض شرائط کی جانب مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کی توجہ دلائی تھی اور اس ضمیمہ میں جو خاص بات تھی وہ یہ کہ پورے ہندوستان سے متقدر علمائے کرام کو بھی پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی چیلنج دے دیا۔ اس کے لیے جو جواز مرزا صاحب نے پیش کیا وہ قارئین کی دلچسپی کے لیے اُن ہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ جو انہوں نے اس تاریخی دعوتِ مناظرہ کے ضمیمہ میں تحریر کیا تھا۔

"پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزارہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں اور حقائق و معارفِ دین میں اور علومِ ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں اسی وجہ سے میں نے اس امتحان کے لیے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے تاکہ اُن کے مقابلے سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اس کے مرسلین اور مامورین کی ایک خاص علامت ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماء ناحق شیخی سے خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے میں اور زبان عربی کے علم ادب میں پیر صاحب موصوف پر فوقیت رکھتے ہیں یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ عذر پیش کر دیں کہ پیر صاحب موصوف کا مغلوب ہونا ہم پر حجت نہیں ہے اور اگر ہمیں اس مقابلے کے لیے بُلایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے اس لیے قرینِ مصلحت ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مقابلے سے باز نہ رکھا جائے اور خود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اُسی قدر الٰہی نشان کی عظمت بڑی قوت اور سطوت سے ظہور میں آئے گی اور یہ ایک ایسا

زبردست نشان ہوگا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہُوا نظر آئے گا اور ممکن ہے کہ اس سے بعض نیک دل مولویوں کو ہدایت ہوجائے اور وہ اس الہٰی طاقت کو دیکھ لیں جو اس عاجز کے شامل حال ہے۔ لہٰذا اس ضمیمے کے ذریعے سے پنجاب اور ہندوستان کے تمام اُن مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے کہ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم تفسیر قرآن اور عربی کے علم ادب اور بلاغت فصاحت میں سرآمدِ روزگار ہیں۔

اس ضمیمہ میں شرائط کی تفصیل کے بعد آخری حصے میں یوں تحریر ہے:۔

"اب میں ذیل میں اُن حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مقابلے کے لیے بشرطِ شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرطِ جمع چالیس بلائے گئے ہیں اور اگر ان کے سوا، اہلِ پنجاب یا ہندوستان میں سے یا اُن عربوں میں سے جو زیرِ ظل برٹش انڈیا ہوں۔ اس ملک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں جو مکذّب ہوں۔ وہ بھی اس اشتہار میں ایسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ۔"

ضمیمہ کے حاشیہ نمبر ۳ میں کچھ مراعات کا بھی ذکر ہے مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"اگر مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں یہ عذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فتح یاب ہوگئے تو کرایہ آمد و رفت اُن کو دے دوں گا" (منہ)

اب ذرا اُن خوش قسمت علمائے کرام کے نام ملاحظہ فرمائیں جنہیں مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے اس مناظرے میں بطور پارٹی شرکت کی دعوت دی گئی۔

۱۔ مولوی محمد لدھیانوی رح

۲۔ مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانوی برادر مولانا مولوی محمد لدھیانوی صاحب رح

۳۔ مولوی محمد حسین رئیس لدھیانہ

۴۔ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی مدرس لدھیانہ

۵۔ مولوی شاہ دین مفتی لدھیانہ

۶۔ مولوی معظم دین مرولہ والا ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور

۷۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی معرفت میاں محمد چٹو لاہور

۸۔ مولوی غلام حسین سیالکوٹ

۹۔ مولوی محمد خلیل احمد انبیٹھہ ضلع سہارن پور

۱۰۔ مولوی شاہ محمد حسین صابری محب اللّٰہی سنبل مراد آباد

۱۱۔ مولوی نذیر احمد خان سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدر آباد

۱۲۔ مولوی عبداللطیف امروہی مدرس اودے پور میواڑ راجپوتانہ

۱۳۔ مولوی ولی محمد جالندھری ساکن تپارہ

۱۴۔ قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور

۱۵۔ مولوی شیخ عبداللہ ساکن چک عمر تحصیل کھاریاں گجرات

۱۶۔ مولوی محمد حسین مفسر ساکن امروہہ محلہ ملانا ضلع مراد آباد یوپی

۱۷۔ مولوی عبدالغفار مفتی ریاست گوالیار

۱۸۔ مولوی عبداللہ محلہ کھڈہ کراچی

۱۹۔ مولوی احمد حسن مدرس پانواڑی امروہہ ضلع مراد آباد

۲۰۔ مولوی قاسم شاہ سیلفی مجتہد لاہور

۲۱۔ مجتہد صاحب لکھنؤ

۲۲۔ مولوی عنایت شیعی سامانہ ریاست پٹیالہ

۲۳۔ مولوی سکندر صاحب شہر میسور

۲۴۔ مولوی لطف اللہ صاحب قاضی القضاۃ حیدر آباد

۲۵۔ مولوی نذیر حسین انبیٹھہ سہارن پور

۲۶۔ مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھاناں ضلع راولپنڈی

۲۷۔ مولوی محمد حسین موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم

۲۸۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری

۲۹۔ مولوی کلیم اللہ مچھیانہ گجرات

۳۰۔ مولوی محمد اسحاق اجرادری پٹیالہ

۳۱۔ مولوی نذیر حسین دہلوی یا جس کو وہ اپنا وکیل مقرر کریں۔

۳۲۔ مولوی تلطف حسین دہلوی

۳۳۔ مولوی کرامت اللہ محلہ باڑہ صدر بازار دہلی

۳۴۔ مولوی فضل دین گجرات پنجاب

۳۵۔ مولوی عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی

۳۶۔ علمائے دارالعلوم ندوہ (جس عالم کو وہ وکیل بنائیں)

۳۷۔ مولوی منشی سلیمانؐ ملازم ریاست پٹیالہ مؤلف "غایت المرام"

۳۸۔ مولوی مسیح الزمان شاہجہان پور یا وہاں کا کوئی جو عالم بھی ہو

۳۹۔ مولوی محمد صدیق دیوبندی حال مدرس بچھرایوں مراد آباد

۴۰۔ مولوی محمد شفیع قصبہ رام پور ضلع سہارن پور

۴۱۔ مولوی محمد شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڈھ کالج

۴۲۔ مولوی دیدار علی مسجد دائرہ ریاست الور

۴۳۔ شیخ خلیل الرحمٰن سرساوہ۔ سہارن پور سجادہ نشین چار قطب ہانسوی

۴۴۔ مولوی نظام الدین قاضی مالیر کوٹلہ

۴۵۔ شیخ اللہ بخش تونسوی سنگھڑ مع جماعت علماء

۴۶۔ مولوی عبداللہ ٹونکی پروفیسر

۴۷۔ قاضی ظفرالدین پروفیسر

۴۸۔ مولوی عبدالحکیم پروفیسر

۴۹۔ مولوی عبداللہ ساکن چکلو خلیفہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۵۰۔ مولوی غلام محمد چکوال جہلم

۵۱۔ مولوی ابراہیم آرہ

۵۲۔ مولوی محمد حسین بٹالوی

۵۳۔ مولوی شیخ حسین عرب یمانی بھوپال

۵۴۔ مولوی اصغر علی پروفیسر حمایت اسلام لاہور

۵۵۔ مولوی محمد بشیر بھوپال

۵۶۔ مولوی عبدالجبار امرتسر

۵۷۔ مولوی احمداللہ امرتسر

۵۸۔ مولوی رسل بابا امرتسر

۵۹۔ مولوی عبدالحق مفسر تفسیر حقانی دہلی

۶۰۔ مولوی عبدالحق امرتسری

۶۱۔ مولوی عبدالواحد امرتسری

۶۲۔ مولوی منہاج الدین کوٹ

۶۳۔ منشی الٰہی بخش ملہم بذریعہ الہام تفسیر لکھیں

۶۴۔ مولوی احمد ساکن سکندر پور ہزارہ

۶۵۔ مولوی رشید احمد گنگوہی ضلع سہارنپور

۶۶۔ قاضی امیر عالم ساکن سکندر پور ہزارہ

۶۷۔ مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی

۶۸۔ مولوی ابوالخیر نقشبندی خانقاہ شریف حضرت مرزا جان جاناں دہلی

۶۹۔ مولوی احمد علی واعظ سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارنپور حال مدرسہ میرٹھ

۷۰۔ ملا مانکی نوشہرہ پشاور

۷۱۔ مولوی عبدالمنان وزیر آبادی (جس عالم بینا کو منتخب کریں)

۷۲۔ قاضی سلطان محمود آئی اوان گجرات

۷۳۔ مولوی غلام محمد بگہ والا شاہی مسجد لاہور

۷۴۔ مولوی محمد زکریا انجمن حمایت اسلام لاہور

۷۵۔ مولوی غلام محمد ملازم انجمن نعمانیہ لاہور

۷۶۔ مولوی غازی خان گولڑہ۔ راولپنڈی

۷۷۔ مولوی غلام رسول قطبال گوجر خان

۷۸۔ مولوی مفتی غلام محی الدین گرڑھا ڈاک خانہ ڈومیلی

۷۹۔ مولوی عبدالسمیع رام پوری حال ملازم شیخ الہٰی بخش رئیس میرٹھ

۸۰۔ مولوی محمود الحسن مدرس اول۔ مدرسہ دیوبند

۸۱۔ مولوی احمد حسن کنج پوری صابری جامع مسجد دہلی

۸۲۔ مولوی احمد حسن ایڈیٹر اخبار شحنہ ہند میرٹھ

۸۳۔ مولوی عبدالخالق جہانگ خیلاں ضلع پشاور

۸۴۔ مولوی عبدالرحمٰن چھوہروی ضلع ہزارہ

۸۵۔ مولوی فقیر محمد عزیز ترنواہ ضلع ہزارہ

۸۶۔ شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی

المشتہر

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء[1]

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار ۲۰×۲۶/۸ کے ۴ صفحات پر)[2]

پیر مہر علی شاہ صاحب کا جواب

مرزا غلام احمد کا یہ اشتہار دعوت مناظرہ چھپ کر شرق و غرب میں پھیل گیا اور شہر اور قصبے میں اس کا چرچا ہونا شروع ہو گیا۔ اس طرح مرزا صاحب کا وہ مقصد

---

[1] ماخوذ از مہر منیر مصنفہ فیض احمد فیض صفحہ ۲۱۸
[2] انجام آتھم مصنفہ غلام احمد صفحہ ۷۹/۷۱

حد تک پورا ہوتا نظر آرہا تھا جس کے لیے یہ سارا تکلف برداشت کیا گیا تھا۔ اشتہار بازی کے ذریعے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور معروف شخصیتوں کو اس چیلنج میں شامل کر کے مرزا صاحب نے اپنے مفاد کے حصول اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ان ممتاز حضرات کو تکلیف دینے کی جسارت کی جیسا کہ اس فہرست میں ہمیں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا الطاف حسین حالیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا نذیر حسین محدّث دہلویؒ جیسے لوگوں کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ اب ایسی شخصیتوں سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ اس چیلنج کا جواب دیں گے یا چل کر اس مباحثے یا مناظرے میں شرکت کریں گے ایک غلط توقع تھی لیکن مرزا صاحب کا مقصد ان لوگوں کو اس میدان میں رگیدنے سے خود شہرت حاصل کرنا تھا۔ حالانکہ انہیں اپنی مبارزانہ صلاحیتیں محدود رکھ کر فقط حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہی معاملہ طے کر لینا چاہیئے تھا جو خود ان بزرگ ہستیوں میں سے علمی یا روحانی اعتبار سے کسی طرح کم نہ تھے اگرچہ مرزا صاحب نے انہیں بھی پریشان کرنے کی غرض سے یہ سارا ناٹک رچایا۔ لیکن پیر مہر علی شاہ صاحب نے محض خوشنودی خدا اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے پہلے رسالہ "شمس الہدایت" تحریر کیا جس میں اٹھائے گئے اعتقادی نکات پر بات چیت کرنے کی بجائے مرزا صاحب نے عربی فصاحت و بلاغت کے مقابلے کا ڈول ڈالا۔ اس پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے پیر مہر علی شاہ صاحب جب لاہور تشریف لائے تو مرزا صاحب کے لیے راہِ فرار کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

بہرحال مرزا صاحب کا یہ اشتہارِ دعوت جس پر ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کی تاریخ درج تھی ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو گولڑہ شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو موصول ہوا آپ نے اسی روز اس کا جواب تحریر کر کے اسے راولپنڈی کے ایک اخبار "چودھویں صدی" میں شائع کرا دیا جس کے بعد مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق جواب بصورت اشتہار کی پانچ ہزار کاپی چھپوا کر پورے ہندوستان کے ممتاز علمائے کرام اور عوام تک پہنچا دیں جس کی وجہ سے ہندوستان کے دینی حلقے میں اچھی خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی اور اب

لوگ بڑی شدت کے ساتھ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کا انتظار کرنے لگے جو حضرت پیر مہر شاہ صاحبؒ نے اس کے لیے مقرر کی تھی جیسا کہ درج ذیل جوابی اشتہار سے ظاہر ہے

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمدللہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ وآلہٖ وعترتہٖ

امابعد۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء آج اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ عظام کی نظر سے گذرا۔ مجھ کو دعوتِ حاضری جلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسروچشم منظور ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گذارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرمائیں گے وہ یہ ہے کہ مدعیِ مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضار جلسہ اپنے دعوے کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیں۔ بجواب اس کے نیاز مند کی معروضاتِ عدیدہ کو حضراتِ حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے مجھ کو شہادت و رائے تینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پرنسپل لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایۂ ثبوت نہیں پہنچا سکے مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنی ہوگی بعد اس کے عقاید معدودہ مرزا صاحب، میں جن میں جناب ساری اُمت میں منفرد ہیں بحث تقریری و اظہار رائے ہو کر مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عندالعقلاء مقتضی بالطبع ہے۔ ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلان مضامین کے کچھ بھی وقعت اور عظمت نہیں ہے۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیارانِ صداقت کے لیے مہتم بالشان ہے۔ اظہارِ حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارفِ قرآنیہ سے تو اُن کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہے

ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہلِ دیانت و فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں۔ تیز نویسی چونکہ بروز عیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے لہٰذا اس کو مؤخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمائیں نہایت ممنون ہو کر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانونِ فطرت اور کرّات مرّات کا تجربہ مع شہادت (ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً) کے پیشگوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقتِ بحث میں الہام سکوتی ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہو گا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنےٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ درصورتِ منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیرِ لحاظ نہ ہوں اور مستثنےٰ نہ کیے جاویں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر اُن پر تعمیل واجب ہو گی۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تضیع اوقات و تکلیف عبث کیا حاصل ہو گا۔ لہٰذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیازمند اُن کا حاضر ہو جائے گا بشرطِ معروض الصدر نامنظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہو گی آپ کے کاذب ہونے پر۔

آپ فرماتے ہیں کہ "شمس الہدایت" کے صفحہ ۱۸ میں نیازمند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے۔ ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہدید ہے۔ بمقابلہ محاورات مثلاً "اجماع کورانہ" "ضرب نادان" "بے شرم" "بے حیا" "علمائے یہود" وغیرہ جو آپ نے اپنی کتاب "ازالہ" "ایام صلح" میں دربارۂ علمائے سلف شکر اللہ سعیہم کے دیانت اور تہذیب لکھا ہے اور تفرّد فی القرآن کا دعوٰی کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس کی کچھ ضرورت

نہ تھی۔ الخ۔

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب آپ اپنی دعوت میں مامور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی بنا ٹھہرانی قول متناقضین نہیں تو اور کیا ہے؟

مرزا صاحب نیاز مند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعث انکار ہے۔ انصاف فرمائیں مثل مشہور کا مصداق نہ بنیں (نرالے چور نرالے چتر) ظاہر تو عشق محمدی اور قرآن کریم سے دم مارنا اور در پردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب و سنت کرنی اور پھر اس کمال پر مکتفی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علماء کیسے خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور شور سے ارشاد فرما چکے ہیں اگر بہ لحاظ اس کے کچھ لکھا بھی جائے تو داخل گستاخی اور موردِ عتاب اہلِ تہذیب نہیں ہو سکتا۔ مگر تاہم لوگوں کو ہنسی سے شرم آتی ہے اس سے زیادہ آپ کے اوقاتِ گرامی کی تضیع نہیں کرتا ہوں۔

والسّلام علی مَنِ اتبع الھدیٰ وامن بخاتمیۃ افضل الاوّلین والآخرین سیّدنا ابی القاسم محمدٍ المصطفیٰ وصدّق بما جاء بہٖ من عندِ ربّ الارضین والسمٰوٰت العُلیٰ ربّنا لاتؤاخذ نا ان نسینا اَوْ اَخطأنا وصلّ وسلّم وبارک وادم علی من اٰمن بہٖ اٰیۃ الاٰیاتِ الکبریٰ صلوٰۃ تستجیب بھا دعائنا وتزکی بھا نفوسنا وتحی بھا قلوبنا وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

العبد الملتجی الی اللہ

مہر علی شاہ از گولڑہ۔ ۲۵؍ جولائی ۱۹۰۰ء

نوٹ:۔ حسب المطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے۔ اور یہیں برو ئے

اختیار اشتہار دعوت ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہِ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہانِ پیر مہر علی

محمد غازی، مولوی حضرت میر معلم صاحبزادگان خان مُلّا خان صاحب رئیس کابل اضی محمد زمان ساکن راولپنڈی۔ مولوی محمد۔ مولوی عبداللہ ساکن جلو۔ مولوی ہدایت اللہ لوی احمد دین ساکن بھوئی۔ مولوی محمد یوسف ساکن بھوئی۔ مولوی غلام ربانی ساکن بھوئی۔ لوی سید حسن مدرس اوّل مدرسہ اسلامیہ پنڈی۔ مولوی محمد اسماعیل گولڑہ۔ مولوی عبداللہ ناہ ساکن گڑھی افغاناں۔ مولوی میر حمزہ ساکن بھوئی۔ مولوی محمد عرفان ساکن گولڑہ۔ مولوی ننل احمد ساکن سواں۔ مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی عبدالمجید ساکن ٹ نجیب اللہ۔ مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ۔ قاضی نواب ساکن کوٹ۔ مولوی بدرالدین ٹھواری۔

علماء کی جانب سے جوابی اشتہار

پیر مہر علی شاہ صاحب کے اس جوابی اشتہار کے علاوہ ہندوستان بھر سے ساٹھ لماء کی جانب سے بھی ایک جوابی اشتہار شائع ہوا جس میں انہوں نے مرزا صاحب کے اس چیلنج قبول کرتے ہوئے ۲۵ اگست کو لاہور پہنچنے کا اعلان کیا۔ نیز اسی اشتہار میں علماءِ سلام نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی شرط برائے مناظرہ تقریری کو جائز اور ضروری رار دیا تاکہ اصل مسئلہ بھی ساتھ ہی حل ہو جائے جو مرزا غلام احمد اور اہلِ اسلام کے رمیان ایک مدت سے موجود ہے۔ اس معاملہ پر اس لیے بھی توجہ ضروری تھی کہ مرزا صاحب خود یہ بیان کرتے تھے کہ وہ خدا کی جانب سے مسلمانوں پر اس دعویٰ کے اثبات ے لیے مامور ہیں۔ اب بھلا اس سے بہتر موقع ان کے لیے اور کونسا ہوگا کہ وہ ہندوستان ے نامور علمائے کرام کے سامنے اپنے دعوے کے حق میں دلائل پیش کر کے انہیں قائل

۔ ماخوذ از مہر منیر مصنفہ مولانا فیض احمد فیض صفحہ ۲۱۹/۲۲۱

کرنے کی کوشش کریں تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ چنانچہ اس اشتہار میں علمائے کرام نے اعلان کیا کہ علم تفسیر اور عربی کمالات کا مظاہرہ ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے جبکہ مرزا صاحب کے دعوے اور اُن پر بات چیت ایک بنیادی امر ہے۔ اگر مرزا صاحب کی امامت اور خلافت کو تسلیم کر لیا گیا تو پھر اُن کے دیگر علمی کمالات لامحالہ طور پر قابل تسلیم سمجھے جائیں گے۔ اس لیے دعوے پر بات چیت مقدم اور افضل ہے۔ علمائے کرام نے کہا کہ جب پیر مہر علی شاہ تفسیر نویسی کے لیے بھی تیار ہیں تو تقریری مقابلہ بھی ضرور ہونا چاہیے۔ اگر تقریری مقابلہ نہ ہوا تو تحریری مقابلے کے باوجود اصل اور متنازعہ مسئلہ جوں کا توں رہ جائے گا۔

اس تمام کارروائی سے ہندوستان میں دور و نزدیک تک اچھی خاصی ہلچل مچ گئی تھی لوگ بڑی شدت کے ساتھ ۲۵ اگست کا انتظار کرنے لگے۔ خاص طور پر پیر صاحب کے جوابی اشتہار اور اس کے بعد علماء کرام کی جانب سے جوابی اشتہار کی اشاعت کے بعد عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ ان جوابی اشتہاروں میں تحریری مقابلہ تفسیر نویسی سے پہلے اصل اور اہم موضوع پر تقریری مقابلہ اور اس کی اہمیت انتہائی طور پر واضح کر دی گئی تھی اس طرح پیر مہر علی شاہ صاحب کی اس ترمیمی تجویز نے کفر و اسلام اس دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل کر دیا تھا۔

پیر مہر علی شاہ کی لاہور میں آمد اور مرزا صاحب کا فرار

جیسے جیسے یہ تاریخی دن نزدیک آتا جا رہا تھا فریقین کے جذبات میں ایک عجیب غریب کیفیت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ دونوں گروہ اپنی اپنی دانست میں اسے حق و صداقت کفر و الحاد کے درمیان ایک فیصلہ کن دن کی حیثیت دے رہے تھے۔ اور اپنی اپنی جگہ دونوں مطمئن تھے۔ کہ وہی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔ لیکن قادیانیوں کی جانب سے اس وقت جبکہ مباحثہ کے دن میں فقط چار یوم کا عرصہ باقی رہ گیا تھا ایک اطلاع نامہ محمد احسن امروہی کی جانب سے گولڑہ شریف پہنچا جس میں درج تھا۔ کہ مرزا صاحب کو تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں ہے۔ حالانکہ پیر مہر علی شاہ کی جانب سے حافظ محمد الدین مالک مصطفائی

لاہور نے ایک رجسٹرڈ خط مرزا صاحب کو تحریر کر دیا تھا کہ اگر وہ مباحثہ کی شرائط میں
کرانا چاہتے ہوں تو وقت پر اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب پہلے تو چُپ سادھے خاموش رہے
بعد میں نامنظوری کا پروانہ گولڑہ شریف روانہ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود پیر مہر علی شاہ
صاحب کی جانب سے ایک اعلان ۲۱ یا ۲۲ اگست کو راولپنڈی سے شائع ہوا کہ وہ ۲۵
اگست کو تقریری اور تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جائیں گے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ہندوستان کے طول و عرض سے لوگ لاہور پہنچنا شروع ہو گئے
، مشائخ کے علاوہ عام لوگ بھی باہر سے آنے والوں میں شامل تھے۔ مسلمانوں کے تقریباً ہر
فرقے مثلاً اہل سنت والجماعت، اثنا عشری، اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے لوگ بھی لاہور
پہنچنا شروع ہو گئے۔ دہلی۔ سہارنپور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ۔ گورداسپور، امرتسر،
سرگودھا۔ ملتان اور پشاور کے علاوہ جہاں جہاں بھی عربی اور دینی مدارس تھے اور جو قادیانی
تحریک میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے اپنے اپنے نمائندے لاہور بھیجے۔ لاہور میں ایک میلے
کا سماں تھا۔ اہل لاہور استقبال میں سرگرمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔
ہوٹل۔ دینی مدارس۔ سرائیں اور مسجدیں باہر سے آنے والوں سے بھر گئیں۔

ایک اور خاص بات جو دیکھنے میں آئی یہ تھی کہ مسلمانوں کے تمام فرقے ایک پلیٹ فارم پر
تھے۔ اور اتفاق و اتحاد کی بابرکت لہر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے
چکی تھی جس کا سہرا اسلام کے نامور فرزند پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے سر تھا۔ وہی اس پورے معرکہ
میں ایک رہبر اور رہنما کی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ عملی طور پر تمام اسلامی فرقوں نے انہیں اس
معاملہ میں قائد تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح ۱۹۰۰ء کا یہ تاریخی دن ۱۹۵۳ء کے اُن دنوں سے
پوری طرح مماثلت رکھتا ہے جبکہ پیر مہر علی شاہ کے مرید خاص امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ
بخاریؒ نے اپنے پیر و مرشد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کے تمام فرقوں
کو پرچم اسلام تلے جمع کر دیا تھا۔

پیر مہر علی شاہؒ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو گولڑہ شریف سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے
گولڑہ سے انہوں نے لاہور پہنچنے کی اطلاع دی۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر آپ کا فقید المثال

استقبال ہوا۔ علمائے کرام کی ایک خاصی تعداد جو علاقہ پشاور، راولپنڈی، میانوالی، شاہ پور، گجرات اور گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے ہمراہ تھی۔ سٹیشن سے باہر نکل کر باغ میں کچھ قیام کیا۔ اور پھر ایک جلوس کی شکل میں پیر مہر علی شاہ صاحب کو برکت علی ہال اور اس کی ملحقہ پر لے جایا گیا جہاں شہر کے علمائے کرام اکٹھے ہوئے اور دیر تک قادیانیت اور اس کے مختلف پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے۔ مولانا غلام محمد بگوی امام شاہی مسجد اور مولانا عبدالجبار امرتسری نے اہل محفل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ردِ مرزائیت جو استدلال حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اختیار کیا ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

۲۵ اگست کا دن مباحثے کے لیے مقرر ہو چکا تھا۔ اس لیے پولیس نے مسجد اور اس کے گرد و پیش کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ لوگ صبح سے ہی ٹولیوں کی صورت میں مسجد میں جمع ہو گئے۔ ان میں بعض قادیانی حضرات تھے جن کی طرف سے بار بار اس بات کو دہرایا جا رہا تھا۔ کہ مرزا صاحب ضرور تشریف لائیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ قادیانیوں کی طرف سے مرزا صاحب کو لاہور لانے کے لیے انتہائی تگ و دو کی گئی لیکن بے سود۔ جب قادیانی حضرات کا آخری وفد مرزا صاحب کے نہ آنے کی خبر لے کر پہنچا تو قادیانی حلقے میں بہت انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض نے قادیانیت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ بعض سخت مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور کے مشہور قادیانی نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی تعریف میں پمفلٹ لکھے اور ان کی فتح و نصرت پر انہیں مبارکباد دی۔ اس طرح قادیانی للکار کے جواب میں پیر مہر علی شاہ صاحب کی قیادت میں مسلمانوں کی یلغار نے قادیانیت کا منہ پھیر دیا۔

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے پر یہ تماشہ نہ ہوا

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر کیا ہے:۔

"ایک وقت مرزا صاحب کی توجہ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی کی طرف ہو گئی۔ فریقین نے اس مضمون پر کتابیں لکھیں۔ آخر مرزا صاحب نے بذریعہ اشتہار ان کو للکارا کہ میرے مقابل سات گھنٹے زانو بزانو بیٹھ کر چالیس

آیاتِ قرآنی کی عربی میں تفسیر جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا لیکن اس مقابلے کے لیے پیر مہر علی شاہ صاحب کی شمولیت یا ان کی طرف سے چالیس علمار کا پیش کردہ مجمع ضروری ہے۔ اس سے کم ہوں گے تو مقابلہ نہ ہوگا۔

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء)

مندرجہ در تبلیغ رسالت صہ ۷۳، ۷۷ (ع ج)

" اس دعوت کے مطابق پیر گولڑہ صاحب بغرض مقابلہ ۲۴ راگست ۱۹۰۰ء کو بمقام ...ر پہنچ گئے لیکن پیر صاحب نے چالیس علمار کی شرط کو فضول سمجھا اور مقابلہ نویسی کے لیے ...ت خود پیش ہوئے مگر مرزا صاحب تشریف نہ لائے بلکہ قادیان سے ایک اشتہار بھیج دیا ...یر صاحب گولڑہ مقابلہ سے بھاگ گئے۔

جس روز پیر صاحب گولڑہ لاہور میں آئے بغرض امداد حق ارد گرد سے علمار اور غیر علمار واردِ لاہور ہوئے تھے۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور خاکسار وغیرہ بھی شریک تھے ...ہر پایا کہ جامع مسجد میں صبح کے وقت جلسہ ہوگا۔ پیر صاحب مع شائقین مسجد موصوف کو جا ...ہے تھے۔ راستے میں بڑے بڑے موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں تھے ...کی سرخی یوں تھی:- "پیر مہر علی کا فرار"

جو لوگ پیر صاحب کو لاہور میں دیکھ کر یہ اشتہار پڑھتے وہ بزبانِ حال کہتے۔

" اینچہ مے بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب "

(تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثنار اللہ امرتسری صہ ۴۹-۵۰

"تازیانہ عبرت" میں مولانا ابو فیض مولوی محمد حسن فیضی کی اس تقریر کا متن شائع ہوا ہے ...انہوں نے ۲۷ راگست ۱۹۰۰ء کو لاہور کی جامع مسجد میں کی تھی۔ ذیل میں اس تقریر کا ایک ...قتباس درج کیا جاتا ہے جس سے حالات و واقعات پر مزید روشنی پڑے گی۔

" حضرت پیر صاحب ۲۴ راگست سے آج تک لاہور میں رونق افروز ہیں اور مرزا صاحب کا ہر ایک ٹرین میں بڑے شوق سے انتظار ہو رہا ہے۔ مگر ادھر سے صدائے برنخاست کا معاملہ ہوا۔ یہ حقیقت میں مرزا کے اپنے قول کے مطابق ایک الٰہی عظمت

دجلال کا کھلا کھلا نشان تھا جس نے مرزا کی جھوٹی وبیجا شیخی کو کچل ڈالا۔ اور آپ کے حواس کی وہ گت ہوئی کہ مقابلہ و مباحثہ لاہور تو درکنار آپ کو سوائے بیت المقدس کے تمام دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی اور وقذف فی قلوبھم الرعب بما کفروا کا مضمون دوبارہ دنیا کے صفحہ پر معرض ظہور میں آیا جس کا آیت و کان حقاً علینا نصر المؤمنین میں وعدہ دیا گیا تھا۔ خداوندِ عالم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و بابرکت ذات پر نبوت اور رسالت کے تمام مدارج ختم کر دیئے ہیں جس طرح پہلے سینکڑوں جھوٹے رسولوں کو الہٰی غیرت اور خود ان کے اپنے کفر و غرور نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ ایسا ہی اس نے مرزا کی جھوٹی مہدویت۔ رسالت و مسیحیت کا بھی خاتمہ کر دیا اور آج دنیا پر بخوبی روشن ہو گیا کہ سیدنا و مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصہ مناصب اور مفروضہ مراتب کے اندر بیجا مداخلت کرنے والا اس طرح علی رؤس الاشہاد روسیاہ ہوتا ہے۔ اور اپنے ہاتھوں خود ذبح ہو جاتا ہے کیا غور و عبرت کا مقام نہیں ہے کہ مرزا نے بلا کسی تحریک کے خود بخود حضرت پیر صاحب۔ اور ہند و پنجاب کے تمام مسلم الثبوت مشائخ و علماء کو تحریری اور تقریری مباحثہ کی دعوت کا وہ اعلان کیا جس کی ہزار ہا کاپیاں ہند و پنجاب کے تمام اضلاع و اطراف میں مرزا صاحب نے خود تقسیم کیں اور اپنی عربی و قرآن دانی میں لاف زنی کی جس کا وہ خواب میں بھی خیال کرنے کا مستحق نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے لکھا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلے میں لاہور نہ پہنچوں تو پھر میں مردود و جھوٹا اور ملعون ہوں۔ اس شد و مد کے اشتہار کے بعد جب اس کو پیر صاحب نے اور دیگر علمائے کرام نے بمنظوری شرائط لاہور میں طلب کیا تو مرزا صاحب کی طرف سے سوائے بہانہ گریز کے اور کوئی کاروائی ظہور میں نہ آئی۔ سخت افسوس کا موقع ہے کہ مرزا کے مرید انہی دنوں جبکہ پیر صاحب خاص لاہور میں سینکڑوں علماء فقراء اور ہزاروں مریدوں کے ساتھ تشریف رکھتے

ہیں۔ اس قسم کے اشتہارات شائع کر رہے ہیں کہ پیر صاحب مباحثہ سے بھاگ گئے اور شرائط سے انکار کر گئے۔ سبحان اللہ ڈھٹائی اور بے شرمی ہو تو ایسی کہ دروغ گو تم بروئے شما[۵]

مولانا رفیق دلاوری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب آئمہ تلبیس میں اس واقعہ کو تفصیل سے تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"مرزائیت کی تردید میں جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب "شمس الہدایت" تھی جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری مرحوم کے شاگرد ہیں آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا نے اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امروہی سے اس کا جواب بنام "شمس بازغہ" لکھوا کر شائع کیا حضرت پیر صاحب نے شمس بازغہ کی تردید میں کتاب "سیف چشتیائی" لکھی یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گذشتہ ۳۸ سال کی طویل مدت میں امت مرزائیہ کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ جب کتاب "سیف چشتیائی" نے مرزائیت کے سارے بخیئے ادھیڑ دیئے اور مرزائیت کا جنازہ ذلت و رسوائی کے بحر ظلمات میں ڈوبتا نظر آیا تو مرزا غلام احمد نے اس کے تن مردہ میں ازسرنو زندگی کی روح پھونکنا چاہی۔ چنانچہ اس کوشش میں ۲۰ر جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھیاسی علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو لاہور آکر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ اور لکھا کہ —— مہر علی شاہ صاحب

۵۔ تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کریم الدین صاحب دبیر رئیس بھین ضلع جہلم ص۵۳-۵۴

اپنی رسمی مشیخت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوتے ہیں۔ کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹا دیں اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے۔ جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہو گا حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور ناحق نزول کے لفظ کے اُلٹے معنی کرتے ہیں۔ اگر مہر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلے کے لیے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹے تک زانو بہ زانو بیٹھ کر چالیس آیاتِ قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں کے بیس ۲۰ ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہو گا سُنائی جائیں جس کی تفسیر کو وہ حلفاً پسند کریں وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا۔ مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کرلیں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعووں کے متعلق ہیں جلا دوں گا۔ اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ اور اگر وہ مقابلے میں مغلوب ہو گئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا تو اُن پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کرلیں میں لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں بالکل ناکام رہیں گے بلکہ مباحثے کے لیے لاہور ہی نہیں آئیں گے اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہو گا۔ جبکہ پیر مہر علی شاہ صاحب ایک ذلیل اور قابلِ شرم رکیک عبارت اور لغو تحریر کے

کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہلِ علم تھوکیں اور نفرت کریں۔
کیونکہ میں نے خدا سے یہی دُعا کی ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں۔
کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اگر پیر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں مومن مستجاب
الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دُعا کریں۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی
دُعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دُشمن ہیں اس
لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔ یاد رہے کہ مقامِ بحث بجز لاہور کے جو مرکز
پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اگر میں حاضر نہ ہُوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب
سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار ہو گا۔ اگر ضرورت ہوگی
تو بعض پولیس افسر بلا لیے جائیں گے اور لعنت ہو اُس پر جو تخلّف یا انکار
کرے۔"

"مرزا کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمور الاوقات اور عزلت گزیں
ہیں اور ذکرِ الٰہی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ مناظرے کے لیے ہرگز نہیں آئیں گے
مریدوں کے سامنے یہ شیخی بگھارنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑوی جیسا فاضلِ
اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں میرے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکا۔ لیکن یہ دیکھ
کر مرزا صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ مچ اس چیلنج کو
منظور کر لیا اور ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو لکھ بھیجا کہ "مرزا غلام احمد قادیانی کا
اشتہار آج ۲۰ جولائی کو نیاز مند کی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری
جلسہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب منظور ہے لیکن درخواست یہ ہے کہ
کہ میری بھی ایک گذارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرما لیا جائے اور
وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت و مہدویت کے دلائل
پیش کریں اور میں مرزا صاحب کے دلائل کا جواب دوں۔ اگر مرزا صاحب کے
تینوں حَکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا صاحب اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت
تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کر لیں۔ میں اپنی طرف سے تاریخ

مناظرہ ۲۵۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں از راہِ کرم آپ تاریخ مقررہ پر پہنچ جائیے۔ لاہور اور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء کو ہم خود جمع کرلیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ذمہ ہم نہیں لے سکتے۔ الغرض جب تمام مراحل طے ہوچکے تو پیر صاحب بروز جمعہ ۲۴۔ اگست ۱۹۰۰ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا کی فہرست میں درج تھے لاہور تشریف لے آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقتِ موعودہ پر پہنچ جائے گا مگر اسے حق کے رُعب نے مقابلے پر آنے کی اجازت نہ دی۔ البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرایا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے[1]۔

اِن اشتہارات کا ذکر "مہرِ منیر" میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"عام حالات میں اپنے نتائج کی رُو سے یہ شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کے نتیجے میں نصیب ہوئی تھی لیکن جس طرح اس وقت مرزا صاحب کے قلم سے "فتحِ اسلام" اور "انجام آتھم" جیسی فاتحانہ اور ظفر مندانہ تالیفات عالمِ وجود میں آئی تھیں بالکل اسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدتمندوں نے اس شکست و فرار کو فتحِ عظیم بیان کیا۔ مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے در و دیوار پر اشتہارات دکھائی دینے لگے جن میں لکھا تھا:۔

"پیر صاحب گولڑہ نے امام آخر الزماں کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔ آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا۔ مسیح موعود کی الہامی بشارت صحیح ثابت ہوئیں۔"

---

[1] آئینہ تلبیس جلد دوم مصنفہ مولانا رفیق دلاوری صفحہ ۴۷۴ - ۴۷۵

حالانکہ لاہور کی پبلک بچشم خود پیر صاحب کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی اور
جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بلانے کے نہیں آرہے۔
"چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد"[1]

مرزا صاحب کا مؤقف

مندرجہ بالا تحریروں سے یہ بات قارئین پر بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد
نے کس طرح پیر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ لیکن خلافِ توقع جب
پیر مہر علی شاہ نے مرزا غلام احمد کا یہ چیلنج قبول کرتے ہوئے حسبِ اعلان لاہور پہنچ کر مرزا
صاحب کو بلوایا تو کس طرح مرزا صاحب راہِ فرار اختیار کر گئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ اُلٹا پیر صاحب
کے خلاف اپنی پرانی عادت کے مطابق اشتہار بازی کر کے انہیں بدنام کرنے کی ناپاک جسارت
کی۔ مرزا صاحب نے اس سارے ڈرامے کے لیے جو انہوں نے رچایا اور آخری سین سے راہِ
فرار اختیار کرنے کا جو جواز پیش کیا ہے وہ انہوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی . . .
کتاب نزولِ مسیح میں درج کیا ہے جو نذرِ قارئین کیا جاتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ مرزا صاحب
تاویلات پیش کرنے میں کس قدر یدِ طولیٰ رکھتے ہیں:۔

"لاہور میں ایک قابلِ شرم کاروائی پیر مہر علی شاہ صاحب سے ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں
نے بذریعہ ایک پُرفریب حیلہ جوئی اُس مقابلہ سے انکار کر دیا کہ جس کو وہ پہلے
قبول کر چکے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب میری طرف سے متواتر دنیا میں
اشتہارات شائع ہوئے کہ خدا تعالیٰ کی تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان
بھی مجھے دیا گیا ہے کہ میں فصیح و بلیغ عربی میں قرآن مجید کی کسی سورۃ کی تفسیر لکھ
سکتا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل اور

---

[1] مہرِ منیر مصنفہ مولانا فیض احمد فیض صفحہ ۲۳۳

بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکیگا اور اس کے مقابلے کے لیے پیر جی موصوف کو بھی بلوایا گیا تاکہ وہ اگر حق پر ہیں تو ایسی تفسیر بالمقابل بیٹھ کر لکھنے سے اپنی کرامت دکھلادیں یا ہمارے دعوے کو قبول کریں تو اول تو پیر جی نے دُور بیٹھے یہ لاف ماردی کہ اس نشان کا مقابلہ میں کروں گا لیکن بعد اس کے اُن کو میری نسبت بکثرت روائتیں پہنچ گئیں کہ اس شخص کی قلم عربی نویسی میں دریا کی طرح چل رہی ہے اور پنجاب و ہندوستان کے تمام مولوی ڈر کر مقابلہ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں تب اُس وقت پیر جی کو سُوجھی کہ ہم بے موقع پھنس گئے۔ آخر حسب مثل مشہور مرتا کیا نہ کرتا۔ انکار کے لیے یہ منصوبہ تراشا کہ ایک اشتہار شائع کر دیا کہ ہم بالمقابل بیٹھ کر تفسیر لکھنے کے لیے تیار تو ہیں مگر ہماری طرف سے یہ شرط ضروری ہے کہ تفسیر لکھنے سے پہلے عقائد میں بحث ہو جائے کہ کس کے عقائد صحیح اور مسلّم اور مدلّل ہیں۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو نزول مسیح میں انہیں کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس تصفیہ کے لیے منصف مقرر کیے جائیں۔ پھر اگر مولوی صاحب موصوف یہ کہدیں کہ پیر جی کے عقائد صحیح ہیں اور مسیح ابن مریم کے متعلق جو کچھ انہوں سمجھا ہے وہی ٹھیک ہے تو فی الفور اسی جلسہ میں راقم ان کی بیعت کرے اور اُن کے خادموں اور مریدوں میں داخل ہو جائے اور پھر تفسیر نویسی میں بھی مقابلہ کیا جائے۔ یہ اشتہار ایسا نہ تھا کہ اس کا مکر و فریب لوگوں پر کھل نہ سکے۔ آخر عقلمند لوگوں نے تاڑ لیا کہ اس شخص نے ایک قابل شرم منصوبہ کے ذریعے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا اس کے بعد بہت سے لوگوں نے میری بیعت کی اور خود ان کے بعض مرید بھی اُن سے بیزار ہو کر بیعت میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ستّر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کی تعداد پہنچ گئی۔ اور مولویوں اور پیر زادوں اور گدی نشینوں کی حقیقت لوگوں پر کھل گئی کہ وہ ایسی کارروائیوں سے حق کو ٹالنا چاہتے ہیں[1]۔"

---

[1] نزول مسیح مرزا غلام احمد حاشیہ صفحہ ۵۳-۵۴

اس تحریر سے بعض باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اوّل تو یہ احساس ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا تمام علماء اور صوفیاء اسلام کو عربی میں تفسیر نویسی میں چیلنج دینا ایک ایسا اقدام تھا جس کا اشارہ مرزا صاحب کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہوا تھا تاکہ لوگوں پر مرزا صاحب کی حقانیت واضح ہو سکے۔

دوسرے اس خدائی اشارہ کی وجہ سے مرزا صاحب کا حوصلہ بہت بلند تھا اور وہ واقعی یہ سمجھتے تھے کہ پورے ہندوستان کے علماء مل کر بھی عربی میں تفسیر نویسی میں ان سے بازی نہ لے جا سکیں گے

لیکن ان تمام خدائی اشارات کے باوجود انہیں اس بات کا حوصلہ ہرگز نہ تھا کہ وہ حیات و وفاتِ مسیح یا کذب و صداقتِ غلام احمد کے موضوع پر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ گفتگو کریں۔ ایسی گفتگو کی راہ میں مرزا صاحب کے مطابق سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ حکم حضرات پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہیں یعنی عربی تفسیر کے مقابلہ میں انہیں منصفین پر پورا بھروسہ ہے اور وہ پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہونے کے باوجود قابلِ اعتماد ہیں۔ لیکن تحریری مقابلے سے پہلے اگر تقریری مقابلے میں انہیں اپنے دعویٰ کے حق میں دلائل پیش کرنے ہیں تو پھر وہی لوگ ناقابلِ اعتماد ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ بات درست بھی ہو تو مرزا صاحب منصفین کے تبدیل کرنے کے بارے میں کہنا چاہیئے تھا نہ کہ سرے سے مباحثہ سے ہی انکاری ہو جاتے۔

اب جہاں تک اُن کے اس دعویٰ عربی فہمی کا تعلق ہے جس پر اُن کے اس چیلنج کی بنیاد تھی اس کے بارے میں بھی مرزا صاحب کے متعلق بہت کچھ تحریر ہو چکا ہے۔ اور بہت کچھ آئندہ صفحات میں پیش کر دیا جائے گا لیکن یہاں پر مولانا رفیق دلاوری کی وہ تحریر پیش کی جاتی ہے جو اُن کی کتاب آئمہ تلبیس میں شامل ہے جس تحریر کے ذریعے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ عربی دانی کوئی ایسا مسئلہ ہرگز نہ تھا جس پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت محسوس ہوتی کیونکہ ان کے کئی ہمعصر علمائے حق ان کو اس میدان میں پہلے ہی پچھاڑ چکے تھے اور آج تک ان کی عربی کی غلطیاں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

"مرزا غلام احمد کو عربی ادب و شعر گوئی کا پرنو چنے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مرزا کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے۔ مگر نصف صدی کا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود یہ سلسلہ ہنوز منقطع نہیں ہوا اور اس پہ طرہ یہ کہ مرزائیوں نے اپنے مسیح کو اُلٹا "سلطان القلم" کا لقب دے کر علم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مرزا کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی انہوں نے سب سے پہلے مرزا کی کتاب "دافع وساوس" کا مطالعہ کیا اور اس میں سے چھیاسٹھ (۶۶) غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزا نے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کی بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو صاحب اس فہرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ اشاعت السنہ (جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۶-۳۲۸) کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سینکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے چنانچہ رسالہ "کرامات الصادقین" کے متعلق مرزا نے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بابو احمد دین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنہوں نے محض ایف اے۔ یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر کمربستہ ہوئے اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ چٹھی بھیج کر پچپن روپیہ انعام کا مطالبہ کیا لیکن مرزا صاحب نے نہ صرف وعدہ انعام کا ایفا نہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۵ اگست ۱۹۱۶ء) بابو احمد دین نے وہ غلطیاں اخبار "وزیر ہند" سیالکوٹ مورخہ ۸ اگست ۱۸۹۴ء میں چھپوا دیں اس پر مرزا غلام احمد اور اس کے پیرؤں کو بہت خفت اٹھانا پڑی (اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ ص ۵۶)

اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر مشن کالج پشاور نے بڑے طمطراق سے رسالہ "کرامات الصادقین" کی غلطیاں نکالیں مگر مرزا نے ان کو بھی کچھ انعام نہ دیا جو حضرات ان اغلاط کے دیکھنے کے خواہش مند ہوں وہ جریدہ "اہل حدیث" کی (۲۱ جولائی ۱۹۱۶ء اور ۲۸ جولائی ۱۹۱۶ء) کی اشاعتوں کا مطالعہ فرمائیں۔

مرزا نے ۲۲ فروری ۱۹۰۱ء کو رسالہ اعجاز المسیح جس میں سخت ملحدانہ انداز میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا ادھم مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ علمائے اُمت نے فرمایا کہ دعویٰ اعجاز چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس کی عبارت تک درست نہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے "سیفِ چشتیائی" میں نہ صرف "اعجاز المسیح" کی غلطیوں کے انبار لگا دیے اور مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ سلطان القلم صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں جو صاحب ان اغلاط و مسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب "سیف چشتیائی" کے صفحات (۰۷ - ۸۰) کی طرف رجوع فرمائیں حضرت پیر صاحب کو اس تنقید کے "انعام" میں بارگاہِ قادیان سے یہ "اعزاز" بخشے گئے۔ نادان۔ چور۔ کذاب۔ نجاست خور وغیرہ (نزولِ مسیح مصنفہ غلام احمد صفحہ ۷۰) جاہل، بے حیا، سرقہ کا الزام دینا تو گوہ کھانا ہے (نزولِ مسیح ص۶۳) اے جاہل بے حیا اوّل بلیغ و فصیح میں کسی سورۃ کی تفسیر شائع کر پھر حق حاصل ہوگا کہ میری کتاب کی غلطیاں نکالے یا مسروقہ قرار دے (نزولِ مسیح صفحہ ۶۳) غرض مرزا نے نزول المسیح کے بیس صفحے (۶۲ سے ۸۱) صرف حضرت پیر مہر علی شاہ کے خلاف دریدہ دہنی کے لیے وقف کر دیئے ہیں۔ یاد رہے کہ مولوی محمد حسن صاحب فیضی نے جو موضع بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ رسالہ اعجاز المسیح کے مقابلے میں اس سے ہزار درجہ بہتر اور فصیح و بلیغ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ مرزائیت کی پامالی میں جو شاندار کارنامے فیضی صاحب سے عرصۂ ظہور میں آئے انہیں

"رئیس قادیان" یاں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۹-۳۰/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو موضع مُد ضلع امرتسر میں مرزائیوں سے اہلِ حق کا مناظرہ ہُوا جس میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مرزائیت کو ایسی بُری طرح پامال کیا کہ مرزائی لوگ اس کی تلخی آج تک محسوس کر رہے ہیں۔ مرزائی مناظر نے جس کا نام سرور شاہ تھا کتاب "اعجاز المسیح" کو مرزائی معجزہ کی حیثیت میں پیش کیا لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ ثابت کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ کہ اس میں بے شمار اغلاط اور سرقات ہیں تا باعجاز چہ رسد۔ جب شکست خوردہ مرزائی مناظر نے قادیان پہنچ کر اپنی دردناک داستانِ ہزیمت مرزا کو سنائی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اور بزعم خود مولوی ثناء اللہ کے دانت کھٹے کرنے کے لیے ایک رسالہ بنام "اعجاز احمدی" پیش کیا جس میں کچھ اُردو نثر اور کچھ عربی نظم تھی لکھا۔ اور مولوی ثناء اللہ کو چیلنج دیا۔ کہ اگر اس ضخامت کا ایک رسالہ پانچ دن میں لکھ کر لاؤ تو تم کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس رسالے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا۔ اسی طرح رسالہ "اعجاز احمدی" میرا معجزہ ہے حالانکہ اس میں کچھ اعجازی نشان پائی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جواب کے لیے وقت کی تحدید کی جاتی۔ اور قرآن کی طرح صلائے عام نہ دیا جاتا۔ کہ قیامت تک جو شخص بھی چاہے اس کی مثل پیش کرے۔ اس چیلنج کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار میں مرزا صاحب سے مطالبہ کیا کہ پہلے تم ایک مجلس منعقد کرو جس میں اس قصیدے کی حرفی، نحوی، عروضی ادبی غلطیاں پیش کروں گا۔ اگر تم ان غلطیوں کا جواب دے سکے تو پھر میں زانو بہ زانو بیٹھ کر تم سے عربی نگاری کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کیا مضحکہ خیز حرکت ہے کہ خود تو کسی بڑی مدت میں کوئی مضمون لکھو اور اپنے مخاطب کو کسی محدود وقت کا پابند بناؤ۔ اگر تم مؤید من اللہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ

میرے مقابلے میں بر سرِ میدان طبع آزمائی نہ کرو مگر مرزا نے اس مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسی چپ سادھی کہ گویا سانپ سونگھ گیا۔ بہرحال یہ رسالہ بھی رسالہ اعجاز المسیح کی طرح اغلاط سے مملو ہے۔ ہاں اگر اس کو اس لحاظ سے معجزہ بے مثل کہیں کہ مہمل نگاری میں دنیا کے اندر اس کی کوئی مثل نہیں۔ تو اس کے اعجاز سے کسی کو انکار نہ ہوگا جو حضرات اعجاز احمدی کی اغلاط دیکھنا چاہیں وہ کتاب الہامات مرزا (صفحات ۹۸ - ۱۰۲) کا مطالعہ فرمائیں۔

قرۃ العین کے کلام کا نمونہ کسی گذشتہ باب میں معرضِ تسوید میں آچکا ہے باوجودیکہ وہ بھی مرزا کی طرح باطل کی پیرو تھی۔ مگر جہاں قصیدہ اعجازیہ پڑھنے سے دل میں سخت تکدر اور انقباض پیدا ہوتا ہے۔ وہاں قرۃ العین کا قصیدہ پڑھتے وقت ایک روحی لذت محسوس ہوتی ہے۔ "قصیدہ اعجازیہ" میں بھی دوسری مرزائی تالیف کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھیڑیا۔ کتا۔ کمینہ۔ جھوٹا۔ کژدم وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے۔ اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلے میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم سابق پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور جو ہمارے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے ایک قصیدہ "رائیہ" شائع کیا جس کے ۶۲ اشعار نمونۃً کتاب الہامات مرزا (ص ۱۰۳ - ۱۰۵) میں نقل کیے گئے ہیں۔ اعجاز احمدی کے جواب میں مولانا غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بھی ایک کتاب "ابطال اعجاز مرزا" دو حصوں میں لکھی پہلے حصے میں مرزائی نظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصے میں سوا چھ سو (۶۲۵) اشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور پنجاب میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی "اعجاز احمدی" کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا

تسیر الی مربع الحبیب الزوامل
خیالک شوقاً ھیّجتہ المنازل

(اونٹنیاں منزلِ حبیب کی طرف جارہی ہیں۔ اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے ابھارا ہے)

اسی طرح ایک قصیدہ مولوی محمد حسن فیضی مرحوم متوطن بھین ضلع جہلم بصنعتِ غیر منقوط شائع کیا ہے یعنی اس قصیدے کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ دار حرف نہیں تھا۔ جو صاحب اس قصیدے کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ تازیانۂ عبرت (ص ۴۷۔۴۸) کی طرف رجوع کریں۔ فیضی صاحب کا قصیدہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تھا لیکن مرزا کی مجال نہیں تھی کہ اس کے مقابلے میں ایک غیر منقوط فصیح و بلیغ شعر لکھ کر ہی دکھا دیتا۔ یہاں یہ بتلانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سید رشید رضا ایڈیٹر المنار قاہرہ نے مرزا کی عربیت کا مذاق اڑایا تھا۔ مرزا نے اس کا جس شکل میں انتقام لیا وہ مرزائی تہذیب کا روشن ترین مرقع ہے۔ اس مرزائی عفونت نگاری کی دلچسپ تفصیل کتاب رئیس قادیان میں آپ کی نظر سے گذرے گی۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر علی روحی نے مرزا کی بعض عربی کتابوں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکال کر مرزا کو لکھ بھیجیں۔ مرزا نے اخبار "الحکم" قادیان میں یہ لکھ کر مولوی صاحب سے پیچھا چھڑایا کہ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں (الحکم قادیان ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ صفحہ ۵)
ایک مرتبہ مولینا اصغر علی روحی صاحب نے مرزا کے رسالہ "حمامۃ البشریٰ" کی غلطیاں نکال کر مرزا کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ دلچسپ واقعہ بھی "رئیس قادیاں" میں ملاحظہ فرمائیے"

مندرجہ بالا تحریر سے مرزا غلام احمد قادیانی کی عربی میں قابلیت اور دسترس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ رفیق دلاوری نے باقاعدہ حوالوں کے ساتھ اُن شخصیتوں

آئمہ تلبیس مصنفہ مولانا رفیق دلاوری جلد دوم صفحہ ۴۷۸ تا ۴۸۰)

درج کیا ہے جو مرزا صاحب کی عربی غلطیاں نکال کر اُن کی ہتھیلی پر رکھنے رہے صورت میں مرزا صاحب کو اس بات کا اچھی طرح سے احساس ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ت کا اعلان کر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ اُن کے حق میں کیا صورت اختیار کر سکتا ہے۔

ہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ عام (۲۷ راگست ۱۹۰۰ء)

۲۵ راگست مرزا صاحب سے مناظرے کا دن تھا۔ ۲۵ ر اور ۲۶ راگست اُن انتظار میں گذر گئے لیکن انہیں نہ آنا تھا نہ آئے۔ جب لاہور کے مسلمان مرزا صاحب سے قطعی طور پر مایوس ہو گئے تو ۲۷ راگست کو شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں قادیانیت کا تار پود بکھیر اگیا۔ علمائے اسلام نے انوں کے سامنے بڑے عالمانہ انداز میں عقیدۂ ختم نبوّت کی اہمیت بیان کی۔ نیز اس پر زور دیا کہ اسلامی شریعت کی رُو سے جو شخص اس عقیدے کا منکر ہے وہ دائرۂ لام سے خارج ہے جن علمائے کرام نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی صدارت میں اس تاریخی اجلاس کو خطاب کیا اُن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

مولانا احمد دین صاحب ساکن موضع بادشان ضلع جہلم، مولانا محمد حسن صاحب مدرس رالعلوم نعمانیہ ضلع جہلم۔ مولانا تاج الدین صاحب جوہر مختار چیف کورٹ۔ مولانا حافظ ید جماعت علی شاہ صاحب جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر رنٹیل کالج۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی امرتسری۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری ہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کسی ضروری کام کی وجہ سے ان دنوں شملہ چلے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اس تاریخی اجتماع میں شریک نہ ہو سکے اور نہ ہی خطاب فرمایا۔ علمائے اسلام نے جہاں جلسہ میں اسلامی نقطۂ نگاہ کی وضاحت کرتے ہوئے مسئلہ ختم نبوت بیان کیا اور مرزا غلام احمد کی تکذیب میں دلائل و براہین سے اہل اسلام کو محظوظ فرمایا وہاں پر کچھ ایسے تاریخی فیصلے بھی ہوئے جن کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ تاریخ محاسبۂ قادیانیت میں مسلمانوں کے لیے ایسے فیصلوں پر مجبور ہو جانا اُن حالات و

واقعات کا لازمی نتیجہ تھے جو مرزا غلام احمد کی طرف سے ایک مدت سے مسلمانوں کو
آرہے تھے۔ کہ ایک دھماکہ خیز اعلان جس کے ذریعہ اشتہار بازی کی ایک پُرجوش
اور اس عمل کے بعد میدان سے راہِ فرار اختیار کرلینا مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسی مضحکہ
حرکت تھی کہ جس کے تدارک کے لیے مسلمانوں کا ان نتائج پر پہنچنا ایک صحیح اور د
اقدام تھا۔

"بہ لحاظ جملہ حالاتِ مرزا صاحب روئیداد مندرجہ بالا جملہ علمائے کرام و مشائخ
عالی مقام و رؤسائے عظام و حاضرینِ جلسہ اہلِ اسلام کی اتفاق رائے سے قرار
پایا کہ

۱- کہ مرزا غلام احمد کو تحقیقِ حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگانِ دین معززین
اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کرکے دیگر اشخاص کے مصارف سے
اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اور یہی اُس کا مقصود ہے۔

۲- اس موقعہ پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت
مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمداً گریز کرکے اپنی
لاف زنی سے ناحق صدہا بزرگانِ دین معززین اہلِ اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ
کئی ایک طرح کے ہرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا انہیں متحمل کیا۔

۳- اس کے عقاید بالکل خلافِ قرآن کریم و سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم و صحابہ کرام کے ہیں۔

۴- اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغو ہیں۔

۵- وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور خود رسالت کا دعویدار ہے
وہ اپنے اشتہار معیار الاخیار میں یوں لکھتا ہے:-
قُل یٰایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (ترجمہ) (اے غلام احمد
تو لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں)

۶- وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے۔ اور قادیان کو

بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت صلعم سے منکر ہے۔

۷۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا ہتک آمیز تحریریں شائع کر کے ان کی دل شکنی کر رہا ہے۔

۹۔ وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکا دے رہا ہے۔

۱۰۔ اس کی اور اس کی حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اس کی عام اسلام مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

پس بہ لحاظ وجوہات مذکورہ بالا جملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے۔ اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور متناقض دعاوی سے چالبازی اور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور شرفاء کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری اور عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے اس لیے آیندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقاید وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔"[۱]

---

[۱] مہر منیر مصنفہ مولانا فیض احمد صاحب فیض صفحہ ۲۳۷

اس تاریخی قرار داد پر تقریباً ۶۰ علمائے کرام کے دستخط درج ہیں جن کے اسمائے گرامی
مہرِ منیر پر موجود ہیں۔ جس کے بعد یہ تاریخی جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا اور حضرت
شاہ صاحب نے لاہور میں ۲۴ راگست سے لے کر ۲۹ راگست تک قیام فرمایا جس کے
آپ اپنے وطن تشریف لے گئے بعد میں اگرچہ مرزا نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر
پیر مہر علی شاہ سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی لیکن آپ نے مسلمانوں کے اس تاریخی فیصلہ کو
جو لاہور کے جلسہ عام میں ہو چکا تھا مرزا غلام احمد کی کسی تحریر کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ حتیٰ
یک طرفہ مبارزانہ پروگرام مرزا غلام احمد قادیانی کی جانب سے اپنی موت تک جاری ر
آخری قادیانی حربہ جو استعمال کیا گیا یہ تھا کہ ۱۹۰۷ء میں قادیانی حلقہ میں یہ بات عام
اس سال آنے والے جیٹھ کے مہینے میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا انتقال ہو جائے
پیروکار اور عقیدتمند اس سے بڑے پریشان ہوئے کہ مبادا مرزا غلام احمد تنگ آکر
شاہ صاحب کو قتل نہ کروا دے۔ چنانچہ ایک مریدِ خاص نواب محمد حیات قریشی
کے والدِ محترم اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے پیر بھائی جناب میاں محمد قریشی آپ کی
میں حاضر ہوئے اور اپنی حفاظت کے لیے مناسب انتظام کے لیے کہا۔ لیکن پیر مہر علی شاہ
انہیں تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ میاں محمد موت تو برحق ہے اور سب کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے
تسلی رکھو اس سال کے جیٹھ میں میں نہیں مرتا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء کے جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا صا
انتقال کر گئے۔ جس کے بعد حضرت پیر مہر علی شاہ کی ملاقات جب میاں محمد قریشی سے ہو
حضرت پیر مہر علی شاہ نے برجستہ کہا "الجیٹھ بالجیٹھ" کہ جیٹھ سے جیٹھ بدل گیا
اور یوں پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ کے ساتھ یہ مرزا غلام احمد کا یہ دورِ آویزش ختم ہو گیا
کے ساتھ ہی پیر مہر علی شاہ کا نام نامی تاریخ محاسبہ قادیانیت میں ایک روشن و تابناک با
حیثیت سے قیامت تک کے لیے محفوظ ہو کر رہ گیا

ابو الفیض مولوی محمد حسن فیضیؒ

موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم کے مشہور و معروف عالم دین مولانا ابو الفیض محمد حسن

جن کا ذکر بھی مرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں میں آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب
لعنت آپ پر بھی پڑی اور یوں آپ بھی اُس صف میں شمار ہو گئے جس کا تذکرہ اس کتاب
کی غرض وغایت ہے۔

مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی صاحب کا تذکرہ "حقیقت الوحی" اور "مواہب الرحمٰن" میں موجود
ہے یہ ذکر مولانا کی موت کے بارے میں ہے کہ مولوی محمد حسن فیضی مرزا صاحب کی پیشگوئی کے
مطابق مرا ہے اور یہ اُن کے سچے ہونے کی دلیل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مولانا نے مرزا صاحب کو کیا کہا
تھا کہ انہیں لائق التفات سمجھا گیا۔ اس کی مختصر طور پر داستان یہ ہے کہ مولانا نے اُس وقت
جب مرزا غلام احمد قادیانی اپنی عربی قابلیت کے ڈھنڈورے پیٹ رہے تھے اور اس پر اترا تے
نہیں تھکتے تھے) آگے بڑھ کر مرزا صاحب کی قابلیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ انہیں پہلے
سیالکوٹ میں ملے اور وہ تاریخی قصیدہ پیش کیا جو عربی زبان میں بے نقط قصیدہ تھا۔ مرزا
صاحب اس قصیدے کو دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گئے اور جب مولانا ابوالفیض فیضی نے انہیں جواب
میں قصیدہ تحریر کرنے کے لیے کہا تو مرزا صاحب سخت گھبرائے اور راہِ فرار اختیار کر گئے
مولانا نے وہ قصیدہ بطور چیلنج ایک اسلامی رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور میں شائع کرا دیا۔ تاکہ اگر کبھی
مرزا صاحب یا اُن کے پیروکاروں میں سے کسی کو جرأت ہو تو اُس کے جواب میں ویسا ہی بے نقط
عربی قصیدہ لکھ کر مقابلے میں پیش کریں لیکن اس چیلنج کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حتیٰ کہ جب
نومبر ۱۹۰۱ء کو حضرت مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی کی وفات ہوئی تو مرزا غلام احمد نے
اسے غنیمت جان کر پیش گوئی داغ دی:

"ایسا ہی مولوی محمد حسن بھیں والا میری پیش گوئی کے مطابق مرا جیسا کہ میں نے اپنی کتاب
"مواہب الرحمٰن" میں لکھا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صـ۲۲۸)

"مولوی محمد حسن بھیں والے نے میری کتاب "اعجاز احمدی" کے حاشیہ پر لعنت اللہ علی
الکاذبین لکھ کر اپنے تئیں مباہلہ میں ڈالا چنانچہ اس تحریر ایک سال بھی نہیں گذرا تھا
کہ مر گیا۔"

قابلِ داد ہے حضرت مرزا صاحب کی یہ عیاری کہ اس چیلنج کے بارے میں کوئی تبصرہ

نہیں کرتے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی سعی میں مصروف ہیں کہ یہ شخص اس لیے مرگیا کہ
اُن کی تذلیل کی تھی یعنی اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید کبھی نہ مرتے۔ حالانکہ یہ حقیقت اپنی جگہ
کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اور خلیفہ عبدالحکیم پٹیالوی دو بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے مرزا صاحب
کے ساتھ باقاعدہ مباہلہ کیا تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجائے گا اور دنیا جا
ہے کہ مرزا صاحب ہر دو بزرگوں کی زندگی میں ہی اس دارِ فانی کو خیرباد کہہ گئے۔
بہرحال مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی نے اپنے چیلنج کو ۹ رمئی ۱۸۹۹ء کو اخبا
سراج الاخبار میں چھپوا دیا تھا تاکہ قیامت تک کے مسلمانوں اور قادیانی حضرات
درمیان بطورِ نشانِ صداقت باقی رہے۔ قصیدہ مع اشتہار ملاحظہ فرمائیں۔

چیلنج (۱۸۹۹ء)

"ناظرین مرزا صاحب کی حالت پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ وہ باوجودیکہ لیاقت
علمی بھی جیسا کہ چاہیئے نہیں رکھتے۔ کس قدر قرآن و حدیث کا بگاڑ کر رہے ہیں۔
سیالکوٹ کے کئی احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳ر فروری ۱۸۹۹ کو جب یہ خاکسار
سیالکوٹ میں مسجد حکیم حسام الدین صاحب مرزا صاحب سے ملا تو ایک قصیدہ عربی
بے نقط منظومہ خود مرزا صاحب کے ہدیہ کیا جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا اس لیے
کہ مرزا صاحب خود بھی عالم ہیں اور ان کے حواری بھی جو اس وقت حاضر محفل تھے
ماشاء اللہ فاضل ہیں اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر اس
میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لیے
یہی کافی ہے۔ کہ اس قصیدے کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنا دیں۔
مزید برآں مسائل متحدثہ مرزا صاحب کی نسبت استفسار تھا۔ مرزا صاحب اس
کو بہت دیر تک چپکے دیکھتے رہے اور مرزا صاحب کو اس کی عبارت بھی نہ
آئی۔ باوجودیکہ عربی خوشخط لکھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ایک خاص حواری کو دیا جو
بعد ملاحظہ فرمانے لگے کہ اس کا ہم کو تو پتہ نہیں چلتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں خاکسار

نے واپس لے لیا۔ پھر زبان سے عرض کیا۔ تو مرزا صاحب کلمہ شہادت اور
امنتُ باللہ الخ مجھے سناتے رہے اور فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں نہ
رسول ہوں نہ میں نے یہ دعویٰ کیا۔ فرشتوں کو، لیلۃ القدر، معراج کو
احادیث کو، قرآن کو مانتا ہوں۔ مزید برآں عقایدِ اسلامیہ کا اقرار کرتے
رہے، دوسرے دن حضرت مسیح کی وفات کی نسبت دلیل مانگی تو آیت
"فلما توفّیتنی" اور " انّی متوفیک " پڑھ سنائی۔ معنے کے وقت
علم عربی سے تجرد ظاہر ہوا۔ یہ پوچھا گیا کہ آپ کیوں مسیح موعود ہیں۔ آپ
سے بہتر آجکل بھی اور پہلے بھی کئی ایک عالم و ولی گذرے ہیں وہ کیوں نہیں اور
آپ کیوں ہیں۔ تو فرمایا "میں گندم گوں اور میرے بال سیدھے ہیں جیسے کہ
مسیح اللہ کا حلیہ ہے۔"

افسوس اس لیاقت پر یہ غل۔ جناب مرزا صاحب وقت ہے توبہ کر لیجیے۔
آخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقایدمیں سچے ہوں تو
آئیں صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کر لیں۔ میں حاضر ہوں، تحریری کریں
یا تقریری۔ اگر تحریری ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں۔ عربی ہو یا فارسی یا اردو۔
آئیے۔ سنیئے اور سنائیے۔"

راقم ابوالفیض محمد حسن فیضی حنفی ساکن بھین
ضلع جہلم

اس چیلنج کے بعد قارئین کے لیے یہ معلوم کرنا مشکل نہ رہا ہوگا کہ مرزا صاحب کے
مولانا سے ناراض ہونے کی وجہ کیا تھی اور کیوں وہ اپنے الہامات۔ پیشگوئیوں اور اپنی
تحریروں میں انہیں یاد کرتے رہے۔ یہاں پر یہ بات بھی واضح رہے کہ اس واقعہ کے
بعد جب مرزا غلام احمد نے اپنی عربی قابلیت کا لوہا منوانے کے لیے پورے ہندوستان
کے علمائے اسلام کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی رہنمائی میں عربی تفسیر نویسی کا
چیلنج دیا تو اس موقعہ پر مرزا صاحب کے .... پرانے حریف حضرت مولانا

ابوالفیض محمد حسن فیضی مرحوم و مغفور پھر میدان میں آکر مرزا صاحب کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جن کی جانب ابھی تک میرا ایک چیلنج باقی ہے یعنی میرے ہوتے ہوئے بھی اگر عربی نویسی کا زعم رکھتے ہیں تو پھر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

دُوسرا چیلنج (۱۹۰۰ء)

مولانا کی جانب سے اس وقت دُوسرا چیلنج مرزا غلام احمد کو دیا گیا اور یہ چیلنج بھی پہلے کی طرح اخبار "سراج الاخبار" میں ۱۳ر اگست ۱۹۰۰ء کو شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمائیں:

"مکرمی مرزا صاحب زید اشفاقہٗ،

والسلام علی من اتبع الہدٰی۔ آپ ۲۰ اور ۲۲ رجولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعے پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ لاہور میں آکر میرے مقابلہ بپابندی شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورۃ کی تفسیر لکھیں، فریقین کو سات گھنٹے سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ ورق سے کم نہ ہوں۔ آپ تجویز کرتے ہیں کہ ان ہر دو تحریرات کو تین بے تعلق علماء کے حوالے کر دیا جائے۔ جس تحریر کو وہ حلفاً فصیح و بلیغ کہہ دیں گے وہ فریق سچا اور دُوسرا جھوٹا ہو گا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دو فریق کی تحریرات کے اندر جس قدر غلطیاں نکلیں گی وہ سہو و نسیان پر محمول نہیں کی جاویں گی بلکہ واقعی اس فریق کی نادانی اور جہالت پر محمول کی جاویں گی۔ مجھے آپ کے اس معیارِ صداقت پر بعض شکوک ہیں جن کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) کسی عربی عبارت کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس انداز و فصاحت کی دوسری عبارت معارضہ کے طور پر نہیں لکھ سکتا۔ آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا خاصہ تھا۔ بشر کا کلام اعجاز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ افصح العرب حضرت سیّد المرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے

کلام کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ معارضہ کے لیے فصحائے عرب کو بلایا۔ اگر مان لیا جائے کہ بجز کلامِ خدا کے دوسرے کلام بھی اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر فرمائیے کہ الٰہی اور بندہ کے کلام میں مابہ الامتیاز کیا رہا۔

(۲) ہزارہا عربی کے غیر مسلم اعلیٰ درجہ کے فاضل اور منشی گذرے ہیں اور ان کی تصانیف عربی میں موجود ہیں اور ان کے عربی قصائد اور نثر اعلیٰ درجے کے فصیح و بلیغ مانے گئے ہیں کئی ایک غیر مسلم قرآن کریم کے حافظ گذرے ہیں۔ بعض غیر مسلم شاعروں کے قصائد کے نمونے میں نے اپنے ایک مضمون میں دیئے ہیں۔ جو ۱۸۹۹ء کے رسالہ انجمن نعمانیہ میں پھر اخبار چودھویں صدی کے پرچوں میں چھپا ہے۔

(۳) مجھے سمجھ نہیں آتی کہ چالیس علماء کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر یہ الہامی شرط ہے تو خیر ورنہ ایک عالم بھی آپ کے لیے کافی ہے۔ اور یوں تو چالیس علماء بھی بالفرض اگر آپ کے مقابلے میں ہار جائیں تو دنیا کے علماء آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ مجددیت۔ محدثیت، رسالت کا معیار عربی کسی طرح بھی تسلیم نہیں ہو سکے گی۔

(۴) تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اس اشتہار کے ضمیمہ کے صہ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مقابلے کے وقت پر جو عربی تفسیر لکھی جاوے گی۔ ان میں کوئی غلطی سہو و نسیان پر حمل نہیں کی جاوے گی مگر افسوس کہ آپ خود اس اشتہار میں لفظ "محصنات" کو جو قرآن مجید میں مذکور ہونے کے علاوہ ایک معمولی اور مشہور لفظ ہے دو دفعہ "محسنات" لکھتے ہیں۔ س اور ص کی تمیز نہ ہونا اتنے بڑے دعویدار عربیت کے حق میں سخت ذلت کا نشان ہے۔ یہ لفظ اگر ایک دفعہ غلط لکھا ہوتا تو شاید سہو پر حمل کیا جا سکتا تھا۔ مگر دو دفعہ غلط لکھا اور پھر شرط یہ ٹھہراتے ہیں کہ دوسروں کی غلطیوں کو سہو اور نسیان پر حمل نہیں کیا جائے گا۔

اخیر میں میرا التماس ہے کہ آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجیئے اور مجھے اطلاع کر دیجیے

کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کر دوں مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجددیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

راقم محمد حسن حنفی بھین ضلع جہلم تحصیل چکوال مدرس دارالعلوم نعمانیہ لاہور

۵ راگست ۱۹۰۰ء"

تیسرا قصور شاید مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی سے یہ ہوا کہ انہوں نے ۷ راگست کے اس تاریخی اجتماع جو لاہور کے اندر شاہی مسجد میں منعقد ہوا خطاب فرما کر مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو باطل قرار دیتے ہوئے انہیں خوب رگیدا۔ بس یہی وہ خطا تھی جو مرزا صاحب کی نظر میں ایک ناقابل معافی جرم بن گیا۔ مرزا صاحب بجائے اس کے اُن کے چیلنج کا کوئی جواب دیتے یا اُن کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کا کوئی جواب دیتے اُن کی موت کا انتظار کرتے رہے اور اُس وقت تک ہمتفارِ زیر پا رہے جب تک قضائے الٰہی سے مولانا فیضی داعی اجل کو لبیک نہیں کہہ گیا۔ موت کے بعد مرزا صاحب اس قسم کے الہامات اور پیشگوئیاں تحریر کر کے مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی کے عمزاد برادر ابوالفضل مولوی کرم الدین صاحب کو موضع بھین روانہ کرتے۔ جس پر مولانا ابوالفضل کرم الدین نے تنگ آکر مرزا صاحب کی اُن تحریروں کو عدالت میں چیلنج کر دیا اور اس طرح سے تاریخ محاسبۂ قادیانیت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جس میں ہم وقت کے "پیغمبر" کو کبھی انگریز اور کبھی ہندو کی عدالت میں بطور ملزم دیکھتے ہیں بلکہ ایک عدالت سے تو مرزا صاحب کو پانچ ماہ قید یا سات سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی جو بعد میں اپیل پر معاف کر دی گئی۔ ان مقدمات کی تفصیل آنے والے صفحات پر پیش کی جائے گی۔

ذیل میں مولانا ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی کی اُس تاریخی تقریر کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب نے عربی تفسیر نویسی کا چیلنج پیر مہر علی شاہؒ کو کیوں دیا۔ اس پر مولانا ابوالفیض نے تقریر کرتے ہوئے کہا (۲۷ راگست ۱۹۰۰ء)

"ہمیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ وحی کا مگر قیاس غالب ہے کہ اس خط میں حضرت پیر صاحب کو علی الخصوص مخاطب کرنا دو وجہ سے تھا اوّل یہ کہ صوفیائے کرام کا طریق

ومشرب مرنج ومرنجان کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ گوشۂ تنہائی میں عمر کا بسر کرنا غنیمت سمجھتے ہیں کسی کی دل شکنی انہیں منظور نہیں ہوتی۔ پھر حضرت صاحب ممدوحؒ کے دینی مشاغل و مصروفیت سے بھی یہی قیاس ہو سکتا تھا کہ آپ عزلت نشینی اور للّٰہی مصروفیت کو ہر طرح سے ترجیح دیں گے اور اس طریق فیصلہ کو جو حقیقتاً مرزا کے دعاوی کی تصدیق کا فیصلہ نہیں تھا پسند نہیں فرمائیں گے جو ظاہر بینوں کی نظر میں مرزا کی فتح یابی کا نشان ہو گا۔ نیز دوسرے علمائے کرام کے ساتھ تحریری محاضرہ کو چالیس والی شرط کے ساتھ کانٹھا ہی راز رکھتا تھا کوئی بتا سکتا ہے کہ مرزا چالیس سے کم علماء کے ساتھ کیوں ایسا تحریری مباحثہ نہیں کرتا اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کو جھوٹی شیخی اور بیہودہ تعلّی دکھانی مطلوب تھی ورنہ اگر صرف تصدیق دعویٰ اور ہدایت علماء مقصود تھی تو اس خاکسار نے جو ۱۳ راگست ۱۹۰۰ء کو سراج الاخبار جہلم میں بہ تسلیم جملہ شرائط مرزا کو میدان میں بلایا تھا اور بعد ازاں خط بھی ارسال کیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ مجھے بلا کم و کاست آپ کی جملہ شرائط منظور ہیں آئیے جس صورت پر چاہیئے مقابلہ کر لیجئے۔ اس کے جواب میں مرزا جی ایسے بے خود ہوئے کہ اب تک کروٹ نہیں بدلتے وہ مضمون ہی اڑا دیا اور وہ خط ہی غائب کر دیا۔"

مولانا ابو فیض محمد حسن فیضیؒ نے اپنی تقریر کے دوران کہا (۲۷ اگست ۱۹۰۰ء)

"حضرت پیر صاحب ۲۴ راگست سے آج تک لاہور میں رونق افروز ہیں اور مرزا کا ہر ایک ٹرین میں بڑے شوق سے انتظار ہو رہا ہے۔ مگر ادھر سے صدائے برنخاست کا معاملہ ہوا۔ یہ حقیقت میں مرزا صاحب کے اپنے قول کے مطابق ایک ایسی عظمت و جلال کا کھلا کھلا نشان تھا جس نے مرزا صاحب کی جھوٹی اور بے جا شیخی کو کچل ڈالا اور آپ کے حواس کی وہ گت ہوئی کہ مقابلہ و مباحثہ لاہور تو در کنار آپ کو سوائے اپنے بیت المقدس کے تمام دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ اور وقذف فی قلوبهم الرعب بما کفروا کا مضمون

دوبارہ دنیا کے صفحہ پر معرض ظہور پر آیا۔ برخلاف اس کے حضور پُر نور پیر صاحب ممدوح کے دست مبارک پر خداوند کریم نے وہ نشان ظاہر کر دیا جس کا آیت و کان حقاً علینا نصر المومنین میں وعدہ کیا گیا تھا خداوند عالم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و بابرکت ذات پر نبوت اور رسالت کے تمام مدارج ختم کر دیئے ہیں جس طرح پہلے سینکڑوں جھوٹے رسولوں کو الٰہی غیرت اور خود ان کے اپنے کفر و غرور نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے ایسا ہی اس نے مرزا کی جھوٹی مہدویت رسالت و مسیحیت کا بھی خاتمہ کر دیا اور آج دنیا پر بخوبی واضح ہو گیا کہ سیدنا و مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصہ مناصب اور مفروضہ مراتب کے اندر بیجا مداخلت کرنے والا اس طرح سے علی رؤس الشہاد روسیاہ ہوتا ہے اور اپنے ہاتھوں خود ذبح ہو جاتا ہے۔ کیا غور و عبرت کا مقام نہیں ہے کہ مرزا نے بلا کسی تحریک کے خود بخود حضرت پیر صاحب نیز ہند و پنجاب کے تمام مسلم الثبوت مشائخ و علماء کو تحریری و تقریری مباحثہ کی دعوت کا وہ اعلان کیا جس کی ہزارہا کاپیاں ہند و پنجاب کے تمام اضلاع و اطراف میں مرزا نے خود تقسیم کیں اور اپنی عربی و قرآن دانی میں وہ لاف زنی کی جس کا وہ خواب میں بھی خیال کرنے کا مستحق نہیں تھا اس نے اپنے ہاتھوں سے لکھا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلے میں لاہور نہ پہنچوں تو پھر میں مردود، جھوٹا، ملعون ہوں۔ اس شدومد کے اشتہار کے بعد جب اس کو پیر صاحب نے اور دیگر علمائے کرام نے بمنظوری شرائط لاہور میں طلب کیا تو مرزا کی طرف سے سوائے بہانہ گریز کے اور کوئی کارروائی ظہور میں نہ آئی۔ سخت افسوس کا موقعہ ہے کہ مرزا کے مرید انہیں دنوں میں جبکہ پیر صاحب خاص لاہور میں سینکڑوں علماء و فقراء اور ہزاروں مریدوں کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اس قسم کے اشتہارات شائع کر رہے ہیں کہ پیر صاحب مناظرہ سے بھاگ گئے۔ اور شرائط سے انکار کر گئے سبحان اللہ ڈھٹائی اور بے شرمی ہو تو ایسی کہ دروغ گویم بر روئے شما۔

اس موقعہ پر مرزا صاحب کی مسیحی تعلیم پر سخت افسوس ہوتا ہے کیا امام زماں کی تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیئے کہ ایسا سفید جھوٹ لکھ کر مشتہر کیا جائے اور زیادہ افسوس اس پر ہے کہ ہندو اخبارات بھی مرزائیوں کی اس حرکت پر نفرین کر رہے ہیں اور ہنسی اڑا رہے ہیں۔ میں ازجانب اہالیان جلسہ جن کی تعداد کئی ہزار ہے اور پنجاب کے مختلف اضلاع کے رہنے والے ہیں اس امر کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ پیر صاحب نے مع ان علمائے کرام و مشائخ عظام کے جو آپ کے ساتھ شامل ہیں اسلام کی ایک بے بہا خدمت کی ہے اور مسلمانوں کو بے انتہا مشکور فرمایا ہے اور ہزار ہزار شکر ہے کہ آئندہ کو بہت سے مسلمان بھائی مرزا کے اس سلسلۂ حرکات سے ان کے دامِ تزویر میں گرفتار ہونے سے بچ گئے"[1]

مندرجہ بالا تقریر کے اقتباسات اور اس سے پہلے تحریر شدہ عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ موضع "بھین" تحصیل چکوال ضلع جہلم کے یہ مشہور و معروف عالم دین مرزا غلام احمد کے زیرِ عتاب کیوں تھے۔ اور انہوں نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء میں جب مولانا ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی کی وفات ہوئی تو مندرجہ ذیل پیش گوئی کیوں چھپوائی۔

"مولوی محمد حسن بھین والے نے میری کتاب اعجاز احمدی کے حاشیہ پر لعنۃ اللہ علی الکاذبین لکھ کر اپنے تئیں مباہلے میں ڈالا۔ چنانچہ اس تحریر پر ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ مر گیا۔"

---

[1] تازیانۂ عبرت صفحہ ۵۴، ۵۵ مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر

پانچواں باب

مرزا صاحب کا شوقِ مقدمہ بازی

- پہلا مقدمہ (۱۹۰۲ء)
- دوسرا مقدمہ (۱۹۰۳ء)
- تیسرا مقدمہ (۱۹۰۳ء)
- مقدمے کا پس منظر
- عدالت سے وارننگ (۱۸۹۷ء) نقل استغاثہ
- نقل درخواست انتقال مقدمہ
- فرد جرم عائد ہو گئی (۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)

جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالمِ اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اُسی طرح نبوّت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وجودِ مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نبوّت و ہدایت کے وہ مہرِ درخشاں ہیں کہ جس کے طلُوع ہونے کے بعد اب کسی دوسری روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نُورِ اعظم میں محو و مدغم ہو گئی ہیں۔ اسی لیے تو مُخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا کہ اگر آج مُوسیٰ علیہ السّلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجُز میری اتباع کے چارۂ کار نہ تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام جب آخیر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُمتی کی حیثیّت سے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی کے عمزاد بھائی

مولوی کرم دین دبیر مولانا ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی کے عمزاد بھائی تھے جو مولانا کی [وفا]ت کے بعد تبلیغ اسلام اور ردِ مرزائیت میں اپنے مرحوم بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہت [ش]ہرت حاصل کر گئے اور مرزا غلام احمد کے مقابلے میں آ کر مقدمہ بازی میں اُن کے خلاف فریق بن [گئے۔] مرزا غلام احمد نے اپنے خاص مرید حکیم فضل دین بھیروی سے اُن کے خلاف کئی مقدمے دائر [کر]ائے جس کے جواب میں ایک دو مقدمے مولوی کرم الدین صاحب نے بھی مرزا صاحب پر دائر [کئے]۔ ان مقدمات کی داستان انتہائی دلچسپ ہے کہ کس طرح وقت کے خود ساختہ پیغمبر عدالتوں [کی خ]اک چھانتے پھرے اور مقدمہ بازی میں پیش آنے والے مسائل و مشکلات میں ایک مدت تک [مبت]لا رہے بعض جگہوں پر ذلت و رسوائی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود سرکار برطانیہ [کی ط]رف سے ملی ہوئی پیغمبری کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں منہمک رہے۔

[پ]ہلا مقدمہ (۱۹۰۲ء)

۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء کو مولوی کرم الدین کے خلاف پہلا مقدمہ مرزا غلام احمد قادیانی کے [خا]ص مرید حکیم فضل الدین بھیروی کی طرف سے زیر دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر [کی]ا گیا۔ یہ مقدمہ رلئے گنگارام ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں دائر ہوا [ق]ادیانیوں کی جانب سے خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی بطور وکلا پیش ہوئے۔ کچھ عرصہ [بع]د یہ مقدمہ لالہ چندولال ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اوّل کی عدالت میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۶ر مارچ ۱۹۰۴ء تک مقدمہ چلتا رہا۔ اس اثنا استغاثہ کی جانب سے مرزائیوں کی مقتدر شخصیتیں عدالت میں پیش ہوئیں جن میں حکیم نورالدین اور مولوی عبدالکریم بھی شامل ہیں۔ حتیٰ کہ مرزا غلام احمد صاحب بھی شہادت کے لیے عدالت میں پیش ہوئے۔ دوران مقدمہ فتح و نصرت کے الہامات اگرچہ مرزا صاحب کو ہوتے رہے تاہم مقدمے کا فیصلہ مولوی کرم الدین دبیر کے حق میں ہو گیا جنہیں ۱۶ر مارچ ۱۹۰۴ء کو لالہ چندولال مجسٹریٹ درجہ اوّل نے باعزت طور پر بری کر دیا۔ دراصل

مرزا غلام احمد صاحب اس مقدمے میں پیر مہر علی شاہ صاحب کو عدالت میں بلوا کر اُنہیں [?] کرنا چاہتے تھے تاکہ "سیف چشتیائی" کی وجہ سے جو مرزا صاحب کی رسوائی ہو چکی تھی اُس کا انتقام لیا جا سکے۔ لیکن پیر صاحب کی قدرت نے مدد فرمائی اور مرزا غلام احمد کو اس میں ناکامی ہوئی اور مقدمہ بھی ہار گئے۔

اس مقدمے کی مختصر کاروائی ۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو جہلم کے ایک اخبار "سراج الاخبار" میں شائع ہوئی جو قارئین کی دلچسپی کے لیے درج کی جا رہی ہے۔

"مولوی کرم دین کی فتح"

"۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو مرزائیوں کا وہ الہامی مقدمہ فوجداری جو منجانب حکیم فضل دین بھیروی مرزا جی کے خاص حکم سے برخلاف مولوی صاحب موصوف دائر کیا گیا تھا اور جو ۱۴ ماہ سے چل رہا تھا اور جس کی نسبت مرزا جی کو متواتر نصرت و فتح کے الہامات بارش کی طرح برس رہے تھے آخر کار انصاف مجسم حاکم جناب بابو چندو لال صاحب بی اے مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور کی عدالت سے خارج ہو گیا۔ اور مولوی صاحب عزت سے بری ہو گئے۔ اس تاریخ کو بہت سے احمدی جماعت کے ممبر دُور دور سے مسافت طے کر کے آخری حکم سُننے کے لیے جمع ہو گئے تھے اور منتظر تھے کہ مرزا جی کا تازہ نشان (فتح مقدمہ) دیکھیں لیکن صاحب مجسٹریٹ کا حکم سُن کر سب کے رنگ فق ہو گئے اور وہ سب اُمیدیں جو مُرشد جی نے مدت دراز سے فتح اور ظفر کی دلا رکھی تھیں خاک میں مل گئیں اور مرزا جی کے الہام کی قلعی کُھل گئی۔

افسوس ہے کہ مرزا جی کے جری سپاہی خواجہ کمال دین صاحب وکیل کی یک سالہ محنت اکارت گئی اور برخلاف اُن کے فاضل وکلاء جناب سیّد میر احمد شاہ پلیڈر بٹالہ اور شیخ نبی بخش صاحب پلیڈر گورداسپور۔ بابو مولا مل صاحب بی اے وکیل گورداسپور نے میدان جیت لیا۔ ہم ان وکلاء کو تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور اُن کی محنت کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر صدہا مبارکباد مولانا مولوی کرم الدین صاحب کی خدمت

رض کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک زبردست فتح حاصل کی۔"

دُوسرا مقدّمہ (۱۹۰۳ء)

یہ مقدمہ بھی مولوی کرم الدین دبیر کے خلاف دائر کیا گیا تھا جس میں اُن پر نزولِ مسیح
کے اوراق چوری کرانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ دراصل پہلے مقدّمے کے دوران مولوی
الدّین نے کسی معاملے میں اپنے مؤقف کی تائید میں مرزا صاحب کی کتاب "نزولِ مسیح" کے
وراق پیش کیے۔ ان اوراق سے قادیانی مؤقف کی چونکہ تردید ہوتی تھی اس لیے قادیانیوں
دالت میں اس کتاب کی ملکیت سے ہی انکار کر دیا۔ بیان دیا کہ کتاب نزولِ مسیح کے جو اوراق
نے عدالت میں پیش کیے ہیں اس کا پہلا ورق ہمارے مطبع کا معلوم ہوتا ہے جبکہ باقی اوراق
بت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے چھپے ہوئے ہیں یا ہمارے مطبع کے کاتب سے سازش
لکھائے گئے ہیں یا کسی ایسے کاتب سے لکھائے گئے ہیں جس کا خط ہمارے کاتب سے ملتا
یونکہ اکثر کاتبوں کے خط ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اُستاد شاگرد
خط تو آپس میں بہت ملتے ہیں۔ قادیانیوں نے اپنے پہلے مقدّمے میں یہ بیان ۲۲ر جون
۱۹ء کو دیا لیکن بعد میں باہمی مشورہ کرکے ۲۹ر جون ۱۹۰۳ء کو جو مقدمہ دائر کیا اُس میں
بیان سے ہٹتے ہوئے اوراق 'نزولِ مسیح' کو چوری کا مال قرار دے کر مولوی صاحب پر
دفعہ ۴۱۱ تعزیراتِ ہند استغاثہ دائر کر دیا جس میں یہ زور دیا گیا کہ یہ اوراق ہماری ملکیت
ہمارے مطبع کے چھپے ہوئے ہیں اور ہمارے ہی کاتبوں نے انہیں تحریر کیا ہے لیکن مولوی
م الدّین نے انہیں ہمارے ہاں سے چوری کر لیا ہے۔

یہ مقدّمہ بھی لالہ چندولال مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور کی عدالت میں حکیم فضل دین
پیروی کی طرف سے مسٹر اوگارمن بیرسٹر اور خواجہ کمال دین کے ذریعے دائر کیا گیا۔

اس مقدمے کی داستان بیان کرتے ہوئے خود مولوی کرم الدین دبیر اپنی کتاب "تازیانہ عبرت"
ں تحریر کرتے ہیں:

"یہ بے وجود بے بنیاد بے حیثیت مقدمہ ۲۹ر جون ۱۹۰۳ء کو رائے چند ولال

صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور کی عدالت میں حکیم فضل الدین کی طرف سے بذریعہ مسٹر اوگارمن صاحب بیرسٹرایٹ لا، و خواجہ کمال الدین صاحب وکیل دائر کیا گیا اور اس کی تحقیقات میں ناحق عدالت کے قیمتی اوقات میں سے قریباً ۹ ماہ صرف ہوئے چونکہ ۴۱۷ والے مقدمے کی کمزوری گواہان استغاثہ کے بیانات سے ظاہر ہو چکی تھی اور مرزائیوں کے اپنے اس مقدمے میں کامیابی کی اُمّید قریباً منقطع ہو چکی تھی اور اُدھر مرشد جی کی طرف سے بہت سے الہامات فتح و نصرت کے پیش از وقت شائع ہو چکے تھے اس لیے بمصداق الغریق یتشبث بالحشیش، انہوں نے دوسرا مقدمہ بے حقیقت دائر عدالت کر دیا۔ باوجودیکہ وہ خوب جانتے تھے کہ چند اوراق "نزول المسیح" (جن کی قیمت چار آنے بھی نہیں ہو سکتی) کی چوری کرنے یا کرانے کی فریقِ ثانی کو کیا ضرورت تھی اور اتنے دُور دراز فاصلہ سے ایسے ناچیز مال کی چوری کرنا یا کرانا کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ فضل دین جو مقدمہ ہذا میں مستغیث گردانا گیا، پہلے اپنے حلفی بیان میں اس کتاب کی ملکیت سے انکار کر چکا تھا جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

لیکن ان کے نقطۂ خیال میں یہ تھا کہ دفعہ مقدمہ ہذا ایسی ہے کہ محض مقدمہ دائر کر دینے سے ہی فریقِ ثانی کو بہت کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جرم ناقابلِ ضمانت ہے مستغاث علیہ زیرِ حراست رہے گا اور

بقولے "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود"

جب تک کہ تحقیقات میں مقدمہ کی حقیقت کھلے گی اس سے پہلے ہی مرشد کے مشہور الہام انی مھین من اراد اھانتک کا کرشمہ ظاہر ہو جائے گا۔

لیکن خداوند کریم کا ہزار شکر ہے کہ عنانِ اختیار ایک ایسے متدیّن نکتہ رس انصاف مجسّم حاکم بابو چندولال صاحب بی اے مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے ہر حال میں انصاف کو اپنا جزوِ ایمان سمجھا ہوا تھا۔ انہوں نے مقدمہ کی حقیقت پر نگاہ ڈال کر اپنے مجسٹریٹی اختیار کو جائز طور پر استعمال فرمایا اور اس بے وجود مقدمہ میں

بجائے اجرائے وارنٹ بلاضمانت کے وارنٹ ضمانت جاری فرمایا۔ تاہم مرزائی جماعت نے یہ بھی غنیمت سمجھا اور وارنٹ دستی حاصل کر کے تعمیل کے لیے ایک مخلص حواری شیخ لیعقوب علی تراب ایڈیٹر "الحکم" کو مامور کر دیا کہ وہ خود فریق ثانی کے دیہہ مسکن میں بذریعہ پولیس پہنچ کر تعمیل کرائے تاکہ وہاں کے باشندگان یہ کارروائی دیکھیں اور اس کی خفت ہو لیکن خداوند کریم کو چونکہ یہی منظور تھا کہ شیخی باز پارٹی اپنے تمام منصوبوں میں ناکام رہے اور فریق ثانی پر اس کا کوئی جادو نہ چل سکے۔ اتفاق سے مستغاث علیہ ان میں اپنے دیہہ مسکن میں موجود نہ تھا اس لیے مسٹر تراب صاحب دور دراز صعوبات سفر برداشت کر کے موضع "بھین" میں پہنچے اور ہرچند وہاں دشوار گذار کھنڈرات میں دن بھر بھٹکتے اور خاک چھانتے پھرے۔ لیکن دل کی اُمنگ پوری نہ ہوئی مستغاث علیہ

لے مسٹر تراب نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مختلف مقاصد کے لیے اس وحشت ناک سفر میں ہوئے اور کبھی چکوال کبھی ڈوہمن کبھی بھین اور کبھی بادشاہاں اِدھر اُدھر صحرانوردی فرماتے رہے ایک دفعہ بھی فائز المرام نہ ہوئے اور ہر ایک دفعہ بہت سی تکالیف برداشت کر کے یونہی واپس پڑا۔ کاش مرزا جی کا مُلہم پہلے ہی ان کو آگاہ کر دیتا کہ یہاں کاہے کو تکلیف اُٹھاتے ہو۔ تم نے اپنے دوں میں نامراد ہی رہنا ہے اور یا اگر اس مُلہم میں کوئی طاقت بھی تو ان کی مدد کرتا اور فوراً اس کا مطلب اکر دیتا۔ نہایت تعجب ہے کہ مقدمات کی اتنی لمبی دوڑ میں فریق ثانی کو ایک دفعہ بھی قادیان جانے کی ورت پیش نہ آئی اور مرزائی جماعت کو کم از کم چھ سات دفعہ موضع بھین کی زیارت طوعاً کرہاً کرنی ی اور یاتون الیک من کل فج عمیق کا الہام بجائے دارالامان قادیان کے اُلٹا موضع بھین صادق آتا ہے یہ سُن کر ناظرین کو تعجب ہو گا کہ مرزائی جماعت کے بعض صاحبان کئی رنگ بدل بدل بھین میں مقدمے کا مصالحہ لینے کے لیے گئے۔ چنانچہ ایک جہلمی مرید ایک دفعہ پٹھانوں کے لباس یں بڑا بُغچہ اُٹھا کر ہینگ فروشی کے بہانے سے کوبکو دربدر خراب ہوتا رہا۔ اور کئی دنوں تک ٹکر گدائی رتا رہا لیکن آخر بیچارہ وہ بھی ساحلِ مقصود پر نہ پہنچا اور پھر ایک دفعہ وہی شخص سارجنٹ پولیس بن کر ات کو موضع بھین میں گیا لیکن آخر بمصداق بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش، من انداز قدت را می شناسم

کا پتہ نہ ملا۔ اپنے ارادے میں ناکام خود کردہ پشیمان ہو کر بے نیل و مرام برجعت قہقری اپنے دارالامان قادیان میں بصد حسرت و ارمان لوٹ آئے۔ الغرض یہ بے اصل استغاثہ دائر ہونے اور اس کی کاروائی شروع ہو جانے پر مرزائی جماعت بڑی خوشیاں منا رہی تھی اور بڑی بے صبری سے انتظار کیا جا رہا تھا کہ اگر پہلے نہیں تو اختتام شہادت پر مستغاث علیہ ضرور زیر حراست ہوگا۔ مرزائیوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے۔ چنانچہ اختتام شہادت کے موقعہ پر اخبار "الحکم" نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ اگر خدا نے چاہا تو ۲۴۔ اگست کا پرچہ ایک خاص پرچہ ہوگا۔ دیکھو الحکم۔ لیکن ہم اس ذات پاک جلّ وعلا شانہ کی کمال قدرت پر قربان ہیں جس نے اس زبردست پارٹی کو باوجود ان کی انتہائی سعی و طاقت خرچ ہونے کے اپنے ارادوں میں ناکام رکھ کر اپنی کلام پاک وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی تصدیق کرا دی اور ان کے سارے دعوے اور پندار خاک میں ملا دیئے۔ ایسی نظائر سے گورنمنٹ عالیہ کے قابل قدر قوانین کی بھی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے اپنی روشن ضمیری سے قانونی اختیارات کے برتنے والوں (حکام) کو مجاز کر دیا ہوا ہے کہ وہ محل کو دیکھ کر جیسا کہ موقعہ دیکھیں اختیار برتیں۔ ورنہ ایک شخص کے لیے کیسا آسان طریقہ ہے کہ کسی بے گناہ شریف شخص کے ذمے اپنی ذاتی عداوت کی وجہ سے کسی سنگین تر الزام کو تھوپ کر اس کی عزت کو غارت کر دے۔ قابل تعریف ہیں وہ حکام جو اختیارات عطا شدہ کو برمحل اور جائز طور پر استعمال میں لاتے ہیں۔

اس استغاثے کی تائید میں جتنے گواہ گذرے ہیں وہ سارے کے سارے مرزا صاحب کے مخلص مرید حکیم فضل الدین مستغیث کے پیر بھائی تھے جو اس جہاد (مقدمہ بازی) میں حصہ لینے کی غرض سے بدوں طلبی عدالت مختلف دور دراز شہروں سے تشریف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آخر تاڑنے والے تاڑ گئے کہ کشمیری بچہ سوانگ بھر رہا ہے کیا ایک راست باز کے متبعین کو ایسی چالبازیاں کرنا جائز ہیں۔ ہرگز نہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

لاکر تائید استغاثہ میں گواہ بنے تھے اور یہ سن کر ان سب کو افسوس ہوا ہوگا کہ ان کی شہادت نے ان کے مرشد بھائی کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور مقدمہ خارج ہو گیا

گواہان استغاثہ مندرجہ ذیل تھے۔
خلیفہ نور دین۔ شیخ نور احمد۔ کرم علی۔ مفتی محمد صادق۔ ظفر احمد۔ حبیب الرحمٰن کپور تھلہ نیاز احمد وزیر آباد۔ عبداللہ کشمیری امرتسر۔ شیخ رحمت اللہ مالک بمبئی ہاؤس وغیرہ احمد دین اپیل نویس گوجرانوالہ۔ حکیم محمد حسین لاہوری۔ ان گواہوں کی بالعموم شہادت تھی کہ وہ مرزا صاحب کی تصانیف کے خریدار ہیں اور مدت سے حکیم فضل دین کی معرفت کتابیں منگوایا کرتے ہیں اور کتاب "نزول المسیح" متنازعہ ان کے پاس نہیں پہنچی۔"[1]

تیسرا مقدمہ (۱۹۰۳ء)

ان مقدمات سے مرزا صاحب کا اندازِ کار واضح ہوتا ہے کہ کس طرح اُن لوگوں کو قابو کرنے کی سعی میں مصروف رہتے تھے جو اُن کی خواہش کے مطابق پیغمبرانہ جاہ و جلال کو خاطر میں نہ لاتے۔ اس کے لیے انہیں کتنی تگ و دو کرنا پڑتی تھی یہ اُس تحریر سے واضح ہو چکا ہے جو اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کا شوق ان دو مقدموں سے پورا نہ ہوا تو انہوں نے تیسرا مقدمہ بھی مولوی کرم الدین اور اُن کے ساتھ مولوی فقیر محمد کے خلاف دائر کروا دیا لیکن اس دفعہ حکیم فضل دین کی بجائے ایک دوسرے جانثار کو اس غرض کے لیے چنا گیا جن کا نام شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم، تھا۔ دورانِ مقدمہ جب شیخ صاحب سے اُن کی ذات پوچھی گئی تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہ صاحب بڑے عجیب و غریب تھے۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ شیخ کیوں کہلاتے ہیں تو کہا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ عدالت میں جب یہ پوچھا گیا کہ آیا آپ کے باپ کا نام چٹو ہے تو اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب ان کے والد کو عدالت میں بذریعہ سمن طلب کیا جن کے سمن پر یہ پتہ تحریر تھا:

(بنام چٹو ولد تا تا عرف سلطان بخش ذات مراسی ساکن جاڈلہ ضلع جالندھر)

---
[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولانا کرم الدین دبیر صفحہ ۳۸ تا ۴۰

باپ بیٹا چونکہ انتہائی سیاہ رنگ کے تھے، جب صفائی کے لیے عدالت میں ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہوئے تو حاضرین مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

اس مقدمے پر بھی اگرچہ مرزا صاحب کا بہت کچھ خرچ ہوا لیکن ساری کاروائی بیکار محض ثابت ہوئی کیونکہ اس میں مولوی کرم الدین اور مولوی فقیر محمد کو معمولی سا جرمانہ ہوا۔ رہے مقدمہ زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند از الۂ حیثیت عرفی تھا۔

چوتھے مقدمے کا پس منظر

مرزا صاحب کی ایما پر مولوی کرم الدین پر یکے بعد دیگرے تین مقدمات کی کارروائی اوراق میں بیان ہو چکی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور قادیانیت کی اس تاریخی آویزش میں مقدمات کی ابتدا بھی خود قادیانیوں کی جانب سے ہوئی اور مولوی کرم الدین صاحب اس سے تاریخی شخصیت بن گئے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ پہلے تھے جو مرزائیوں کی مقدمہ بازی کی زد میں آئے لیکن قادیانیوں کی جانب سے مقدموں کا آغاز شیش محل میں بیٹھ کر پتھر مارنے کی مثال تھا۔ شاید اس وقت ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ اس چھیڑ خوانی سے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ایک ایسا محاذ کھول دیا ہے جہاں انہیں محض پسپائی ذلت اور شکست کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ چنانچہ جب مولوی کرم الدین دبیر نے جواب آں غزل جوابی کاروائی کی تو ایک ہی مقدمے میں تینوں مقدموں کی کسر نکل گئی اور پھر مرزا صاحب کو اپنی زندگی میں کسی مسلمان پر مقدمہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ پھر مسلمان ہی قادیانیوں کی الگ حیثیت کو قانونی طور پر متعین کرانے کے لیے مقدمے کرتے رہے جن کا تذکرہ اس کتاب کے نفسِ مضمون کی زد میں آتا ہے اور جو مناسب موقعہ پر بیان ہوں گے کیونکہ قادیانیت کی بنیادوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیے ان مقدمات کا بھی ایک اہم کردار ہے جنہیں تاریخ محاسبہ قادیانیت کسی طور پر بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے وہ لوگ بھی قابلِ صد احترام ہیں جنہوں نے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد میں اس محاذ پر قادیانیوں کے ساتھ انتہائی نامساعد حالات میں بڑی جانفشانی کے ساتھ ایک انوکھی اور نرالی جنگ لڑی اور ہر بار فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئے یہ ان کے برحق ہونے کی ایک واضح دلیل ہے جو اہلِ بصیرت کے

درجہ تقویت ایمان ہے۔

مرزا صاحب کی بدگوئی اور بدزبانی کی چند مثالیں کتاب کے اوراق گذشتہ میں بیان ہو چکی ہیں مرزا صاحب اس لحاظ سے بڑے ہی عجیب انسان گذرے ہیں کہ انہوں نے مخالفین کو زبانی نہیں لکھ کر گالیاں دینے میں اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ تاریخ انسانیت شاید ایسی دوسری مثال پیش نہ کر سکے کہ جس میں کسی فرد نے فریق مخالف کو اخلاق سے اس قدر بغاوت کر کے انتہائی گندی گالیوں سے نوازا ہو۔ مرزا صاحب کی اس بدزبانی سے ملت کا کوئی فرقہ یا متنفس محفوظ نہیں رہا۔ خاص طور پر علمائے دین اور صوفیائے کرام جو مرزا صاحب کے دینی بغاوت کا پردہ چاک کرنے کی جسارت کرتے بڑی شدت سے مرزا صاحب کی گالیوں کا شکار ہو جاتے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ مرزا صاحب گالیاں دینے کے فن میں امام بن گئے اور شاید قیامت تک آپ کا یہ مقام برقرار رہے گا کیونکہ کوئی دوسرا اُن کے بالمقابل آکر اُن کے اس مقام کو چیلنج کرنے کی جسارت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب کا گالیوں سے ملوث انداز تحریر رفتہ رفتہ حکام وقت کی توجہ کا مرکز بنتا گیا اور انہوں نے سوچا کہ اگر اس شخص کے منہ میں لگام نہ ڈالی گئی تو اس طرح کسی وقت بھی نقص امن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے اور معاملہ خون خرابے تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ الفاظ کا گھاؤ تلوار سے زیادہ گہرا ہوتا ہے اور لوگ کسی وقت بھی مشتعل ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں چنانچہ گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈوئی کے اصرار پر مولانا محمد حسین بٹالوی کے بارے میں مرزا صاحب کو عدالت میں اقرارنامہ داخل کرنا پڑا کہ وہ آئندہ ایسی تحریر سے اجتناب برتیں گے جس سے کسی شخص کی ذلت، تحقیر یا رسوائی کا پہلو نکلتا ہو۔ یہ اقرارنامہ مرزا صاحب کی بدزبانی کا خود نوشت ثبوت ہے جسے قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

اقرارنامہ (۱۸۹۹)

نقل اقرارنامہ

"میں مرزا غلام احمد اپنے آپ کو بحضور خداوند تعالیٰ حاضر جان کر بہ اقرار صالح اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ

ا۔ ایسی پیش گوئی جس سے کسی شخص کی تحقیر (ذلت) کی جائے یا مناسب طور سے حقارت

(ذلت) سمجھی جاوے یا خداوند تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد ہو شائع کرنے سے اجتناب کروں گا۔

۲۔ میں اس سے بھی اجتناب کرونگا۔ شائع کرنے سے، کہ خدا کی درگاہ میں دعا کی جاوے کسی شخص کو حقیر (ذلیل) کرنے کے واسطے جس سے ایسا نشان ظاہر ہو کہ وہ شخص مورد عتاب الٰہی ہے۔ یا یہ ظاہر کرے کہ مباحثہ مذہبی میں کون صادق اور کون کاذب ہے

۳۔ میں ایسے الہام کی اشاعت سے بھی پرہیز کروں گا جس سے کسی شخص کا حقیر (ذلیل) ہونا مورد عتاب الٰہی ہونا ظاہر ہو یا ایسے اظہار کے وجوہ پائے جاتے ہوں۔

۴۔ میں اجتناب کروں گا ایسے مباحثے میں مولوی ابو سعید محمد حسین یا اس کے کسی دوست یا پیرو کے برخلاف گالی گلوچ کا مضمون یا تصویر لکھوں یا شائع کروں جس سے اس کو درد پہنچے میں اقرار کرتا ہوں کہ اس کے یا اس کے کسی دوست یا پیرو کے برخلاف اس قسم کے الفاظ استعمال نہ کرونگا۔ جیسا کہ دجّال۔ کافر، کاذب بطالوی۔ میں کبھی اس کی آزادانہ زندگی خاندانی رشتہ داروں کے خلاف کچھ شائع نہ کروں گا جس سے اس کو آزار پہنچے۔

۵۔ میں اجتناب کروں گا مولوی ابو سعید محمد حسین یا اس کے کسی دوست یا پیرو کو مباہلہ کے لیے بلاؤں اس امر کے ظاہر کرنے کے لیے کہ مباحثہ میں کون صادق اور کون کاذب ہے۔ نہ میں اس محمد حسین اس کے کسی دوست یا پیرو کو اس بات کے لیے بلاؤں گا کہ وہ کسی کے متعلق کوئی پیش گوئی کریں

۶۔ میں حتی الوسع ہر ایک شخص کو جس پر میرا اثر ہو سکتا ہے اس طرح کار بند ہونے کی ترغیب دونگا جیسا کہ میں نے فقرہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ میں اقرار کیا ہے۔ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء

دستخط مجسٹریٹ ضلع	دستخط بحروف انگریزی	دستخط مرزا غلام احمد
بحروف انگریزی مسٹر ڈوئی	کمال الدین پلیڈر	قادیانی [1]

عدالت سے وارننگ (۱۸۹۷ء)

اس پہلے ڈاکٹر کلارک کے مقدمے کے سلسلے میں مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور نے مرزا صاحب کو اسی نوعیت کی وارننگ دی تھی کہ آپ کی تحریریں فتنہ انگیز ہیں۔ جو کسی

[1] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولانا کرم الدین دبیر صفحہ ۴۳

وقت ملک کے اندر اشتعال کا باعث بن سکتی ہیں اس لیے آپ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ آپ نرم اور ملائم زبان استعمال کریں، نہیں تو آپ کے خلاف مناسب کاروائی کی جائے گی۔ اس فیصلے کی نقل پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" نقل حکم مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۹۷ء اجلاس جی۔ ایم۔ ڈبلیو ڈگلس صاحب بہادر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری

مرزا غلام احمد قادیانی کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ اگرچہ بمقدمہ ڈاکٹر کلارک صاحب ان کے خلاف کافی شہادت نہیں ہے کہ ان سے ضمانت حفظِ امن کی لی جاوے لیکن جو تحریرات عدالت میں پیش کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ "فتنہ انگیز" ہیں۔ درآنحالیکہ کوئی شہادت اس کے باور کرنے کے واسطے نہیں ہے کہ مرزا صاحب خود یا کسی دیگر شخص کی معرفت نقضِ امن کریں گے۔ مگر ان کی تحریرات اس قسم کی ہیں کہ انہوں نے بلاشبہ طبائع کو اشتعال کی طرف مائل کر رکھا ہے اور مرزا صاحب کو ذمہ دار ہونا چاہیئے کہ یہ تحریرات ان کے مریدان پر کیا اثر رکھیں گی پس مرزا صاحب کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ملائم اور مناسب الفاظ میں اپنی تحریرات استعمال کریں۔ ورنہ بہ حیثیت صاحب مجسٹریٹ ضلع ہم کو مزید کاروائی کرنا پڑے گی۔

دستخط صاحب مجسٹریٹ ضلع مسٹر ڈگلس صاحب — دستخط مرزا غلام احمد بقلم خود"[۱]

یہ دونوں تحریریں مُنہ بولتا ثبوت ہیں کہ مرزا صاحب کے قلم سے مخالفین کے لیے سخت الفاظ استعمال ہوتے رہے ہیں۔ یہ ثبوت اس لیے بھی اہم ہے کہ عدالت نے خود مرزا صاحب کے دستخطوں سے ان تحریروں کو حاصل کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے مراحل جن میں سے مرزا صاحب کو دونوں مرتبہ گذرنا پڑا۔ ایک مرتبہ اقرار نامہ داخل کرنا پڑا اور دوسری مرتبہ وارننگ پر دستخط کرنے پڑے۔ ایک شریف انسان کے لیے مقامِ عبرت بھی ہے۔ لیکن اب یہاں کیا کیا جائے کہ ایک شخص عدالت میں خدا کو حاضر ناظر جان کر حکام کے سامنے آئندہ احتیاط کا عہد کرتا ہے اور لکھ کر دے دیتا ہے لیکن بعد میں پھر اُسی ڈگر پر چل نکلتا ہے جس کی وجہ سے اُسے پہلے ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ذلّت و رسوائی جس کے مقدر میں ہو وہ خود اپنی رسوائی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ عہد شکنی

---

[۱] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر ص ۱۴۳-۱۴۴۔ قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۵۱۳-۵۱۴

علاماتِ منافقت میں سے ہے اور اس کا ثبوت بھی "مذاہب الرحمٰن" نامی ایک کتاب لکھ کر دیا۔ جس میں انہوں نے مولوی محمد حسن فیضی کو کھلم کھلا گالیاں دی تھیں۔ مولوی صاحب کو اس کے لیے کیوں چنا اس کا جواب اوراق گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔ ان گالیوں سے ان کے عم زاد بھائی مولوی کرم الدین دبیر کو انتہائی صدمہ ہوا۔ کیونکہ مولانا محمد حسن فیضی کی وفات کو ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا۔ پیارے بھائی کی وفات کے بعد مرزا صاحب کی جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ انہیں شاق گذری اور انہوں نے مرزا صاحب کو نوٹس بھیج دیا کہ آپ پر اس امر کی نالش کی جائے گی کہ آپ نے اُن کے مرحوم بھائی کی توہین کر کے ان کی دل آزاری کی ہے اس پر قادیان میں کھلبلی مچ گئی چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے قانونی مشیروں سے مشورہ کر کے پیش بندی کے طور پر مولوی صاحب پر اپنے مریدِ خاص حکیم فضل دین بھیروی کے ذریعے یکے بعد دیگرے تین مقدمات دائر کروائے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے لیکن بعد میں مولوی کرم الدین نے بھی اپنے نوٹس کے مطابق مرزا صاحب اور اُن کے مرید حکیم فضل دین بھیروی پر جہلم میں رائے سنسار چند کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمے میں مرزا صاحب بذریعہ وارنٹ بضمانت ایک ہزار روپیہ طلب ہوئے اور بعض مریدین خاص بھی بلائے گئے۔ مقدمے کے دوران مرزا صاحب کے قانونی مشیروں نے یہ اعتراض پیش کیا کہ مقدمہ مولانا محمد حسن فیضی کے پسران کی جانب سے دائر ہونا چاہیئے تھا۔ اُن کی موجودگی میں مولوی کرم الدین کو مقدمہ دائر کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس پر مرزا صاحب انتہائی خوش ہوئے اور جہلم سے واپسی کے موقعہ پر اپنے ایک کتابچہ "مواہب الرحمٰن" جس میں مقدمہ ہذا کا کچھ تذکرہ بھی تھا اور مولوی کرم الدین کو گالیاں بھی دی گئی تھیں تقسیم کیا گیا اور اس طرح مرزا صاحب نے براہِ راست مولوی کرم الدین کو مقدمہ دائر کرنے کا موقعہ مہیا کر دیا۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۷ ارجنوری ۱۹۰۳ء کو پہلے مقدمہ کی پیشی تھی۔ مرزا صاحب کے وکلاء نے یہی استدلال پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مولانا محمد حسن فیضی کے بیٹوں کی موجودگی میں مولوی کرم الدین کو مقدمہ دائر کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ عدالت نے اس پر صاد کرتے ہوئے استغاثہ داخل دفتر کر دیا۔ اس پر مرزائیوں نے فتح کے نعروں سے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ بڑے بڑے اشتہار چھاپ کر مرزا صاحب کو مبارکباد دی گئی۔ اسے اپنی سچائی کا ثبوت بنا کر پیش کیا گیا لیکن قادیانیوں کو کیا خبر تھی کہ دوسرے

دلہ میں یہ ساری خوشیاں عارضی ثابت ہونے والی ہیں جس میں مرزا صاحب کو سات سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کی سزا ملنے والی تھی۔

اس مقدمے پر ایک نوٹ اُس وقت کے اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی میں یکم فروری ۱۹۰۵ء کو شائع ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمے کی فتح کو قادیانوں نے اپنے مؤقف کی تائیدوں میں استعمال کیا:

"مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک مقدمہ میں فتح کی خوشی میں ان کے مریدانِ باصفا نے مرزا صاحب کے مراتب کو اور بھی بلند فرما دیا ہے چنانچہ اخبار "الحکم" کے ضمیمے میں جو اس عظیم الشان فتح پر ان کو مبارکباد دی گئی ہے اس میں سے ذیل کے الفاظ ہم نقل کرتے ہیں۔

"اے خدا کے برگزیدہ رسول الحق خدا تیرے ساتھ کھڑا ہوا ہے اے نبی اللہ تجھے وہ بشارت ملی ہے جس کا وعدہ بشارۃ تلقاھا النبیون میں پوالعید کو دیا گیا ہے۔ لاریب خدا تعالےٰ کے وہ سارے وعدے جو اس نے اس مقدمے کے متعلق کیے تھے پورے ہوئے ان تمام پیش گوئیوں کے پورا ہونے پر تجھ کو اور تیری قوم کو مبارکباد دیتے ہیں۔" [1]

اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی کا تبصرہ

ہم نے تو ایک سابقہ پرچے میں پیشگوئی کر دی تھی اور اس کے واسطے کسی الہام کی ضرورت نہیں تھی کہ مرزا صاحب کو آجکل جو الہامات ہو رہے ہیں اُن کی تعبیر عنقریب ان مقدمات کے نتائج سے کی جائے گی۔ مقدمہ جو مرزا صاحب اور ان کے دوستوں کے خلاف تھا۔ جہاں تک ہم نے سُنا ہے اس امر کا تھا کہ مولوی محمد حسن صاحب جو موضع بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے اُن کی نسبت کچھ نالائق اور ناشائستہ الفاظ انہوں نے یا اُن کے کسی دوست نے لکھے تھے۔ ان الفاظ کی بنا پر مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کے ایک رشتہ دار مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب وغیرہ پر ازالہ حیثیت عُرفی کی نالش کر دی تھی۔ عدالت کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا مولوی کرم الدین مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کا اتنا قریبی رشتہ دار

---

[1] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کرم دین دبیر صفحہ ۵۶، ۵۷

ہے کہ متوفی مولوی صاحب کو بُرا کہا جانے کی وجہ سے نالش کرنے کا مستحق ہے۔ عدالت نے یہ قرار دیا ہے کہ مولوی کرم الدین اتنا قریبی رشتہ دار نہیں ہے کہ دعویٰ کر سکے۔

اس مقدمہ کے متعلق وضاحت سے جو الہام مرزا صاحب کو ہوئے ہیں وہ دوران مقدمہ میں ہوئے ہیں جبکہ اُن کے وکلاء قانونی مشورہ دے چکے تھے اور اس واسطے ہم جانتے ہیں کہ ان الہامات کے معنی کیا ہیں لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس تقریب پر مرزا صاحب کے مراتب اور مناقب میں کوئی ترقی ہونے والی ہے اور غالباً خود مرزا صاحب کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں خدا کے برگزیدہ رسُول اور نبی اللہ ہو جائیں گے اور خاتم انبیاء ختم الرسل کی تعریفات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداک رُوحی یا رسُول اللہ) کے مبارک اور پیارے نام کے ساتھ گذشتہ تیرہ سو برس میں استعمال ہوتی رہی ہیں ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر مرزا صاحب اس ترقی کے مستحق ہوئے ہیں تو ہماری رائے میں ان وکیلوں کی جنہوں نے مرزا صاحب کو اس مقدمہ میں چھڑایا ہے نہایت حق تلفی کی گئی ہے۔ مقدمہ سے چھوٹنے والا تو امام سے برگزیدہ رسُول اور نبی ہو جائے اور مقدمے سے چھڑانے والے بیچارے کوئی خاص اور چھوٹنے والے سے بہتر رُتبہ کے مستحق نہ قرار دیئے جائیں۔ حالانکہ حالات نے مرزا صاحب کے وکلاء کو انعام میں ایک خاص ترقی دینے کا موزوں موقعہ پیدا کر دیا تھا یعنی مرزا صاحب کے تین وکلاء تھے۔ ان تینوں میں سے جن سے وہ راضی ہوئے ایک کو خدا دوسرے کو خدا کا بیٹا تیسرے کو رُوح القدس بنا دیا جاتا اور پھر تینوں مل کر خدا بنا دیے جاتے اور مرزا صاحب کے دین کے لحاظ سے یہ کوئی نئی اور اچھوتی بات نہ ہوتی۔ مرزا صاحب نے اپنے مضمون "کشتیٔ نوح" میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ مریم بنا دیئے گئے تھے اور پھر ان کو حمل ہو گیا تھا اور جب ان کو دردِ زہ ہوا تو وہ کھجور کے درخت کے نیچے چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے بچہ جنا اور وہ بچہ جننے کے بعد ان کو آخر کار کسی وقت معلوم ہوا کہ وہ دونوں ماں اور بچہ وہ خود ہی ہیں۔ تو جس دین میں یہ عجائبات ظہور پذیر ہو سکتے ہیں وہاں چند الہاموں کے اُلٹ پھیر سے ان بیچارے وکلاء کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے

جس کے وہ مستحق تھے اور اُمید ہے کہ مرزا صاحب اور اُن کے دوست اس پہلو پر غور
کر کے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔[1]

بہرحال ایک مقدمہ سے وکلاء صاحب نے مرزا صاحب کو نجات دلا دی۔ اور مقدمہ قانونی
سقم کی وجہ سے داخل دفتر ہو گیا۔ لیکن مرزا صاحب ایسے قابل اور لائق موکل ثابت ہوئے کہ دوسرے
مقدمے کا مصالحہ خود تیار کر کے مولوی کرم الدین کے ہاتھ میں دے گئے۔ کتاب "مواہب الرحمٰن" میں
مولوی صاحب کا صریح نام لکھ کر انہیں گالیاں دیں اور جہلم کے احاطہ کچہری میں اس کتاب کو خود
تقسیم کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب پہلے مقدمے کی خوشی میں مبارک باد وصول کرتے اور فتح کے ڈنکے
بجاتے ہوئے ابھی قادیان داخل ہی ہوئے تھے کہ کتاب مذکور کی بنا پر مولوی کرم الدین نے دوسرا
استغاثہ ۲۶ر جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں لالہ سنسار چند کی عدالت میں دائر کر دیا اور اس مقدمے کے
سلسلہ میں مرزا صاحب اور اُن کے حواری پھر دوبارہ جہلم میں طلب کر لیے گئے جس سے قادیان کی
تمنا پر پھر اوس پڑ گئی۔ ابتداء میں قادیانی حضرات نے اس مقدمے کو بھی معمولی نوعیت کا مقدمہ
سمجھا اور استغاثہ خارج ہونے کے الہام شائع کراتے رہے لیکن یہ مقدمہ پہلے مقدمے کے برعکس
مرزا صاحب اور اُن کے مریدوں کے اعصاب پر دو برس تک بُری طرح سے سوار رہا اور
بالآخر اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب کو آتما رام مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت سے پانچ صد روپیہ
جرمانہ یا چھ ماہ کی قید محض کی سزا ملی۔ اور اس طرح مرزا صاحب کو اپنی زندگی میں پہلی دفعہ وہ
اعزاز بھی مل گیا جس کے لیے اُن کی فطرت مدت سے بے چین تھی۔

اس مقدمے میں جس طرح مرزا صاحب کو تکالیف اٹھانا پڑیں۔ نیز فریق مخالف کی
طرح کا جواب دینا پڑا۔ یہ مقدمے کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے۔ اس تاریخی مقدمے کی تفصیل
اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے مرزا صاحب کی زندگی کے کئی پوشیدہ پہلوؤں سے بھی پردہ
اٹھتا ہے۔ پُر لطف مسائل سامنے آتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس دَور کے مسلمانوں نے
کس مِلّی جذبہ سے سرشار ہو کر مرزا صاحب کی تحریک کفر و الحاد کا بھرپور مقابلہ کیا۔ چنانچہ ذیل میں

[1] "تازیانہ عبرت" مصنفہ مولوی کرم دین دبیر صفحہ ۵۷

اس تاریخی مقدمہ کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

آغازِ مقدمہ و نقل استغاثہ

ابو الفضل مولوی محمد کرم الدین ساکن بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم مستغیث	بنام	مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام سکنائے قادیان ملزمان

جُرم دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیراتِ ہند۔

تمہید استغاثہ یوں ہے:

جنابِ عالی!

۱۔ مستغیث فرقہ اہل سُنت والجماعت کا مولوی ہے اور مسلمانوں میں خاص عزت و امتیاز

۲۔ مستغیث نے ایک استغاثہ فوجداری بعلت ازالہ حیثیت عُرفی برخلاف ملزمان نمبر ا نسبت اُس ہتک اور توہین کے جو انہوں نے بذریعہ تحریرات مطبوعہ میرے بھائی و مولوی محمد حسن فیضی مرحوم کی کی تھی عدالت لالہ سنسار چند صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل ضلع میں کیا ہوا تھا جس کی تاریخ پیشی ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء مقرر تھی۔

۳۔ ملزمان کو اس بات کا مجھ سے رنج تھا اس واسطے ملزم نمبر ا نے اپنی مصنفہ مؤلفہ کتاب "مواہب الرحمٰن" کے صفحہ ۱۲۹ پر مقدمہ مذکور کی پیشگوئی کے پیرایہ میں ایک تحریر شائع کی جس میں میرا صریح نام لکھ کر میری سخت تحقیر و توہین کی گئی اور میری حیثیت عُرفی کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس نیت سے کہ اس مضمون کی اشاعت پر مستغیث کی نیک نامی اور عزت کو مسلمانوں کے دلوں میں بے صدمہ پہنچے اور میری وقر و آبرو کو نقصان پہنچے۔ چنانچہ تحریر مذکور کے فقرات ذیل قابلِ غور ہیں

(الف) "ومن اٰیاتی ما انبانی العلیم الحکیم فی امر رجل لئیم وبہتانہ العظیم

(ترجمہ) از جملہ نشانہائے من اینست کہ خدا مرا در بارہ معاملہ شخص لئیم و بہتان بزرگ خبر داد (ص۱۲۹ سطر

اس فقرہ میں رجل لئیم جس کے معنی کمینہ شخص ہے۔ اس سے ملزم نے مُراد مستغیث کو رکھا

لفظ مستغیث کی نسبت سخت توہین و تحقیر کا کلمہ ہے اور بہتانِ عظیم کے لفظ سے ملزم نے
ذمے یہ خلافِ واقعہ اتہام لگایا کہ میں جھوٹے بہتان باندھنے والا ہوں اور ایسا اتہام میرے
بری سخت بے عزتی کا باعث ہے۔ کیونکہ جھوٹا بہتان باندھنا ایک اخلاقی اور شرعی جرم ہے
ب) ان البلاء یدعلی عدوی الکذاب المہین ترجمہ۔ یہ بلا میرے دشمن پر
جو کذاب (بہت ہی جھوٹا) اور اہانت کنندہ ہے۔ اس فقرے میں مستغیث کی نسبت کذاب کا
فا گیا ہے جس کا معنی بہت ہی جھوٹا ہے اور یہ ایک سخت تحقیر کا کلمہ ہے جس سے کوئی زیادہ مزیل
عرفی اور دل آزاری کا کلمہ نہیں ہو سکتا خصوصاً ایک مسلمان اور مولوی کی نسبت ایسا اتہام
ہت جھوٹ بولنے والا ہے اس کی نیک نامی اور عزّت کو بالکل غارت کر دینے والا ہے۔
(ج) فاذا اظہر قدر اللّٰہ علی ید عدوٍّ مبین اسمہٗ کرم الدّین
ترجمہ۔ پس ناگاہ ظاہر شد تقدیر خدا تعالیٰ بر دست دشمن صریح کہ نامِ اُو کرم الدین است
اس فقرے میں تصریح ہے کہ الفاظ مذکورہ فقرہ جات بالا کا مصداق مستغیث ہی ہے۔
کتاب "مواہب الرحمٰن" جس میں مستغیث کی ہتک تصریح کی گئی ہے۔ ۱۷؍ جنوری ۱۹۰۳ء کو
خاص شہر جہلم میں جو حدِ سماعت عدالتِ ہذا میں ہے کثرت سے شائع کی گئی اور خاص احاطہ
کچہری میں یہ کتاب بہت لوگوں میں ملزمان نے مفت تقسیم کی بلکہ ایک مجمع عظیم میں جس میں
مستغیث موجود تھا۔ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی جو ہمارے فرقہ کا ایک عالم شخص ہے ملزم ۱
نے بدست محمد دین کمپوڈر شفا خانہ جہلم جو اس کا مرید ہے بھیجی۔ جس سے ملزم مذکور کی
یہ نیت تھی کہ اس مجمع میں یہ کتاب پڑھی جانے سے مستغیث کی نیک نامی اور عزّت کو
نقصان پہنچے گا اور عام مسلمانوں میں اس کی خفّت ہوگی۔
- اس کتاب کی تحریر مذکور کی اشاعت سے میری سخت خفّت اور توہین ہوئی اور میری حیثیت
عُرفی کا ازالہ ہوا۔
- ملزم ۲ نے کتاب مذکور باوجود اس امر کے علم ہونے کے کہ اس میں صریح لائیبل
ہے اپنے مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں جس کا وہ مالک و مینجر ہے چھاپا۔ اور اس
کو شہر جہلم میں جو حدِ سماعت عدالت ہذا میں ہے بھیج کر شائع کیا۔

۷۔ چونکہ ملزمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی تشریح دفعات ۵۰۰ و ۵۰۲ تعزیرات ہند میں ہے اس لیے استغاثہ ہے کہ بعد تحقیقات ان کو سزا دی جائے اور اگر واقعات سے ملزمان کسی اور جرم کے مرتکب ثابت ہوں تو اس میں بھی ان کو سزا دی جائے۔

عرضی

مولوی کرم الدین ولد مولوی صدر الدین ذات آوان

ساکن بھین۔ چکوال۔ ضلع جہلم

۲۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

مقدمہ دائر ہو گیا تو مستغیث کے سرسری بیان کے بعد لالہ سنسار چند مجسٹریٹ نے حکیم فضل دین کے نام وارنٹ ضمانتی صادر اور مرزا غلام احمد ملزم کے نام سمن (جس میں حاضری کا حکم تھا) جاری کیا۔ ان دونوں ملزمان کی تاریخ پیشی ۱۶ر مارچ ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ تاریخ مقررہ سے پہلے قادیانیوں کے وکیل خواجہ کمال الدین نے ۲ر مارچ ۱۹۰۳ء کو مرزا صاحب کی جانب سے ایک درخواست عدالت میں پیش کی کہ ملزم کو زیر دفعہ ۲۰۵ ضابطہ فوجداری اصالتاً حاضری سے معاف فرمایا جائے۔ مجسٹریٹ نے تا حکم ثانی ملزم کو حاضری سے معاف کر دیا۔ اور اس کی جگہ اُس کے وکیل کے پیش ہونے کی اجازت دے دی

۱۶ر مارچ کی تاریخ پر حکیم فضل دین پیش ہوا۔ مرزا صاحب کی جانب سے ان کا وکیل پیش ہوا۔ اس تاریخ کو ملزمان نے دفعہ ۵۲۶ کے تحت ایک درخواست برائے التوائے مقدمہ عدالت میں پیش کی کیونکہ ملزمان مقدمے کو چیف کورٹ میں منتقل کرنے کی درخواست دینا چاہتے تھے۔ عدالت نے مقدمے کی سماعت کو ۲۸ر اپریل ۱۹۰۳ء تک ملتوی کر دیا۔ ۱۴ر اپریل کو ملزمان نے چیف کورٹ میں درخواست برائے انتقالِ مقدمہ پیش کی جو نا منظور ہوئی۔ اور مقدمہ لالہ چندو لال مجسٹریٹ درجہ اوّل کے سپرد ہوا۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ایک درخواست کے ذریعے مقدمے کو جہلم سے گورداسپور منتقل کرنے کو کہا تھا۔ اس درخواست میں مرزا صاحب نے گھر سے دُوری کی وجہ بتائی اور مشکلات کا ذکر کر کے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ تبدیل کرا لیا۔ لیکن جب لالہ چندو لال

ار اگست ۱۹۰۳ء کو ملزمان کو عدالت میں طلب کیا تو پھر قادیانی وکیل خواجہ کمال الدین
واست گذار دی کہ مرزا صاحب کو عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس
نوں طرف کے وکلاء نے بحث کی۔ استغاثہ کی طرف سے شیخ نبی بخش اور بابو مولا ل وکیل
نہوں نے کہا کہ ملزم کو حاضری سے اصالتاً معاف کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ خاص
یسے حالات میں جبکہ مستغیث اور اُس کے مددگار جہلم جیسے دور دراز علاقے سے یہاں
ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملزم غلام احمد قادیان سے نہ آسکے جو گورداسپور سے صرف
س کے فاصلہ پر ہے۔ لالہ سنسار چند نے ملزم کو اس لیے حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا تھا
یان سے جہلم دُور تھا۔ اب وہ بات ہی درمیان میں نہیں رہی اور مقدمہ جہلم کی بجائے
اسپور میں منتقل ہو چکا ہے تو مرزا صاحب کی حاضری سے معذوری کا کوئی جواز باقی نہیں
وکلاء کے درمیان اس مسئلے پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ لیکن قدرت کے ہاں بھی ایک
ہ پیش تھا۔ اور وہاں بھی فیصلہ ہو رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس نام نہاد پیغمبر کو ایک
جسٹریٹ کے سامنے کھڑا کر کے اس کی اصل حقیقت کو دنیا پر واضح کیا جائے کہ جسے سونا
جا رہا ہے پیتل ہے اور طوفان سے اگر پتہ اُوپر ہوا میں اُڑ جائے تو بلندی ہمیشہ کے
س کا مقدر نہیں بن جاتی بلکہ بالآخر اُسے دوبارہ طوفان کے بعد زمین پر ہی آن گرنا ہے
لوگوں کے پاؤں تلے روندے جانا اس کا مقدر رہے۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے قادیانیوں کی
راست کو مسترد کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اگلی پیشی پر مرزا صاحب کو بذاتِ خود تشریف لانا
ے گا۔ اس پہلی شکست پر قادیانی حضرات کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور اگلی پیشی کی تاریخ
ستمبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی جس دن مرزا صاحب کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری قرار دیا گیا
نچہ تاریخ مقررہ پر مرزا غلام احمد حکیم فضل دین کے ہمراہ لالہ چندو لال کی عدالت میں
ن ہوئے۔ لیکن اس دفعہ ایک دوسری درخواست قادیانیوں کی جانب سے یہ پیش کی گئی
س مقدمہ کی کارروائی کو اُس وقت تک ملتوی کر دیا جائے۔ جب تک اُن مقدمات کا
لہ نہیں ہوتا جو حکیم فضل الدین نے مولوی کرم الدین پر کر رکھے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب
وکلاء نے اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے دلائل سے اس درخواست کی نامعقولیت کو

عدالت میں ثابت کیا۔ کہ درخواست حیلے بہانے سے مقدمے کو ملتوی کرنے کی کوشش سے مستغیث کو ایک بڑے عرصے کے لیے سفر کی مشکلات میں مبتلا کر دیا جائے گا فاضل مجسٹریٹ نے استغاثہ کے وکلاء سے اتفاق کرتے ہوئے قادیانیوں کی اس دوسری درخواست کو بھی مسترد کر دیا اور اس طرح قادیانی مع اپنے پیغمبر کے مقدمے کے فیصلے سے پہلے دو شکست سے دوچار ہو کر رسوا ہوئے۔ مقدمے کی دوسری تاریخ ۷ اراکتوبر ۱۹۰۳ء ہوئی۔ اس دن عدالت میں مستغیث کا بیان قلمبند ہوا۔ اور گواہ استغاثہ جناب برکت علی کی شہادت ہوئی جس کے بعد تاریخ پیشی ۱۲-۱۳ ر نومبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ نومبر کی اس تاریخ کو فقط مرزا غلام احمد پیش ہوئے جبکہ دوسرے ملزم حکیم فضل الدین کے بارے میں کو بتایا گیا۔ کہ وہ بیمار ہیں اور انہیں حاضری سے معذور سمجھا جائے لیکن وکلاء استغاثہ نے اصرار کیا کہ وہ ضمانت پر ہیں اور ان کی حاضری عدالت میں انتہائی ضروری ہے۔ مجسٹریٹ چندو لال نے حکم دیا کہ ملزم نمبر ۲ حکیم فضل الدین کو اگر وہ بیمار ہیں تو چارپائی پر لایا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور قادیانی حکیم صاحب کو چارپائی پر اٹھا کر لے آئے یہ نظارہ دیدنی تھا۔ خاص طور پر مرزا صاحب کی حالت غیر تھی جو اپنی امت کو ہمیشہ نصرت کے الہام سنایا کرتے تھے لیکن یہاں اس کے برعکس پے در پے شکست اور پسپائی بن چکی تھی۔ چنانچہ گواہوں کی شہادت قلمبند ہوئی۔ گواہوں کے نام مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل

۲۔ ملک تاج دین واصل باقی نویس جہلم

۳۔ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

۴۔ مولوی عبد السبحان صاحب ساکن مسانیاں

۵۔ مولوی اللہ دتہ ساکن سوہل

وکیل ملزمان نے شہادت کے بعد جرح محفوظ رکھنے کی خواہش کی۔ مجسٹریٹ نے ایسی صورت میں فرد جرم کے بعد ہی جرح کی جا سکے گی۔ وکیل ملزمان نے تیاری نہ ہونے کیا۔ اور کہا کہ جرح کل کروں گا۔ اس پر مجسٹریٹ نے حکم دیا۔ کہ کل کا خرچہ گواہان کو دینا پڑے

قادیانی وکلا نے اس کی حامی بھر لی۔ اور مقدمہ دوسرے روز پر ملتوی ہوا۔

قادیانی عقائد

۱۳ نومبر کو مولوی کرم الدین پر جرح شروع ہوئی جو ۱۴ اور ۱۵ نومبر کو بھی جاری رہی۔ قادیانی وکلا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی مولوی صاحب کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اور مولوی صاحب ایسے اعتماد سے وکلاء کا جواب دیتے کہ خود سوال کرنے والے ہی ششدر رہ جاتے اس موقعہ پر مرزا صاحب نے اپنے عقائد کی ایک فہرست عدالت میں پیش کی جو درج ذیل ہے۔

"۱۔ حضرت عیسٰی السلام فوت ہو چکے ہیں (۲) حضرت عیسٰی صلیب پر چڑھائے گئے تھے اور غشی کی حالت میں زندہ ہی اُتارے گئے تھے (۳) حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر مع جسم عنصری نہیں گئے۔ (۴) حضرت عیسٰی علیہ السّلام آسمان سے نہیں اُتریں گے اور نہ کسی قوم سے وہ لڑائی کریں گے۔ ۵۔ ایسا مہدی کوئی نہیں ہوگا۔ جو دنیا میں آکر عیسائیوں اور دوسرے مذاہب سے جنگ کرے گا اور غیر اسلامی اقدام کو قتل کر کے اسلام کا غلبہ دے گا (۶) اس زمانہ میں جہاد کرنا یعنی اسلام پھیلانے کے لیے لڑائی لڑنا بالکل حرام ہے۔ (۷) یہ بالکل غلط ہے کہ مسیح موعود آکر صلیبوں کو توڑتا اور سوروں کو مارتا پھرے گا۔ ۸۔ میں مرزا غلام احمد مسیح موعود مہدی موعود، امام زماں، مجدد وقت اور ظلّی طور پر رسول اور نبی اللہ ہوں اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ ۹۔ مسیح موعود اس اُمت کے تمام گذشتہ اولیا سے افضل ہے (۱۰) مسیح موعود میں خدا نے تمام انبیاء کے صفات اور فضائل جمع کر دیئے ہیں۔ (۱۱) کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ (۱۲) مہدی موعود قریش کے خاندان سے نہیں ہونا چاہیئے۔ ۱۳۔ اُمتِ محمدیہ کا مسیح اور اسرائیلی مسیح دو الگ الگ شخص ہیں اور مسیح محمدی اسرائیلی مسیح سے افضل ہے۔ (۱۴) حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کوئی حقیقی مردہ زندہ نہیں کیا۔ ۱۵۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا۔ (۱۶) خدا کی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منقطع نہیں ہوئی"۔ ۱؎

ان عقائد میں سے سب اسلام کے بتلائے ہوئے احکامات اور بنیادی اصولوں کے سراسر خلاف ہیں۔ چنانچہ اس مقدمے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مرزا صاحب نے طور پر اپنے عقائد کو ایک جگہ جمع کر کے عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔

اس کے بعد عدالت کی کارروائی ختم ہوئی اور اگلی پیشی کی تاریخ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء ہوئی۔

۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۳ء

اس پیشی پر گواہان استغاثہ بھی حاضر تھے اور مرزا غلام احمد بھی عدالت میں پیش تھے۔ مولوی غلام محمد قاضی تحصیل چکوال کی شہادت ہوئی لیکن دوران شہادت عدالت نے غلام احمد سے بعض باتیں پوچھنا چاہیں تو مرزا صاحب نے ان کا جو جواب عدالت کو دیا درج ذیل ہے۔

سوال۔ کیا "مواہب الرحمن" آپ کی کتاب ہے؟

جواب۔ میری تصنیف ہے۔

سوال۔ یہ الفاظ۔ لئیم، کذاب۔ بہتان عظیم کلمات تحقیر ہیں کہ نہیں؟

جواب۔ جو شخص ان کا مصداق نہ ہو اس کی نسبت تحقیر کے کلمات ہیں۔

سوال۔ صفحہ ۱۲۹ کا مضمون مستغیث کی نسبت ہے یا کیا؟

جواب۔ ہاں مستغیث کی نسبت ہے۔

سوال۔ کیا آپ مستغیث کو ان الفاظ کا مصداق سمجھتے تھے؟

جواب۔ ہاں سمجھتا تھا۔

سوال۔ کیا آپ نے یہ کتاب جہلم میں تقسیم کی؟

جواب۔ جہلم میں یہ کتاب تقسیم ہوئی تھی جو میرے سامنے میرے آدمیوں نے شائع کی تھی میں بیان میں تحریری بذریعہ وکیل دینا چاہتا ہوں جو بعد میں دیا جائے گا۔

۱؎ تازیانہ عبرت مولوی کرم دین دبیر صفحہ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲

سوال۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ صفحہ ۱۲۹ مواہب الرحمٰن جس میں الفاظ لئیم وغیرہ آئے ہیں کس تاریخ کو آپ نے لکھا اگر ٹھیک تاریخ یاد نہیں ہے تو قریباً قریباً تاریخ اس صفحہ کی تحریر کی کونسی ہے؟

جواب: ۱۲-۱۳-۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو یہ صفحہ میں نے لکھا تھا۔ مختلف صفحوں کا مضمون مختلف تاریخوں پر لکھتا رہا ہوں جیسا کہ مضمون بنتا گیا ویسا لکھتا گیا۔ تاریخوں کی کوئی یادداشت میرے پاس نہیں ہے مگر زبانی یادداشت سے مجھ کو یہ تاریخیں یاد ہیں۔

سوال۔ کیا آپ نے اس کتاب کا کوئی مضمون ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے پہلے بھی لکھا تھا؟

جواب۔ میں اس کو اچھی طرح سے بیان نہیں کر سکتا۔ یعنی مجھ کو یہ یاد نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔

العبد مرزا غلام احمد بحروف فارسی

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء۔ میں خود پڑھ کر دستخط کئے۔

دستخط حاکم

مرزا غلام احمد کے اس بیان کے بعد مولوی غلام محمد کی شہادت ہوئی جس کے بعد عدالت کی کاروائی اگلے روز ۱۶۔ دسمبر تک کے لیے ملتوی ہو گئی۔ ۱۶ر دسمبر کو مولوی برکت علی منصف بٹالہ کی شہادت شروع ہوئی۔ موصوف چونکہ علاقے کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ اس لیے اس دور و نزدیک سے کافی لوگ کاروائی سننے کے لیے عدالت میں جمع تھے۔ مرزائی وکلا نے بڑی محنت سے مولوی برکت علی پر جرح کی۔ تاکہ اُن کی کسی بات سے مقدمہ میں انہیں مدد مل سکے۔ لیکن مولوی صاحب نے اپنی قابلیت اور فہم و فراست سے قادیانیوں کو اپنے مقصد میں ناکام بنا دیا۔ اثنائے جرح میں وکیل ملزمان (خواجہ کمال الدین) نے ایک چھپی ہوئی عربی تحریر مولوی برکت علی کے سامنے پیش کی (جس کو مرزا صاحب نے نہ جانے کتنی عربی لُغات کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کیا تھا) اور اُس کے ترجمے کا چیلنج دیا۔ مولوی صاحب نے مرزا صاحب کا یہ چیلنج قبول کرتے ہوئے ترجمہ کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن عدالت نے اسے کارِ فضول سمجھ کر انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اس پر مولوی صاحب نے

ایک عربی نظم ہاتھ میں لے کر مرزا صاحب کی طرف بڑھائی اور کہا کہ آپ کو عربی کی لیاقت پر اتنا ناز ہے تو آپ اس نظم کا اُردو میں ترجمہ کر دیں۔ میں عدالت میں آپ کا مرید بننے کا اعلان کردونگا۔ لیکن مرزا صاحب نظم دیکھتے ہی منقار زیر پر ہو گئے۔

۱۷ دسمبر کو مرزا صاحب کے خلاف مشہور اہل حدیث عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسری جو مرزا صاحب کے مدمقابل کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے پیش ہوئے۔ قادیانی حضرات خاص طور پر مولانا کو دیکھنے کے لیے ایک کثیر تعداد میں موجود تھے۔ مولانا پر جرح کرنے کے لیے قادیانیوں نے اپنے علماء کی ایک کثیر تعداد طلب کر رکھی تھی۔ ان میں اُن کے مشہور و معروف عربی دان مولوی محمد احسن امروہی تھے قادیانی وکلاء اور علماء کی متفقہ کوششوں سے وہ سوالات مرتب ہوئے جو کمرۂ عدالت میں مولانا ثناء اللہ امرتسری سے پوچھے گئے۔ لیکن آپ کا ہر جواب مرزائیوں کو حیران و ششدر کر دیتا تھا۔ قادیانیوں نے مولانا کو رگیدنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن مولانا ہر بار اپنے جواب سے انہیں ناکام کر دیتے۔ آخر مرزائیوں نے جب غیر متعلقہ سوالات کا ذکر چھیڑ دیا تو عدالت نے مداخلت کرتے ہوئے جرح کو وہیں روک دیا اور یوں حیاتِ مسیح وفاتِ مسیح کی بحث کا قادیانی منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ ۱۷ دسمبر سے ۱۹ دسمبر تک مولانا ثناء اللہ امرتسری پر قادیانی جرح کرتے رہے اور ۱۹ دسمبر کو عدالت کی کارروائی ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء تک کے لیے ملتوی ہو گئی۔

۱۳ جنوری کو عدالت میں جم غفیر تھا مسلمان اور قادیانی دونوں موجود تھے ۱۱ بجے صبح کارروائی کا آغاز استغاثہ کی بحث سے ہوا۔ استغاثہ کے وکیل بابو مولا مل اور خود مولوی کرم الدین صاحب نے اس بحث کو انتہائی مؤثر طریقے سے جاری رکھا۔ ان حضرات کے استدلال، حاضر جوابی اور قابلیت نے قادیانیوں کو مبہوت کر دیا۔ مرزا غلام احمد چونکہ عدالت میں موجود تھے اس لیے مولوی کرم الدین صاحب کے اندازِ گفتگو میں بلا کی روانی اور جوش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اُسی روز عدالت کی کارروائی کے بعد مرزا صاحب شدید بخار کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور دوسرے روز مرزا صاحب نے اپنی بجائے بیماری کا سرٹیفکیٹ

اپنی جان بچائی۔ ۱۴ر جنوری کی اس کارروائی میں دوسرے ملزم حکیم فضل الدین نے اپنے وکیل کے ذریعے عدالت میں مقدمہ کے التوا کی درخواست دی۔ کیونکہ وہ زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ مقدمہ دوسری عدالت میں منتقل کرنے کی درخواست دینا چاہتا تھا۔ اس پر وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ مقدمہ جبکہ اپنے اہم ترین مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ دوسری عدالت میں منتقل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن عدالت نے مرزائیوں کی درخواست سن کر کارروائی ۱۴ر فروری تک ملتوی کر دی۔ اس دوران قادیانیوں نے درخواست انتقال مقدمہ پیش کر دی

درخواست انتقال مقدمہ

قادیانیوں نے بذریعہ مسٹر "اورٹیل" ایڈووکیٹ کے ذریعے جو درخواست انتقالِ مقدمہ سیشن عدالت میں پیش کی اُس کی نقل درج ذیل ہے:۔

جنابِ عالی! وجوہاتِ درخواست حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جبکہ مجسٹریٹ نے بروئے فیصلہ خود بمقدمہ دغا برخلاف مستغیث یہ قرار دیا تھا کہ مستغیث ہی ان خطوط کا لکھنے والا ہے۔ جن میں متنبہ دستخطی نوٹ محمد حسن فیضی متوفی کا ذکر ہے اور وہ ان چٹھیوں کا بھی لکھنے والا ہے جو اُس کے مضمون "سراج الاخبار" میں شائع ہوئیں۔ مجسٹریٹ کو مقدمہ ہذا شروع میں ہی خارج کر دینا چاہیئے تھا۔

۲۔ یہ کہ برخلاف اس کے عدالت ماتحت نے غیر معمولی جلدی کے ساتھ مقدمہ شروع کیا اور اپنا مصمم ارادہ ملزمان پر فرد جرم لگانے اور مجرم قرار دینے کا ظاہر کیا۔

۳۔ یہ کہ تمام دورانِ مقدمہ میں مجسٹریٹ نے استغاثہ کی طرف رعایت ظاہر کی مثلاً

(الف) مستغاث علیہ مرزا غلام احمد کو اصالتاً حاضری کے لیے مجبور کرنا، جبکہ حاضری معاف ہو چکی تھی اور مقدمہ خفیف سے خفیف تھا۔

اور اُن کی اصالتاً حاضری بالکل غیر ضروری تھی۔

(ب) کئی مواقع پر مرزا غلام احمد سے استفسار کیا گیا باوجودیکہ وکیل نے اعتراض کیا کہ اس استفسار کی غرض استغاثہ کی شہادت کی کمی کو پورا کرنا ہے

(ج) مستغاث علیہ حکیم فضل الدین کو عدالت سے باہر رہنے کا حکم دینا جبکہ فضل الدین کی صحت خطرناک حالت میں تھی۔

(د) ثناء اللہ گواہ کی جرح کو پورا کرنے کی اجازت نہ دینا اور مقدمہ کو جلد ختم کرنے میں بڑی بے صبری ظاہر کرنا۔

(ل) مستغاث علیہم کے تحریری بیان لینے سے اس طرح انکار کرنا جبکہ اُس کے تحریری بیان میں یہ دکھایا گیا تھا کہ اُن کے برخلاف کوئی جرم نہیں

(س) الفاظ استغاثہ کردہ کے ایسے معانی کے ثبوت کرنے کی اجازت دینا جو استغاثہ میں نہیں ہے باوجودیکہ زبانی حکم کے ذریعے اس کے برخلاف خود فیصلہ عدالت نے کر دیا تھا۔

(ص) مستغاث علیہم کو شہادت استغاثہ کی جرح کے لیے ایک حد تک اخراجات کا ذمہ دار کرنا۔

۴ــ یہ کہ متعلقہ مقدمہ دعا میں برخلاف مستغیث کے مجسٹریٹ نے جن مبیّنہ بیانات شہادت استغاثہ و بیان مرزا غلام احمد صاحب پر ملزم کو بری کیا وہ بیان مسل میں نہیں۔

۵ــ لہٰذا سائلان کو سخت خطرہ ہے کہ ان کا مقدمہ بے رو رعایت بعدالت مجسٹریٹ صاحب ہو سکے لہٰذا درخواست ہے کہ مقدمہ عدالت حضور میں انتقال ہو۔

عرضے

حکیم فضل الدین سائل ۴ فروری ۱۹۰۴ء[1]

---

[1] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر صفحہ ۱۰۵-۱۰۶

اس درخواست پر ڈپٹی کمشنر نے مستغیث کے نام نوٹس جاری کر دیا اور انہیں ۱۲ فروری کو بمقام "علی وال" جہاں پر صاحب موصوف دورے پر تھے پہنچنے کا حکم دیا۔ قادیانیوں کی جانب سے مولوی محمد علی خواجہ کمال الدین، مسٹر اورٹیل بیرسٹرایٹ لا موجود تھے جبکہ مولوی کرم الدین اور اُن کے وکیل مولامل بھی اس جگہ پر موجود تھے۔ مسٹر اورٹیل نے انتہائی محنت سے انتقال مقدمہ کے حق میں قادیانیوں کی جانب سے دلائل پیش کیے۔ اور درخواست کی کہ مقدمہ کسی دوسری عدالت میں منتقل ہونا چاہیے۔ جبکہ مولوی صاحب کے وکیل نے اس کی مخالفت کی اور بیان کیا کہ انتقالِ مقدمہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے اور انتقالِ مقدمہ سے مستغیث کو بعض دشواریوں کا سامنا کرنا پڑیگا کیونکہ دُور دراز ضلع جہلم سے آتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے دونوں جانب سے دلائل سُننے کے بعد مرزائیوں کی درخواست کو رد کر دیا اور حکم دیا کہ مقدمہ اسی عدالت میں جاری رہے گا جہاں مقدمہ چل رہا ہے اس فیصلے پر مرزائی انتہائی ندامت اور حسرت سے عجیب وغریب کیفیت میں مبتلا ہوئے۔ ذیل میں اُس انگریزی فیصلے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو مسٹر سی۔ ایم ڈلس ڈپٹی کمشنر نے کیا تھا۔

نقل فیصلہ :۔

" بحث وکلائے فریقین سُنی گئی۔ کرم الدین کا وکیل انتقال کی بابت اس وجہ سے اعتراض کرتا ہے کہ یہ مقدمات ایک مجسٹریٹ نے ایک حد تک سماعت کیے ہیں۔ میرا مؤکل جو جہلم سے آتا ہے اس کو دوبارہ گواہوں کے بلانے سے بلاوجہ سخت حرج اور تکلیف ہوگی۔ یہ دُرست ہے کیا کوئی وجوہات ہیں جن سے فرض کیا جائے کہ مجسٹریٹ نے پہلے ہی سے اس مقدمے کا فیصلہ سوچ لیا ہُوا ہے۔ میں ایسا خیال نہیں کرتا اُس نے ان مقدمات کو بہت کچھ سُن لیا ہے لیکن ہنوز ان مقدمات میں فردِ جرم نہیں لگایا۔ تینوں مقدمے ایک ہی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یعنی استغاثہ کی شہادتیں ختم ہو گئی ہیں صرف وکلاء کی بحث کا انتظار ہے پس یہ ممکن نہیں کہ اس حد پر یہ کہا جائے کہ مجسٹریٹ فرد لگانا چاہتا ہے

یا نہیں۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے فیصلہ کرنے میں بہت دیر لگائی ہے اس واسطے یہ وجوہات ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ مرزائی جماعت کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مگر میں یہ بات نہیں دیکھتا۔

یہ توقف طویل بحث اور جرح طرفین کے باعث ہوئی ہے اور بیماری کی وجہ سے التوا کی درخواستیں کرنے کے باعث اور آخرکار انتقال کی یہ درخواستیں دینے پر میں نہیں دیکھتا ایک طرف کو دوسرے کی نسبت زیادہ الزام دوں۔ مقدمات کی کیفیت کے بارے میں مجھے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہیں دیکھتا کہ مجسٹریٹ نے مرزا غلام احمد یا فضل دین کی بابت کوئی کمی کی ہو۔ مرزا عدالت کی حاضری سے جب تک کہ حاضری ضروری ہو معاف کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے فریق کی درخواست پر اُس کو بلایا گیا ہے۔ جب تک کہ ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ نہیں دکھایا گیا۔ کہ وہ بوجہ بیماری حاضری سے معذور ہے۔ حکیم فضل دین نے درخواست کی کہ وہ بیمار ہے اس کو باہر لیٹنے کی اجازت دی جائے کیونکہ وہ عدالت میں کھڑا نہیں ہو سکتا اُسے یہ اجازت دی گئی۔ مجسٹریٹ نے ان دونوں (مرزا غلام احمد اور حکیم فضل دین) کی بابت ہر ایک رعایت کی ہے لیکن ان مقدموں کے انتقال کرنے سے انکار کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مجھے انصافاً یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدمات اسی مجسٹریٹ کو فیصل کرنے چاہئیں اور خاص کر جبکہ اس نے ان مقدمات کو اس قدر سُن لیا ہے۔ ان مقدمات میں سے جو جہلم میں دائر کیا گیا تھا۔ چیف کورٹ کے حکم سے اس ضلع میں تبدیل کیا گیا ہے اور معزز ججوں نے یہ لکھا ہے کہ ان کا ایک ہی جج فیصلہ کرے۔ اور مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ مجسٹریٹ نے کوئی تعصب نہیں کیا ہے۔ میں اس موقعہ پر اور زیادہ اس امر کو مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمات یہی مجسٹریٹ فیصلہ کرے اور ان کا فیصلہ جہاں تک ہو جلدی کیا جائے مذکورہ بالا دلائل سے انتقال کی درخواستیں تینوں مقدمات کی بابت نامنظور ہیں علی وال ۱۲ فروری ۱۹۰۴ء۔ دستخط ڈپٹی کمشنر بہادر۔ گورداسپور "[1]

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر صفحہ ۱۰۷-۱۰۸

فردِ جرم عائد ہوگئی (۱۰۔ مارچ ۱۹۰۴ء)

مرزائیوں کے انتقالِ مقدمہ کی درخواست مسترد ہوگئی تو مقدمے کی مسلیں دوبارہ لالہ چندولال مجسٹریٹ کی عدالت میں واپس آئیں۔ جس پر عدالت نے ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء کو مقدمہ کی تاریخ مقرر کرکے فریقین کو نوٹس جاری کر دیئے۔ تاکہ ہر دو فریق عدالت میں حاضر ہوکر مقدمے کی پیروی کریں۔ ۱۶ فروری کو مرزا صاحب قادیان سے گورداسپور پہنچ گئے لیکن گورداسپور آکر ان کی طبیعت سخت خراب ہوگئی۔ چنانچہ عدالت میں اُس روز مرزا صاحب کے وکیل نے طبی سرٹیفکیٹ پیش کیا کہ مرزا صاحب بیماری قلب میں مبتلا ہیں۔ اس واسطے وہ حاضری سے معذور ہیں۔ اس پر عدالت نے مرزا صاحب کو ایک ماہ تک اصالتاً حاضری سے معاف کر دیا۔ اُسی روز قادیانیوں کے بڑے انگریز وکیل مسٹر اورٹیل کا ایک تار عدالت میں آیا کہ ملزمان کی جانب سے چونکہ انتقالِ مقدمہ کی درخواست چیف کورٹ میں داخل کر دی گئی ہے اس لیے عدالت کاروائی نہ کرے۔ عدالت نے چنانچہ اُس روز کاروائی کو ملتوی رکھا۔ لیکن ۲۳۔ فروری کو چیف کورٹ نے بھی مرزائیوں کے انتقالِ مقدمہ کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ ۲۳۔ فروری کو مرزائی جماعت اُسی عدالت میں مقدمے کے لیے حاضر ہوئی۔ عدالت نے ۸ مارچ تاریخ پیشی مقرر کی۔ اس روز خواجہ کمال الدین نے تردید استغاثہ پر عدالت میں تقریر کی جس کے جواب میں مستغیث نے ۱۸۔ اوراق پر مشتمل تحریری بحث ۱۰ مارچ کو عدالت میں پیش کر دی جس پر مجسٹریٹ صاحب نے غور کے بعد فرد قرار داد جرم دونوں مجرموں (مرزا غلام احمد اور حکیم فضل دین) پر عائد کر دی۔ ۱۰ مارچ کو ہی حکیم فضل دین کا جواب بھی لے لیا گیا۔ لیکن مرزا صاحب کے جواب کے لیے ۱۴۔ مارچ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ چنانچہ فردِ جرم پر مرزائیوں کے حوصلے انتہائی طور پر پست ہوگئے۔ اور انہیں کچھ سوجھتا نہ تھا کہ اس مقدمے سے کیونکر نجات حاصل کی جائے۔ انہیں وہ وقت یاد نہیں آتا تھا جب انہوں نے مولوی کرم الدین پر مقدمے دائر کرکے اس مقدماتی چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا تھا۔

ذیل میں فردِ جرم کی نقل پیش کی جاتی ہے۔

"میں لالہ چند دلعل صاحب مجسٹریٹ اس تحریر کی رُو سے تم مرزا غلام احمد ملزم پر حسبِ تفصیل ذیل الزام قائم کرتا ہوں کہ تم نے کتاب مواہب الرحمٰن تصنیف کر کے شائع کی جس میں صفحہ ۱۲۹ میں مستغیث کی نسبت الفاظ لیئم بہتانِ عظیم اور کذّاب استعمال کیے جو اُس کی توہین کرتے ہیں۔ اور یہ کہ تم نے تاریخ ۱۷ ماہ جنوری ۱۹۰۳ء کو اس کے قریب جہلم میں شائع کیے لہٰذا تم اس جرم کے مستحق ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ میں مقرر ہے اور جو میری سماعت کے لائق ہے اور میں اس تحریر کے ذریعے حکم دیتا ہوں کہ تمہاری تجویز بر بنائے الزام مذکور عدالتِ موصوفہ کے (یا ہما لیے) روبرو عمل میں آئے۔"

عدالت صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل ضلع گورداسپور

مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء

دستخط رائے چند دلعل صاحب مجسٹریٹ درجہ اول بحروفِ انگریزی

(نوٹ) ملزم عدالت کی اجازت سے غیر حاضر ہے اس کو واسطے جواب کے تقرر ۱۴ مارچ ۱۹۰۴ طلب کیا جاوے۔[1]

دستخط حاکم

لیکن مرزا صاحب نے ۱۴ مارچ کو بھی عدالت میں حاضری نہ دی اور اپنے وکیل کے ذریعے طبّی سرٹیفکیٹ بھجوا دیا۔ اس پر وکلاءِ استغاثہ نے اعتراض کیا کہ یہ روزمرہ کی بیماری محض مقدمے کو لمبا کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ اگر مرزا صاحب کی صحت واقعی خراب ہے اور وہ اس قابل بھی نہیں رہے کہ قادیان سے گورداسپور آ کر عدالت میں حاضری دے سکیں تو اس کے لیے باقاعدہ سول سرجن کا سرٹیفکیٹ پیش کیا جائے اس سے کم ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کو آئندہ معتبر خیال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس پر بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ آئندہ سول سرجن کا سرٹیفکیٹ مرزا صاحب کی غیر حاضری کے لیے ضروری ہوگا۔ چنانچہ ۱۵ مارچ کو سول سرجن کا سرٹیفکیٹ عدالت میں پیش کر دیا گیا جس کی نقل درج ذیل ہے۔

---

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر صفحہ ۱۰۹

"میں نے بمقام قادیان مرزا غلام احمد کا ملاحظہ کر کے ۱۳۔ مارچ ۱۹۰۴ء والا سرٹیفکیٹ دیا تھا جو کچھ سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا اس پر میری رائے اب تک قائم ہے۔ میری رائے میں مرزا غلام احمد اب بھی گورداسپور تک سفر کرنے کے ناقابل ہے۔ گورداسپور تک سفر کرنا اس کی صحت کے لیے خطرناک ہے۔ اس سے قبل دو دفعہ میں نے اس کا ملاحظہ کیا تھا۔ گورداسپور میں ہی دیکھا تھا جب میں نے پہلی مرتبہ اس کو دیکھا تھا اس کو دو ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ جب دوسری دفعہ اس کو ۱۶۔ فروری ۱۹۰۴ء کو دیکھا اس کو اس وقت پرانی کھانسی کی تیزی کا دورہ تھا۔ میں نے سرٹیفکیٹ میں بیماری کا نام نہیں لکھا جس میں اب مبتلا ہے۔ اس کی عام جسمانی صحت کی حالت سے میری یہ رائے ہے۔ کہ وہ عدالت میں آنے کے قابل نہیں۔ خطرناک کہنے سے میرا یہ مطلب یہ ہے کہ سردی یا کمزوری کے باعث ممکن ہے وہ مر جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس جگہ صحیح وسلامت حاضر ہو سکے۔

۱۵۔ مارچ ۱۹۰۴ء

دستخط حاکم دستخط کپتان لور صاحب سول سرجن [1]

چنانچہ اس سرٹیفکیٹ کے بعد جس میں مرزا صاحب کے بارے میں یہ تحریر تھا کہ اُن کا عدالت میں حاضری اُن کی موت کی وجہ بن سکتی ہے، مقدمہ کی پیشی کی تاریخ ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی لیکن اسی دوران لالہ چندو لعل مجسٹریٹ مقدمہ ہذا کی تبدیلی گورداسپور سے ملتان کر دی گئی۔ اس لیے مقدمہ دوسرے مجسٹریٹ لالہ آتما رام کی عدالت کے سپرد ہوا۔ مرزائیوں نے حسب عادت لالہ چندو لعل کی اس تبدیلی کو حضرت صاحب کا معجزہ قرار دیا حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ تبدیلی کوئی تنزلی کی صورت نہ تھی بلکہ اُسی تنخواہ پر خود ان کی اپنی درخواست سے ہوئی تھی۔ مرزائیوں کے حضرت کا معجزہ تو تب تھا کہ دوسرے مجسٹریٹ آکر ان کے حق میں فیصلہ دیتے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے مجسٹریٹ نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے مرزا صاحب کو جرمانہ یا عدم ادائیگی جرمانہ قید کی سزا دی۔ تو پھر اس میں معجزہ کی کونسی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ دراصل قادیانی اس مقدمے

[1] تازیانۂ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر صفحہ ۱۱۰

سے اس قدر تنگ آچکے تھے اور مولوی کرم الدّین دبیر، خدا انہیں غریقِ رحمت کرے ، شدّت سے قادیانیوں کے اعصاب پر سوار تھے کہ ایک مجسٹریٹ کی تبدیلی ان کے لیے انتہائی خوشی کا باعث بنی اور اسی خوشی کی ترنگ میں آکر انہوں نے اس تبدیلی کو حضرت صاحب کا معجزہ قرار دے دیا اور یہ نہ سوچا کہ معجزہ کی صورت میں تبدیل ہونے والے مجسٹریٹ کے بعد دوسرا مجسٹریٹ بھی ملزمین کو سزا دے سکتا ہے جیسا کہ بعد میں ہوا۔

۸۔ مئی ۱۹۰۴ء کو نئے مجسٹریٹ لالہ آتمارام کی عدالت میں مقدمے کی پہلی پیشی چونکہ ملزمان کے وکلاء حضرات نے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ کارروائی از سرِ نو شروع کی اس لیے عدالت نے دوبارہ شہادت لینے کا فیصلہ کیا۔ مرزا صاحب ملزموں کے کٹہرے میں مولوی فضل الدّین کے ہمراہ صبح ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک کھڑے رہے۔ مولوی محمد گواہ استغاثہ کی شہادت جاری رہی۔ نئے مجسٹریٹ لالہ آتمارام نے مقدمے کو جلدی ختم کی غرض سے روزانہ کارروائی سننے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ مرزا صاحب اب قادیان جانے کے بجائے گورداسپور میں ہی رہ گئے۔ عدالت میں ایک جامن کے درخت کے نیچے اُن کا مع خدام ڈیرہ تھا اور اس طرح عدالت میں اس مقدمے کی وجہ سے کافی چہل پہل ہوگئی۔ شہادت گواہانِ استغاثہ ماہِ اگست ۱۹۰۴ء تک جاری رہی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل مولوی ثناء اللّٰہ امرتسری۔ مولوی محمد جی قاضی تحصیل جہلم۔ مولوی غلام محمد قاضی تحصیل چکوال استغاثے کے گواہ تھے۔ اس نئے مجسٹریٹ نے جو معجزے کے طور پر پہلے مجسٹریٹ کی جگہ آیا تھا قادیانیوں سے کیا سلوک کیا اس کا تذکرہ "تاریخ احمدیت" کے حوالے سے پیش خدمت ہے۔

"دوسرے مجسٹریٹ مہتہ آتمارام صاحب کی تشدّد آمیز پالیسی اور حضرت اقدس کا دو ماہ تک گورداسپور میں قیام :۔

لالہ چندو لعل کی جگہ جو نیا مجسٹریٹ آیا وہ بھی ایک متعصب ہندو تھا جس کا نام مہتہ آتمارام تھا۔ اس مجسٹریٹ نے پہلے مجسٹریٹ سے بھی زیادہ متشدّدانہ پالیسی اختیار کی۔ اور ہندوؤں اور عیسائیوں کا آلۂ کار بن کر کھلم کھلا تعصب اور جنبہ داری

کا مظاہرہ کیا اور ایک ایسے انسان کے کھڑا کیے ہوئے مقدمہ کو محض عداوت اور بُغض کے باعث بہت لمبا کر دیا جس کا سرقہ، دھوکہ دہی اور ازالہ حیثیت عُرفی کا جرم بالکل واضح تھا۔ قبل ازیں حضور کو ہر عدالت میں کُرسی ملتی تھی مگر اُنہوں نے نہ صرف کُرسی دینے سے انکار کر دیا بلکہ بعض دفعہ سخت پیاس کے باوجود پانی پینے کی بھی اجازت نہ دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقدمات کی تاریخیں اتنی قریب قریب مقرر کرنا شروع کر دیں کہ حضرت اقدس کو مئی ۱۹۰۴ء سے جولائی ۱۹۰۴ء تک متعدد بار گورداسپور کا سفر اختیار کرنا پڑا اور پھر اس بارے میں اتنی سختی کی کہ بالآخر حضور نے وسط اگست ۱۹۰۴ء سے مقدمہ کی پیروی کے لیے گورداسپور میں ہی ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا''۔ [1]

قادیانیوں کو اس مقدمے میں بظاہر حوصلہ شکن حالات کے باوجود موہوم سی اُمید تھی کہ مقدمہ خارج ہو جائے گا اور دنیا میں مرزا صاحب کی فتح و نصرت کا چرچا ہو گا اس پر اُنہوں نے اپنی دیرینہ عادت اور کام کی تکنیک کے مطابق ۲۴ر جولائی ۱۹۰۴ء کو اخبار "الحکم" میں مرزا صاحب کے پُر اُمید الہامات ("مبارک سو مبارک" اور " میں تجھے معجزہ دکھاؤں گا") وغیرہ بھی شائع کرائے۔ لیکن ع

بسا آرزو کہ خاک شدہ

کی مصداق یہ تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ جب معجزہ کے طور پر آگے آنے والے نئے مجسٹریٹ نے ۶ر اگست ۱۹۰۴ء کو فردِ جُرم کی تکمیل کر دی اور مرزا صاحب کا جواب بھی قلمبند ہو گیا۔ ۶ر اگست کا یہ تاریخی دن اس لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ وقت کا خود ساختہ نبی، ہندو مجسٹریٹ کے سامنے بے بس کھڑا اس فیصلہ پر پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ تلملا رہا ہے۔ لیکن کچھ بن نہیں پڑتا اور بالآخر بے اختیار زور سے چلّا کر کہتا ہے کہ " میں نے کوئی جُرم نہیں کیا" لیکن اب چلّانے کیا بنتا تھا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں یہ رسوائی لکھ دی تھی تاکہ دیکھنے والے عبرت حاصل کر سکیں۔ اور سچ جھوٹ سے الگ اور واضح ہو کر

---

[1] تاریخ احمدیت جلد ۳ مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صد ۳۰۱

لوگوں کی راہنمائی کا باعث بن سکے لیکن جن کے دلوں پر مہر ثبت ہو جاتی ہے اور نجات جن کے مقدر میں ہوتی نہیں انہیں ایسے حالات و معاملات سے کوئی سبق حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ اس مقدمے کے دوران کئی ایسے مرحلے بھی آئے ہیں کہ جن سے مرزا صاحب کی تکذیب اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

مجسٹریٹ نے فرد جرم سنانے کے بعد مرزا صاحب سے شہادتِ صفائی طلب کی اور پوچھا کہ آیا وہ گواہانِ استغاثہ کو طلب کرانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مرزا صاحب پر اب مقدمے کا نتیجہ تو واضح ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب اس مقدمے میں وہ سزا سے نہ بچ سکیں گے تاہم مقدمے کو طول دینے کی غرض سے گواہانِ استغاثہ کو دوبارہ عدالت میں طلب کرنے کی غرض سے گواہانِ استغاثہ کو دوبارہ عدالت میں طلب کرنے کی درخواست دے دی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جرح ہر لحاظ سے مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ فرد جرم کے بعد ملزمان کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو گواہانِ استغاثہ کو دوبارہ طلب کرا سکتے ہیں۔ اس لیے عدالت نے ملزمان کی درخواست پر گواہانِ استغاثہ کو دوبارہ طلب کر لیا اور اُن پر دوبارہ جرح کی گئی۔ ان میں مولوی محمد علی صاحب ایم اے، مولوی برکت علی منصف بٹالہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولوی محمد جی اور دوسرے لوگ شامل تھے۔

اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کے گواہانِ صفائی کی نوبت آئی تو مرزا صاحب کی جانب سے ایک لمبی فہرست اہم شخصیتوں کی عدالت کے سامنے پیش کر دی گئی۔ یہ فہرست ۲۶۔ اگست ۱۹۰۴ء کو پیش کی گئی اور اس میں ۲۴۔ اہم شخصیتوں کے نام درج تھے۔ جن میں کئی سیشن جج اور اعلیٰ عہدیداروں کے نام بھی تھے۔ اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کا نام بھی موجود تھا۔ قادیانیوں کا اس بات پر انتہائی اصرار تھا کہ پیر صاحب کو ضرور عدالت میں بلایا جائے۔ مرزا صاحب کی یہ ایک دیرینہ خواہش تھی جو تقریباً ہر مقدمے کی کارروائی میں نمایاں نظر آتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مرزا صاحب کی طرف سے مولوی صاحب پر مقدمے دائر کرانے کی ایک غایت پیر مہر علی صاحب گولڑہ شریف کی عدالت میں طلبی کی خواہش تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن اس مرتبہ بھی قادیانیوں کی

یہ دیرینہ خواہش پوری نہ ہوئی اور عدالت نے اُس فہرست میں سے چند افراد کو طلب کیا اور اتفاق سے ان میں پیر صاحب کا نام[1] نہ تھا۔

جن افراد کو مرزا صاحب کی خواہش پر عدالت نے گواہانِ صفائی کے طور پر طلب کیا اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر محمد دین صاحب لاہوری

۲۔ بخشی رام لبھایا صاحب مالک اخبار "دوست ہند" بھیرہ

۳۔ چوہدری نصراللہ خان صاحب پلیڈر سیالکوٹ

۴۔ مولوی غلام حسین سب رجسٹرار پشاور

۵۔ شیخ علی احمد صاحب پلیڈر گورداسپور

۶۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ

---

[1] "تاریخ احمدیت" مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صفحہ ۲۰۴ کی یہ تحریر بطور ثبوت پیش ہے:۔

پیر مہر علی شاہ صاحب کی گواہی کے لیے درخواست اور مجسٹریٹ کا انکار

"حضرت اقدس علیہ السلام کے وکلاء کی طرف سے قبل ازیں ۴۴ گواہوں کی ایک فہرست دی گئی تھی۔ جن میں سب سے اہم جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی تھے مگر مجسٹریٹ صاحب نے صرف گیارہ گواہ بلانے منظور کیے۔ اور دیگر گواہوں کے علاوہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو چھوڑ دیا جس پر حکیم فضل الدین صاحب نے مجسٹریٹ صاحب کو تحریری درخواست پیش کی کہ اس تمام مقدمہ میں کوئی واقعہ ثبوت طلب نہیں کہ جس کے متعلق گواہ مذکور کو ذاتی علم نہ ہو۔ پھر کتاب اعجاز المسیح "مترو کہ محمد حسن متوفی کے نوٹوں کے بارے میں پیر صاحب کا بیان فیصلہ کن ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ امر ثابت ہے کہ پیر مہر علی صاحب اور مستغیث کی خط و کتابت ہے اور مستغیث کے دستخط کو یہ جانتے ہیں اور چونکہ وہ سجادہ نشین ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ وہ جھوٹی شہادت دیں۔ یہ بہت ہی ضروری ہے ہم اس کے عوض ایک اور گواہ بھی چھوڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن مجسٹریٹ صاحب نے یہ درخواست رد کر دی اور پیر صاحب موصوف کو جو اس مقدمے کے نہایت اہم گواہ تھے۔ عدالت میں

۷۔ مولوی فیروزالدین صاحب ڈسکوی

۸۔ سیّد محمد شاہ پلیڈر

۹۔ منشی احمد دین اپیل نویس گوجرانوالہ

۱۰۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب

۱۱۔ خان محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ

۱۲۔ منشی محمّد صادق بھیروی

۱۳۔ مفتی محمد صادق بھیروی

۱۴۔ مولوی حکیم نورُ دین

۱۵۔ شیخ نُور احمد صاحب

۱۶۔ منشی عزیزالدین ریٹائرڈ تحصیلدار

۱۷۔ میاں حسین بخش ریٹائرڈ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء تک شہادت گواہان صفائی ختم ہوگئی۔ ان شہادتوں کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ وہ الفاظ جو مرزا صاحب نے اپنی کتاب "مواہب الرحمٰن" میں مولوی صاحب کے بارے میں استعمال کیے ہیں وہ شدید نوعیت کے ہرگز نہیں بلکہ معانی کے لحاظ سے معمولی نوعیت کے ہیں۔ جنہیں بآسانی درگذر کیا جاسکتا ہے۔ مولوی کرم الدین دبیر نے خود صفائی کے گواہوں پر جرح کی۔ اور اس خوبصورتی سے کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ مولوی فیروزدین مؤلف لغاتِ فیروزی سے مولوی کرم الدین دبیر نے جرح کے دوران یہ استفسار کیا کہ آپ نے جو معانی ملزمان کی خواہش کے مطابق اپنے بیان میں تحریر کرائے ہیں وہ اُن معانی کے برعکس ہیں جو آپ نے اپنی کتاب "لغاتِ فیروزی" میں تحریر کیے ہیں۔ آپ عدالت کو بتائیں کہ آپ کے کونسے معنی درُست خیال کیے جائیں۔ بیان والے یا لغات والے؟ اس پر مولوی صاحب پر سکوت

پیش نہیں ہونے دیا اس کے برعکس ۱۸ اگست کو حضرت اقدس کے وکیل نے درخواست کی کہ اب حضور کو حاضری عدالت سے معاف رکھا جائے تو مجسٹریٹ صاحب نے حکم دیا کہ آپ سے حاضری عدالت کے لیے مچلکہ دلایا جائے۔ چنانچہ اُسی وقت مچلکہ داخل کرادیا گیا۔"

ری ہوگیا۔ اور عدالت میں لوگوں نے قہقہہ لگایا لیکن بالآخر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ
کے وہ معنی درست ہیں جو انہوں نے بیان میں درج کرالیے ہیں۔ لغات والے درست نہیں ۔

ذیل میں قارئین کی دلچسپی کے لیے صرف حکیم نور دین کا بیان پیش کیا جاتا ہے ۔

نقل بیان حکیم نورُ دین

نورُ دین ولد غلام رسول قریشی عمر ۶۵ سال پیشہ طبابت سکنہ قادیان

بجواب وکیل ملزمان

میں بارہ سال سے قادیان میں رہتا ہوں۔ اس سے پہلے بھوپال و جموں میں نوکر تھا۔ طبیب تھا۔ جموں میں میری ماہوار تنخواہ ۔/۶۰۰ روپے تک تھی یعنی ۸۰ سے ۱۳ تک ہوگئی۔ عربی کی معلومات میری اس حد تک ہیں جس کا نام نذار د۔ مکّہ، مدینہ، یمن میں تعلیم پائی۔ تدریس کرتا ہوں۔ ہر قسم کے علوم عربی پڑھاتا ہوں۔ کذّاب کے معنی جھوٹا ہے بر وزن فعّال۔ مفعال بھی مبالغہ کا وزن ہے ۔ اگر ایک فعل ایک وقت کے بعد دوسرے وقت کیا جائے تو اس کے لیے فعّال آتا ہے اگر عادت کے طور پر کیا جائے تو اس کے لیے مفعال آتا ہے۔ (بروئے شرح حماسہ تبریزی) اس کو علم نحو و لغت میں معرفت تامہ بھی ہے بہتان کے معنی بے جا الزام کے ہیں۔ لئیم کے معنے بخیل و غیر کریم کے ہیں۔ اسلام نے لئیم کو محدود معنوں میں استعمال کیا ہے۔ غیر کریم کے معنے خلاف تقویٰ ہے غیر متقی۔ جھوٹ بولنا۔ بہتان لگانا خلاف تقویٰ ہیں۔ لئیم صفت مشبہ ہے۔ صفت مشبہ اس صفت مشتق کو کہتے ہیں جس کو اسم فاعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ صفت مشبہ اور اسم فاعل میں یہ فرق ہے اوّل فاعل کے وزن پر آتا ہے ۔ سہ حرفی لفظوں میں جو فاعل کے وزن پر نہ ہو وہ صفت مشبہ ہوتا ہے ۔ دوسرا صفت مشبہ میں زمانہ حال میں وہ معنی موجود ہو۔ ماضی و استقبال میں ہوں یا نہ ہوں۔ سراج الاخبار میں نے پہلے پڑھا ہے ۔ غالباً دو سال ہوئے۔ کاتب مضمون

کا چال چلن مجھے بہت ناپسند ہؤا اور افسوس ہؤا۔ کیا بلحاظ الفاظ کے اور کیا بہ لحاظ کاروائی کے۔ وہ الفاظ کذاب، لئیم۔ بہتان باندھنے والا کا مصداق بھی میری رائے میں ہے (الحکم ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴-۵ دکھائے گئے)

دو سال سے زائد عرصہ ہؤا میں نے یہ خطوط قادیان میں پڑھے تھے۔ تاریخ سن خطوط کی معلوم نہیں نہ یہ کہ کتنے دن بعد پہنچنے کے۔ ۶، ۱۳ ر اکتوبر کے سراج الاخبار پہنچنے کے بعد اکثر ذکر آتا تھا۔ میں نے یہ کتاب مواہب الرحمٰن پڑھی ہے مثل عربی خوانوں کے جو اس کتاب کو سمجھ سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مجھے خدا نے خبر دی (۱) ایک لئیم اور بہتان والے آدمی کے متعلق (۲) وہ تیری آبرو ریزی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ (۳) آخر وہ تیرا نشانہ بنے گا (۴) کہ اُس نے تین حامی تجویز کیے ہیں جن کے ذریعے سے تیری اہانت ہو (۵) کہ میں ایک محکمہ میں حاضر کیا گیا ہوں (۶) آخر میں نجات ہوگی۔ یہ واقعات بالکل الگ الگ ہیں۔ اس کو پڑھ کر یقین نہیں ہو سکتا کہ کس بات کی بابت یہ بیان ہے۔ کرم الدّین کے نام سے بھی یقین نہیں ہوتا اگر واقعات اور اخباروں کو مدّنظر نہ رکھا جائے۔ صفحہ ۱۳۰ پر استغاثہ کا پتہ چلتا ہے کہ کرم الدین نے سلب امن کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس ارادے کے بعد اس نے استغاثہ کی تجویز کی ہے اور وکلاء کے لیے کچھ مال لکھا گیا ہے اور کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ واقعات کے لحاظ سے میں نے یہ سمجھا کہ لئیم اور بہتان باندھنے والا خطوط اور "سراج الاخبار" سے پیدا ہوتا ہے اور آبروریزی کا ارادہ انہی خطوط اور اخباروں کا نتیجہ ہے۔ آخر وہ نشانہ بنا ہے۔ اس مقدمے سے جو اس پر کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب جہلم گئے تھے آخر نجات مقدمہ کے بعد دی گئی۔ قضیہ سے مُراد وہ معاملہ ہے جس کا ذکر صفحہ ۱۲۹ پر ہے۔ نیز خطوط و اخبار۔ انباء کے معنی خبر دینا ہے۔ انباء واحد ہے پھر کہا ہے کہ ضمیر واحد ہے اَنباء جمع ہے۔ اس لفظ سے کم سے کم تین

پیش گوئیاں ہو سکتی ہیں کسی محاورہ میں وہ بھی آسکتے ہیں۔ بعض انباء ظاہر ہو چکی ہیں۔ صفحہ ۱۲۹ پر مقدمے کے متعلق پیش گوئیاں یہ ہیں۔ (۱) آبرو ریزی مقدمے کے ذریعے (۲) کرم الدین کا مدّعا علیہ ہونا (۳) مرزا صاحب کا اس محکمہ میں حاضر کیا جانا۔ صفحہ ۱۳۰ پر قضیہ جس کا ترجمہ مقدمہ ہے وہ اس پیشگوئی کے متعلق ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے یعنی ۶ پیش گوئیاں۔ لفظ ثُمَّ کے معنی پھر کے ہیں (ف) کے معنی نہیں ہیں۔

بجواب مستغیث

میں نے بیشتر مستغیث کے مخالف کی طرف سے گواہی دی تھی اس کا پورا علم نہیں کہ وہ مقدمہ خارج ہو گیا۔ جموں میں مجھے حکم دیا گیا تھا کہ چلے جاؤ شاید تین دن کے اندر[1] میں نے عربی کا کوئی امتحان نہیں دیا۔ میرے وقت میں کوئی امتحان نہ تھے۔ میں نے یہ کہیں نہیں دیکھا۔ کہ عادی جھوٹے کو کذّاب کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو مکذّاب بولیں گے۔ ابن خلقان نے کہا ہے۔ میں نے ابن خلقان بھی دیکھا ہے۔ میرے خیال میں دو دفعہ جھوٹ بولنے سے کذّاب ہو جاتا ہے۔ کتاب تبریزی میں اس کا ترجمہ وقتاً فوقتاً جھوٹ بولے۔ کاذب کا لفظ وسیع ہے اور کذّاب کا خصوصیت رکھتا ہے۔ کاذب تھوڑا یا بہت بولنے والے کو کہیں گے۔ خواہ جھوٹ بولے ایک یا دو سے زیادہ۔ کذّاب دو دفعہ جھوٹ بولنا ضروری ہے۔ جو شخص سو دفعہ جھوٹ بولے وہ بھی کاذب ہے اور کذّاب بھی ہے۔ کریم رحیم خدا کی صفات ہیں۔ یہ لفظ صفت مشتبہ ہیں۔ خدا کو کریم بلحاظ حال کے کہا جاتا ہے۔ صرف لفظ کریم سے دوام

---

[1] حکیم صاحب کو جموں سے شاہی حکم کے تحت تین دن کے اندر اندر نکلنا پڑا تھا۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

نہیں نکلتا۔ یوسف کو پیغمبر صاحب نے اپنی حدیث میں کریم بلحاظ حال کے کہا ہے قبل و بعد کا تعلق نہیں[1] پیغمبر صاحب کے وقت میں یوسف موجود تھے[2] کذّاب۔ لئیم، بہتان بڑے سخت توہین کے کلمات ہیں۔ میں 'سراج الاخبار' کا خریدار نہیں ہوں۔ قادیان میں 'سراج الاخبار' کا خریدار نہیں ہوں۔ قادیان میں سراج الاخبار کے بھیجنے کی تاریخ یاد نہیں۔ میں نے اخبار سُنا اور پڑھا تھا خطوط میں نے دیکھے تھے۔ تاریخ یاد نہیں۔ خطوط اخبار سے پہلے دیکھے تھے تعداد خطوط یاد نہیں۔ کرم الدین وہ لکھا ہے جس کے ہاتھ پر تقدیر خدا کی ظاہر ہوئی۔ وہ تقدیر وہ ہے جس کا ذکر پہلی سطروں میں ہے۔ یعنی جو خواب کے ذریعے سے مرزا صاحب کو ظاہر ہوئی اور متذکرہ خواب میں عدالت میں پکڑے ہوئے جانا شامل ہے۔ اس کا ظہور بھی اسی کرم الدین کے ہاتھ پر ہوا۔ عدالت میں پکڑے ہوئے جانا بذریعہ استغاثہ کے ہوتا ہے۔ اب پتہ لگ گیا کہ کرم دین وہ ہے جس نے استغاثہ مرزا صاحب پر کیا ہے اور اس میں مرزا صاحب عدالت میں گئے۔ آگ میں جلانا اور دن کو رات کرنا متعلق ارادہ ہیں۔ جو ارادہ متعلق مقدمہ و خطوط، اخبار کے ہے۔ معلوم کرنے کے وقت بھی آدمی جمع کیے جاتے ہیں۔ واقعات کے لحاظ سے استغاثہ سطر ۲ صفحہ ۱۳۰ سے مراد اس استغاثہ کی ہے جو جہلم میں کیا گیا تھا۔ بوقت تصنیف اس کتاب "مواہب الرحمٰن" کے وہ استغاثہ دائر تھا۔ نشانہ بننے سے مراد یہ ہے کہ اس پر کوئی بات آنے والی اور وہ آبروریزی کے بعد یہ معنے نہیں ہیں کہ نشانہ بن گیا۔ ۱۴ جولائی

---

[1] حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ زمانہ حال میں ہی کریم نہیں بلکہ پہلے بھی کریم تھے۔ اور مستقل طور پر زمانہ مستقبل میں بھی کریم رہیں گے لیکن قادیانیوں کے اپنے عظیم عالم اس کے بالکل برعکس فرماتے ہیں جو صریحاً جھوٹ ہے۔

[2] حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام آنحضرت صلعم سے صدیوں پہلے وفات پا چکے تھے۔

۱۹۰۳ کو واقعات کی رُو سے کرم الدین نشانہ بن چکا تھا۔ یعنی اس کے اُوپر بھی ایک مقدمہ کیا گیا تھا۔ مرزا صاحب کو نجات ہوئی۔ کرم دین کو جس غرض کا نشانہ بنا تھا اس سے نجات نہیں ہوئی۔ صفحہ ۱۲۹ پر ذالک اشارہ واحد ہے اس کی تعیین خواب میں نہیں ہوئی۔ واقعات نے تصریح نہیں کی۔ کہ کیا ہیں واقعات کے قرائن نے بتلایا کہ شہاب الدین پیر صاحب اور ایڈیٹر سراج الاخبار یہ تین مددگار رہیں۔ ارادہ توہین ہوا بذریعہ خطوط و اخبار اور مقدمہ بمقام جہلم۔ کتاب سے کسی مددگار کا پتہ نہیں چلتا۔ وکیل مددگار نہیں ہوا کرتے۔ اگر کوئی ساری عمر میں تین جھوٹ بولے تو اس کو کذاب کہیں گے۔

بجواب وکیل ملزمان:

یوسف کو کریم بلحاظ حال کے سمجھ کر کہا گیا۔ عربی میں ظہور کے معنی مشاہدہ کے نیچے آجاتا ہے۔ کرم الدین کا تعین واقعات کی رو سے میں نے کیا ہے متعلق عدالت میں حاضر ہونے کے جس غرض کے لیے کرم دین نشانہ بنا تھا اس سے نجات نہیں ہوئی۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ خط اور مضمون اخبار کرم دین کا قرار دیا گیا۔

بجواب عدالت:

جب کوئی عربی لفظ اُردو میں استعمال کیا جاوے تو کبھی اُس کے معنوں میں فرق پڑے گا۔ اور کبھی نہیں۔ ہر لفظ کی نسبت ایسا نہیں ہے۔ میں مرزا صاحب کا مُرید ہوں۔ تقریباً ۲۰ سال سے۔ اُردو قواعد دانوں نے عربی کی اصطلاحیں کی ہیں۔ اور بہت کچھ عربی کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔"

دستخط حاکم [1] العبد نورُ دین۔

(نوٹ) اس مقدمے کا تاریخی فیصلہ کتاب کے آخری باب بعنوان "چند تاریخی دستاویزات" میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱۷

چھٹا باب

حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۶۸ء — ۱۹۴۸ء

- مولانا ثناء اللہ امرتسری
- ابتدائی زندگی
- قادیانیت کی طرف توجہ
- مرزا صاحب کی نظرِ عنایت
- قادیان میں داخلہ
- صاف انکار
- تاریخی دُعا (۱۹۰۷ء)
- وفاتِ مرزا (۱۹۰۸ء)
- موت پر تبصرے
  (پروفیسر الیاس برنی اور مولوی کرم دین صاحبؒ)
- ایک عجیب واقعہ

"مرزائیت کی تحریک جو مذہبی رُوپ میں نمودار ہوئی دراصل مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد فنا کرنے اور اُن کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ایک خوفناک سازش ہے جو انگریزی دورِ حکومت میں تیار کی گئی۔ مرزائیت کی تنظیم انگریزی راج کو دوام بخشنے کی ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی ساری زندگی انگریزوں کی قصیدہ خوانی میں گذری۔ مرزائیت کو ہم ایک ایسے درخت سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کی آبیاری اور حفاظت اپنی سیاسی مصلحت کے تحت انگریز کرتے رہے اور جب تک وہ یہاں رہے اس کے برگ و بار سے متمتّع ہوتے رہے۔"

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۸ — ۱۹۴۸)

قادیانیت کے محاسبے میں جن بزرگ شخصیتوں کا نام نامی شہرت کی آخری حدوں کو پہنچ چکا ہے ان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام سر فہرست ہے۔ مولانا نے اپنی .... زندگی کے آخری لمحات تک اپنے آپ کو خدمت اسلام کے لیے وقف رکھا جس خلوص اور محبت کے ساتھ آپ نے ہر غیر اسلامی طاقت کے ساتھ علمی محاذ پر لڑائی لڑی ہے، اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس کے معترف ہیں۔ خصوصاً ردِ قادیانیت میں آپ کو جو مقام حاصل ہے اُس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرزا غلام احمد نے خود مولانا کو دعوتِ مناظرہ دی اور جب مولانا قادیان تشریف لے گئے تو مرزا صاحب جُل دے گئے۔ اِس طرح کے اور کئی واقعات ہیں جو آیندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں......... مولانا ثناء اللہ امرتسری پاک و ہند کے ممتاز علماء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ مولانا نے اپنی زندگی میں صرف ردِ قادیانیت پر ہی کام نہیں کیا بلکہ ہر خلافِ اسلام طاقت سے نبرد آزمائی کی ہے

تاریخ پیدائش ۱۲۸۷ھ ۱۸۶۸ء تاریخ وفات ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء (۱۳۶۸ھ) مولانا ثناء اللہ امرتسری مفسر۔ مناظر اور عالم دین۔ ابو الوفا کنیت۔ والد کا نام خضر تھا۔ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن کشمیر تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب کشمیر کے نومسلم خاندان منٹو سے ملتا ہے۔ آپ نے مولانا غلام رسول قاسمی مولانا احمد اللہ امرتسری۔ مولانا احمد حسن کانپوری، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مسلک کے لحاظ سے اہل حدیث تھے۔ چنانچہ اپنے مسلک کی ترویج کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے اخبار اہلحدیث جاری کیا۔ فن مناظرہ میں مشاق تھے زندگی بھر آریہ سماج اور قادیانیوں سے مباحثے کیے اور دین اسلام اور ختم نبوت کی حقانیت ثابت کرتے رہے۔ تقسیم پاک و ہند کے بعد سرگودہا میں مقیم ہوئے۔ آخر عمر میں فالج ہو گیا اور اسی عارضے سے وفات پائی۔ آپ نے کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ عربی زبان میں تفسیر کا نام "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" اُردو تفسیر کا نام "تفسیر ثنائی" ہے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۵۸۲)

وہ آریہ سماجی ہوں یا عیسائی قادیانی ہوں یا کوئی اور خلافِ اسلام گروہ آپ نے ہر ایک کے خلاف ایک ہی جذبے اور لگن کے ساتھ کام کیا ہے وہ مقرر بھی تھے اور مناظر بھی۔ اس علاوہ کئی کتابوں کے مصنّف بھی تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی عظمت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ خود مولانا سیّد سلیمان ندویؒ جیسی شخصیّت اُن کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں

"مولانا ہندوستان کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ فن مناظرہ کے امام تھے۔ خوش بیان مقرر تھے۔ متعدد تصانیف کے مصنف تھے۔ مذہباً اہل حدیث تھے اور اخبار اہل حدیث کے ایڈیٹر تھے۔ قومی سیاسیات کی مجلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ مرحوم سے مجھے نیاز اپنی طالب علمی سے ہی تھا۔ وہ سال میں ایک دو دفعہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے لکھنؤ آتے تھے اور دارالعلوم ندوہ میں تشریف لاکر احباب سے ملتے تھے۔ اسی سلسلے میں مجھے بھی نیاز ہوا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے۔ میں درس میں تھا ان کو آتا دیکھ کر اُن کی طرف لپکا۔ مگر مرحوم نے میری بجائے سبقت اُستاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحبؒ کی طرف کی اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا کبّر الکبر۔ یعنی بڑے کو بڑائی دو۔

مرحوم ندوہ کے اکثر رکن رہے بلکہ خود اُن کے بقول ندوہ کانپور میں اُن کی دستار بندی ہی کے جلسہ میں پیدا ہوا۔ مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دن مدرسہ دیوبند میں پڑھا۔ پھر وہ کانپور آکر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے۔ اور یہیں سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت پائی۔

یہ زمانہ وہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں سے پنجاب میں فتنہ پیدا تھا انہوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی اور اُس وقت سے لے کر آخر وقت تک اس تحریک اور اس تحریک کے امام کی تردید میں پوری قوّت صرف کر دی یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔ یہ قصّے پرانے ہیں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں

اور مسلمان اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلے میں وہ ہمالیہ سے لیکر خلیج بنگال تک ہمیشہ رواں دواں رہتے تھے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اُس کے حملے کو رد کرنے کے لیے اُن کا قلم شمشیرِ بے نیام ہوتا تھا۔ اور اسی مجاہدانہ خدمت میں اُنہوں نے تمام عمر بسر کردی۔

وہ مصنف بھی تھے مخالفین کے اعتراضوں کے جواب میں اُن کے اکثر رسالے ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں دو تفسیریں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ "تفسیر ثنائی" اردو میں تفسیر القرآن بالقرآن" عربی میں۔ مرحوم کو خود بھی تفسیریں پسند تھیں۔ مرحوم چونکہ مناظر تھے اس لیے پہلی تفسیر میں آیاتِ صفات کے باب میں سلفی عقائد کے بجائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی۔ اس سے امرتسر کے غزنوی علمائے اہل حدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی۔

۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب سے خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہل حدیث کا حجاز جانا ہوا تو یہ نزاع سلطان ابنِ سعود کے سامنے بھی پیش ہوا اور سلطان نے کوشش کر کے فریقین میں صلح کرادی۔ فریقین وہیں مجھ سے فرماتے تھے کہ افسوس ہے نجد کے علماء حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس سلسلے میں سلطان سے کچھ عرض کروں۔

مرحوم کبھی کبھی قومی جلسوں میں شرکت کرتے تھے ۱۹۱۲ء میں ندوہ کی تحریکِ اصلاح کے سلسلے میں جب حکیم اجمل خان مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک تھے ۱۹۲۵ء میں جمعیت العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی مرحوم موجود تھے اس سے پہلے ۱۹۱۹ جب تحریکِ خلافت کا.... ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے اس میں بھی مرحوم شریک تھے۔

مرحوم ۱۹۲۶ میں حجاز کے موتمر اسلامی میں نمائندۂ اہل حدیث کی حیثیت سے شریک تھے اور عربی میں ایک دو مختصر تقریریں بھی اپنی طرز کی موتمر میں کی تھیں۔ مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے تھے کہتے تھے کہ "جو اہل حدیث یہاں نہ آئے وہ محبّت سے خالی ہے۔"

علامہ اقبال کی وفات کے بعد میرا لاہور جانا ہوُا اور اُن کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام بھیجا کہ واپسی میں ان سے ملے بغیر نہ جاؤں چنانچہ واپسی میں امرتسر اُترا اور اُن کے پاس دو دن ٹھہرا اور بہت سی باتیں ہوئیں جن میں سے ایک جس کا خیال آتا ہے اہل حدیث کے انتشار اور پراگندگی کی گفتگو تھی۔

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے پہلے آگے بڑھتا وُہ وہی ہوتے اللہ تعالیٰ اس غازیِ اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے (آمین)"

(مئی ۱۹۴۸ء معارف نمبر ۵ جلد ۶۱)[1]

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنے ابتدائی حالات۔ تعلیمی مصروفیات اور زندگی دیگر اہم واقعات پر قلم اٹھایا ہے جس سے ان کی زندگی کے بارے میں اہم معلومات ہوتی ہیں جو نذرِ قارئین ہے :-

ابتدائی زندگی (تعلیمی مصروفیات)

"میری (ثناء اللہ کی) پیدائش امرت سر پنجاب کی ہے میرے والد مسمّی خضر جُو اور تایا مسمی اکرم جُو علاقہ ڈور تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر کشمیر سے پشمینہ کا کاروبار کرنے امرتسر آئے تھے۔ کشمیری اقوام میں ایک گوت منٹو کہلاتی ہے جو وہاں برہمنوں کی شاخ ہے اسی گوت سے ان کا تعلق تھا۔ میری عمر ساتویں برس ہی میں تھی والد صاحب

---

[1] منقول از فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۶۳ مرتبہ محمد داؤد راز

کا انتقال ہوگیا۔ تایا صاحب بھی فوت ہوگئے بڑے بھائی ابراہیم رفوگری کا کام کرتے تھے۔ مجھے بھی انہوں نے یہ کام سکھایا۔ چودھویں سال میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ چودھویں سال میں ہی مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا تھا۔ شرح جامی اور قطبی تک مولانا سے پڑھیں۔ اس کے بعد بغرضِ تحصیل علم حدیث استادِ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ[1] کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔

اس کے بعد شمس العلماء سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ پھر سہارن پور چند روز قیام کر کے دیوبند پہنچا وہاں کتب درسیہ معقول و منقول، شرح چغمینی تک پڑھیں۔ حدیث کے دَور کا بھی لطف حاصل کیا۔ دیوبند سے مدرسہ فیض آباد کانپور گیا کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن صاحب مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ اور مجھے بھی علوم معقول و منقول سے خاص شغف تھا۔ اس لیے میں مدرسہ فیضِ عام کانپور میں جا کر داخل ہوگیا کچھ شک نہیں مولانا کا تبحر علمی واقعی قابلِ تعریف تھا۔ وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قندِ مکرر کا لطف اٹھایا۔ انہیں دنوں مولانا کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا میں اُن کے درسِ حدیث میں بھی شریک ہوا

---

[1] مولانا وزیرآبادیؒ کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اُن علماءِ اسلام میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد کے بارے میں خدشات کا اظہار کیا تھا کہ یہ شخص آگے چل کر ضرور کوئی گل کھلائیگا۔ چنانچہ ان کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا۔ اُن کے شاگرد رشید مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ردِ مرزائیت کے بارے میں ساری سعی و کوشش یہ مولانا عبدالمنان وزیرآبادی کی روحانی تاثیر تھی کہ جس نے مولانا امرتسری کو عمر بھر چین نہ لینے دیا۔ (مصنف)

پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحومؒ (اہل حدیث) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور کان پور میں مولانا احمد حسنؒ استاد العلوم میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تین اُستادوں سے جو طرزِ تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

اثنائے قیام دیوبند میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر ہو کر سندِ اجازت حاصل کر لی تھی۔

شعبان سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا جس میں آٹھ طلباء کو دستارِ فضیلت اور سندِ تکمیل دی گئی تھی۔ ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا (فیض عام کا یہ جلسہ وہی جلسہ ہے جس میں زیرِ صدارت مولانا لطف اللہ مرحوم و مغفور، ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی۔)

قادیانیّت کی طرف توجہ:

کان پور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پہنچا۔ مدرسہ تائیدالاسلام امرتسر میں کتب درسِ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسّس زیادہ تھا اس لیے اِدھر اُدھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت مخالف بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ انہیں دنوں قریب میں قادیانی تحریک بھی پیدا ہو چکی تھی جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا مسلمانوں کی طرف سے اس کے دفاع کے علمبردار مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔

میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے سے مناظرات کی طرف بہت راغب تھی اس لیے درس و تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی۔ آریہ، قادیانی) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔

بفضلہٖ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا اوّل رہا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو

منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؎

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس کام میں میں نے چند علماءِ سلف کی تصنیفات سے خاص فواید حاصل کیے حدیث شریف میں قاضی شوکانی حافظ ابن حجرؒ اور ابن قیمؒ وغیرہم کی تصانیف سے۔ علم الکلام میں امام بیہقیؒ امام غزالیؒ اور حافظ ابن حزمؒ علامہ عبدالکریم شہرستانی۔ حافظ ابن تیمیہؒ[1] شاہ ولی اللہؒ امام رازیؒ وغیرہم کی تصانیف سے فایدہ اٹھایا۔

علمی معرکے:۔

دوران تلاش سب سے پہلی قابلِ توجہ کتاب تصنیف "عدم ضرورت قرآن" نظر آئی جس کے جواب میں میں نے کتاب "تقابل ثلاثہ (توریت۔ انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی جو ملک میں شائع ہوئی۔ اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ شائع کیا جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سو انسٹھ (۱۵۹) اعتراض ہیں۔ ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کسی سو اعتراض ہیں۔ کتاب ستیارتھ پرکاش شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے حسب قول حافظ شیرازی ع۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

میں نے اس کے جواب میں کتاب "حق پرکاش" لکھی۔ جو بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول

---

[1] شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کو علماء کلام میں میں نے اس لیے شامل کیا ہے کہ وہ کتاب العقل میں لکھتے ہیں "جو عالم اپنے زمانے کے ملحدین اور مبتدعین کو جواب نہ دے وہ عالم نہیں ہے اور یہی علم الکلام ہے"

ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقے کے کسی عالم نے "ستیارتھ پرکاش" کے جواب کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔

اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرمپال) نے رسالہ "ترکِ اسلام" لکھا اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام "ترکِ اسلام پر ترکِ اسلام" شائع کر دیا جس سے مسلمانوں کو اس قدر قلبی راحت حاصل ہوئی جتنی مئی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے۔

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام "الٰہی وید ہے یا قرآن" اس کے جواب میں میں نے "کتاب الرحمٰن" لکھی۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ آریوں نے کتاب "رنگیلا رسول" کے نام سے لکھی جس میں رسول اللہ کی ذاتِ اقدس پر سخت ناپاک حملے کیے جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک آگ لگ گئی۔ مسلمان گویا متولے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذاتِ قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں دیتا۔ بقول ؎

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اس کے جواب میں مَیں نے "مقدس رسول" لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے رنگیلا رسول کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے لوگوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا۔ اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے جن کے جوابات خاکسار کی طرف سے دیئے گئے جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔ عیسائیوں کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں۔ جن کے مجموعے کا نام "جواباتِ نصاریٰ" ہے۔ سب سے آخر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے جس کا نام ہے "اسلام اور مسیحیت" عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں

بطرزِ جدید شائع ہوئی تھیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت؟

۲۔ دینِ فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟

۳۔ اصول البیان فی توضیح القرآن

ان تینوں کے جواب میں "اسلام اور مسیحیت" لکھی گئی جو شائع شدہ ہے جس نے شائع ہونے کے بعد اسلامی جرائد سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

ردِ قادیانیت میں:۔

میری تصانیف جو قادیان کے بارے میں ہیں اُن کی تفصیل لکھوں تو قارئین کے ملالِ خاطر کا خطرہ ہے اس لیے مختصر طور پر بتاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں ہوں، قادیانی مباحث میں اُسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانیٔ تحریکِ قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی جس کا عنوان تھا:

"مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"

اس کے شروع ہی میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی وہ خصوصاً قابلِ دید و شنید ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

"مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا ہے، میرے قلعے کو گرانا چاہا وغیرہ، اس لیے میں دُعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔"

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دُعا اُن کے مُنہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اُسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں اِدھر اُدھر دیکھو تو رونق بہت پا گئے

مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کرکے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔

ے آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں

آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۳۰ سال تک بھی محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔

تفسیر نویسی:

میری تصنیفات کی چوتھی قسم تفسیر نویسی ہے۔ یوں تو میری تمام تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔ روزانہ درسِ قرآن کے علاوہ میں نے "تفسیر ثنائی" غیر مسبوق طرز پر میں نے اردو میں لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد بلکہ ساتھ ساتھ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" خاص طرز پر عربی میں لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔ تیسری تفسیر موسومہ "بیان القرآن علیٰ علم البیان" عربی میں لکھنی شروع کی جس کا ایک حصہ سورہ بقرہ تک شائع ہو چکا ہے باقی زیرِ غور ہے۔ تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب "تفسیر بالرائے" لکھی۔ اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر و تراجم القرآن (قادیانی چکڑالوی) کی اغلاط پیش کرکے ان کی اصلاح کی گئی اس کا بھی ایک حصہ چھپ چکا

مناظرے:

اس کے علاوہ مناظرات کا سلسلہ بھی جاری رہا مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرے اساتذہ عظام بھی بڑے بڑے مناظرے میرے ہی سپرد کرتے تھے۔ جن میں وہ خود بھی شریک ہوتے تھے۔ مثلاً مناظرہ دیوریہ ضلع گورکھپور، مناظرہ نگینہ ضلع

بجنور۔ مناظرہ جبل پور۔ مناظرہ خورجہ۔ مناظرہ رام پور۔ یہ مناظرہ بھی قادیانیوں سے بحکم نواب رامپور ہوا تھا جس پر نواب صاحب موصوف نے ایک سرٹیفکیٹ درج ذیل عطا کیا۔

"رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرے کے وقت مولوی ابو وفا محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سُنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں اُنہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اُسے بدلائل ثابت کیا ہم ان کے بیان سے محفوظ و مسرور ہوئے۔"

(دستخط نواب صاحب بہادر محمد حامد علی خان)

مناظروں کے بارے میں حضرت مولانا ابو مسعود قمر بنارسی نے زیادہ تفصیل کے حالات پیش کیے ہیں۔ یہ حالات بھی ہم نے فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل مرتبہ محمد داؤد راز صفحہ ۵۵-۵۶ سے نقل کیے ہیں۔ مولانا بنارسی تحریر کرتے ہیں:۔

"مولانا کے امرتسر کے قیام میں مناظرات میں حصہ لینے کی طرف توہر دین اور ہر مذہب والوں سے مناظرے ہوئے۔ بعض مناظروں میں منصف مقرر ہوئے اور منصفوں کے فیصلے بھی مولانا کے حق میں ہوئے۔ مثلاً دو تین منصفانہ مناظرے یہ ہیں:

۱۔ ۱۹۰۳ میں بمطابق ۱۳۲۱ھ مسئلہ غیب پر (بریلوی احناف سے) مناظرہ ہوا۔ فریق ثانی کی طرف سے مولوی عبدالصمد خان حنفی امرتسری پیش ہوئے جو اچھے ذی علم تھے۔ منصف مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مرحوم مصنف تفسیر حقانی تھے۔ فیصلہ مولانا ثناء اللہ کے حق میں ہوا۔ روئیداد مناظرہ مع فیصلہ ازجانب فریقین مطبوعہ موجود ہے۔

۲۔ دوسرا مناظرہ جماعت مرزائیہ سے بمقام لدھیانہ ۱۹۱۲ میں ہوا جس میں سرپنچ ایک سکھ وکیل سردار گوربچن سنگھ تھے۔ ان کا فیصلہ بھی مولانا کے حق میں ہوا جس میں ۳ صد روپیہ انعام بھی پایا[۱]

---

[۱] اس مناظرے کی پوری روئیداد ہم ایک الگ باب میں قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ نئی نسل کو معلوم ہو کہ اس مناظرے میں اسلام کی صداقت کے لیے قدرت نے کس طرح اسباب مہیا فرمائے۔

۳ — تیسرا مناظرہ ۱۹۲۸ء میں جلالپور پیراں والہ ضلع ملتان میں ہوا۔ رفع الیدین کے مسئلہ پر جس میں وہاں کے ایک شیعہ رئیس منصف تھے ان کا فیصلہ بھی مولانا کے حق میں ہوا۔

زبانی مباحثے ہر مذہب سے بکثرت ہوئے جن میں ہزار ہا حاضرین شامل ہوئے۔ تحریری مناظرے بھی ہوئے جو کئی کئی دنوں تک ہوتے رہتے تھے۔

۴ — ۱۹۰۳ء میں دیوریہ (یوپی) میں ایک ہفتہ تک آریہ سماجیوں کے ساتھ تحریری مناظرہ ہوا جس کی روئیداد مطبوعہ بھی موجود ہے۔

۵ — ۱۹۰۴ میں بمقام نگینہ ضلع بجنور میں آریوں کے ساتھ تحریری مناظرہ ہوا جس کی روئیداد تحریری موجود ہے۔

۶ — ۱۹۰۹ میں بمقام ریاست رامپور والئ رامپور کے زیر حکم جماعت مرزائیہ سے مناظرہ ہوا۔

۷ — ۱۹۱۴ میں جبل پور میں آریہ لوگوں سے بڑے وسیع پیمانہ پر مناظرہ ہوا جس کی روئیداد چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

۸ — ۱۹۲۳ء میں مرزائیوں سے نکاحِ آسمانی پر سکندر آباد دکن میں تحریری مناظرہ ہوا۔ روئیداد چھپی ہوئی موجود ہے۔

۹ — ۱۹۳۴ء میں الہ آباد کے اندر عیسائیوں کے ساتھ تحریری مناظرہ ہوا جس میں ہزار ہا لوگوں نے شرکت کی۔

ان مناظروں کی ہنگامی زندگی کے ساتھ ساتھ مولانا نے صحافتی زندگی کو بھی بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ برقرار رکھا۔ حالانکہ ایک ایسے شخص کے لیے جو علمی سرگرمیوں کے ساتھ مناظرانہ سرگرمیوں میں الجھا ہوا ہو ادبی زندگی کے ساتھ انصاف کرنا مشکل ہے لیکن مولانا ثناء اللہ امرتسری اُن چند مخصوص افراد میں شمار ہوتے ہیں جنہیں قدرت نے خصوصی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہو تاکہ ایسے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ مولانا نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز نومبر ۱۹۰۳ میں کیا جب آپ نے اپنے شہر امرتسر

سے ہی اخبار "اہل حدیث" کا آغاز کیا اور پھر اس اخبار کو اس مستقل مزاجی سے جاری رکھا کہ ترکِ وطن تک یہ اخبار اپنی پوری شان و شوکت سے تبلیغ اسلام کے لیے وقف رہا اگست ۱۹۴۷ء میں جب مولانا کو امرتسر چھوڑنا پڑا تو مجبوراً "اہل حدیث" بھی بند کرنا پڑا۔

جیسا کہ اوپر مولانا نے خود بیان کیا ہے چودہ برس کی عمر میں اُن کے کل قریبی اقربا انہیں داغِ مفارقت دے گئے لیکن چونکہ فضل خدا اُن کے شریک حال تھا اس لیے انہوں نے اس بے وسائل زندگی کو اپنی محنت اور خلوص کے ساتھ کامیاب زندگی میں تبدیل کر دیا۔ نجی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے مولانا نے ۱۳۱۱ھ میں ایک معزز خاندان میں نکاح کیا۔ ایک صاحبزادے مولانا عطاء اللہ مرحوم اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ مولانا کے اکلوتے بیٹے مولانا عطاء اللہ جو "ثنائی پریس امرتسر" کے مینیجر تھے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں رمضان المبارک کے آخری ہفتے میں اپنے محلے کی گلی کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اُنہیں ہندوؤں نے بم مار کر شہید کر دیا۔ مولانا کے لیے عالم پیری میں یہ صدمہ انتہائی تھا لیکن آپ نے کمال ہمت سے کام لے کر اپنی مسجد میں اپنے اکلوتے بیٹے کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور چند افراد کی معیت میں مولانا عطاء اللہ کو امرتسر میں دفن کر دیا گیا۔ حالات ایسے مخدوش ہو چکے تھے کہ مولانا کو امرتسر چھوڑنا پڑا لیکن ایسی حالت میں کہ کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے حتیٰ کہ ان کی زندگی کا ماحصل ان کی انمول اور نایاب کتابوں کا ذخیرہ بھی وہیں رہ گیا جس کا مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے جوان بیٹے کی موت کے بعد سب سے زیادہ صدمہ تھا۔ ترکِ وطن کے بعد جب مولانا پاکستان تشریف لائے تو حکومتِ وقت نے انہیں سرگودہا میں ایک پرنٹنگ پریس پیش کیا۔ چنانچہ وسط جنوری ۱۹۴۸ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری مع اہل و عیال سرگودہا تشریف لے آئے۔ ابھی مولانا نے ثنائی پرنٹنگ پریس کا کام شروع کر کے "اہل حدیث" اخبار کو سرگودھا سے جاری کرنے کا پروگرام بنایا ہی تھا کہ وسط فروری میں مولانا پر فالج کا حملہ ہوا اور ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ اس دارِ فانی سے کوچ کر کے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ مرزا غلام احمد کی موت کے بعد چالیس برس تک خدا کے فضل و کرم سے بقیدِ حیات رہے تاکہ دنیا پر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے کہ "جھوٹا سچے کی زندگی میں مر گیا۔"

مرزا صاحب کی نظرِ عنایت :

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عمر بھر قادیانیت کا محاسبہ بڑی شدت سے کیا جس کا آغاز تعلیم سے فراغت کے بعد ہی ہو گیا تھا اگست ۱۹۰۰ء میں جب مرزا صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کی تو آپ بھی پیر مہر علی شاہ صاحب کا ساتھ دینے کے لیے لاہور پہنچے تھے اور اگست سنہ ۱۹۰۰ء کا وہ فقید المثال اجتماع جو شاہی مسجد میں ہوا اور جو ملک بھر کے مسلمانوں کا نمائندہ اجتماع تھا اس میں مولانا بھی شریک تھے۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں مولوی کرم الدین اور مرزا صاحب کے مقدمات کا ذکر کیا ہے ان مقدمات میں مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا کرم الدین کی بھرپور امداد کرتے رہے حتیٰ کہ اُن کی طرف سے بطور گواہ عدالت میں بھی پیش ہوئے۔ یہ سب کچھ مرزا غلام احمد سے مخفی نہ تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ شخص گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ ادھر مولانا نے بھی اپنے گرد و نواح میں مرزائیت کے رد میں کام شروع کر دیا تھا جس کی اطلاعات مرزا صاحب کو پہنچ رہی تھیں لیکن یہ سب کچھ یہیں تک محدود رہتا اور معاملہ آگے نہ بڑھتا اگر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک چیلنج کا جواب دینے کے لیے بہ نفسِ نفیس خود قادیان نہ پہنچ جاتے اور وہاں جا کر مرزا غلام احمد کو دعوتِ مبارزت نہ دیتے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس نے مرزا غلام احمد کو پچھاڑ کر رکھ دیا اور اُس نے بدحواس ہو کر مستقل طور پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اپنے مخالفین کی فہرست میں شامل کر لیا جن میں کئی دوسرے افراد پہلے ہی شامل تھے جن پر "وقتاً فوقتاً" مرزا کی جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ اور طنز و تشنیع کے تیر برسائے جاتے تھے۔ اگر مرزا صاحب کی کتاب نزول المسیح کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست تیار ہوتی ہے جن کو مرزا صاحب نے کبھی معاف نہیں کیا اور گاہے بگاہے اُنہیں اپنے بیانِ گُہرزیاں سے نوازتے رہے۔ غرضیکہ مولانا امرتسریؒ اور مرزا غلام احمد کے درمیان حق و باطل کی کشمکش کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے یہ کہانی خود اپنے الفاظ میں یوں بیان کی ہے :

"مرزا صاحب کی نظرِ عنایت خاکسار پر

؎ آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں براہینِ احمدیہ تک اور براہین احمدیہ سے بعد۔ براہینِ احمدیہ تک میں مرزا صاحب سے حسنِ ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷۔ ۱۸ سال کی تھی میں بہ شوق زیارت بٹالہ سے پا پیادہ تنہا قادیان گیا اُن دنوں مرزا صاحب ایک معمولی مصنف کی حیثیت میں تھے مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں اُن کی بابت جو خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدّل ہو گئے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں اُن کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا وہ آئے اور آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں۔ یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ کیا کام کرتے ہو۔ میں ایک طالبعلم علماء کا صحبت یافتہ اتنا جانتا تھا کہ آتے ہوئے السّلام علیکم کہنا سُنّت ہے۔ فوراً میرے دل میں آیا کہ اُنہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی کیا وجہ ہے مگر چونکہ حُسنِ ظن غالب تھا اس لیے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔

جن دنوں آپ نے مسیحیت موعودہ کا دعویٰ کیا۔ میں ابھی تحصیل علم سے فارغ نہیں ہُوا تھا۔ آخر بعد فراغت میں آیا تو مرزا صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا دل میں تڑپ تھی۔ استخارے کیے۔ دُعائیں مانگیں۔ خواب دیکھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مرزا صاحب نے مجھے اپنے مخالفوں میں سمجھ کر مجھ کو قادیان میں پہنچ کر گفتگو کرنے کی دعوت دی جس دعوت کے الفاظ یہ ہیں۔

■ مولوی ثناء اللہ اگر سچے ہیں تو قادیان میں آکر کسی پیش گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیش گوئی کے لیئے ایک ایک سو روپیہ انعام

دیا جائے گا اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ"

(اعجاز احمدی ص۱۱)

مزید یہ لکھا:

" یاد رہے کہ رسالہ نزول مسیح میں ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے[1] تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے اور دربدر گدائی کرنے سے نجات حاصل ہوگی بلکہ ہم اور پیش گوئیاں بھی مع ثبوت اُن کے سامنے پیش کر دیں گے اور اسی وعدے کے موافق فی پیش گوئی دیتے جائیں گے۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے۔ پس اگر میں مولوی

---

[1] مشتے نمونہ از خروارے اُن میں سے چند پیش گوئیاں آپ بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ پیش گوئیاں کس نوعیت کی تھیں جنہیں مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت کی سچائی کے نشان بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

پہلی پیش گوئی مع تفصیل واقعہ:-

میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنمنٹ انگریزی میں وہ پنشن پاتے تھے اور اس کے علاوہ چار سو روپیہ انعام ملتا تھا۔ اور چار گاؤں زمینداری کے تھے پنشن اور انعام ان کی ذات تک وابستہ تھے اور زمینداری کے دیہات کے متعلق شرکاء کے مقدمات شروع ہونے کو تھے اتنے میں وہ قریباً ۸۵ برس کی عمر میں بیمار ہو گئے اور پھر بیماری سے شفا بھی ہوگئی کچھ خفیف سی زحیر باقی تھی ہفتہ کا روز تھا اور دوپہر کا وقت تھا مجھے کچھ غنودگی ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا والسماء والطارق جس کے معنی مجھے یہ سمجھائے گئے کہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اُس حادثہ کی کہ غروب آفتاب کے بعد پڑے گا (سبحان اللہ کیا خود ساختہ ترجمہ ہے مصنف) دل میں ڈالا گیا کہ یہ پیش گوئی میرے والد کے متعلق ہے وہ آج ہی غروب آفتاب کے بعد وفات پا جائیں گے اور یہ قول خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور ماتم پرسی کے ہے (ذرا غور طلب بات ہے) اس وحی

صاحب موصوف کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے
لُوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ جمع ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہو گا۔
جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے وہ دربدر خراب ہوتے پھرتے ہیں
اور خدا کا قہر نازل ہے اور مُردوں کے کفن اور وعظ کے پیسوں پر
گذارہ ہے ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا اُن کے لیے ایک بہشت
ہے لیکن میرے اس بیان کی توجیہہ نہ کریں اور اس تحقیق کے لیے

ے ساتھ ہی میرے دل میں بمقتضائے بشریت یہ گذرا کہ ان کی وفات سے مجھے بڑا ابتلا پیش آئے گا کیونکہ جو
ر جو آمدنی اُن کی ذات سے وابستہ ہیں وہ سب ضبط ہو جائے گی اور زمینداری کا کثیر حصہ شرکا رہ جائیں گے
(گویا باپ کے مرنے سے زیادہ غم وسائل کے چھن جانے کا ہے۔ مصنف) اور پھر نہ معلوم ہمارے لیے کیا مقدر
یں اس خیال ہی میں تھا کہ ایک مرتبہ پھر غنودگی آئی اور یہ الہام ہوا الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ یعنی کیا خدا
پنے بندے کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے بعد میرے دل میں سکینت نازل کی گئی اور نماز ظہر کے بعد میں نیچے اُترا
ون کا مہینہ اور سخت گرمی کے دن تھے اور میں نے جا کر دیکھا میرے والد صاحب تندرست کی طرح بیٹھے تھے
ار نشست برخاست اور حرکت میں کسی سہارے کے محتاج نہ تھے اور حیرت تھی کہ آج واقعہ وفات کیونکر پیش
آئیگا لیکن جب غروب آفتاب کے قریب وہ پاخانہ میں جا کر واپس آئے تو آفتاب غروب ہو چکا تھا اور پلنگ
پر بیٹھنے کے ساتھ ہی غرغرہ نزع شروع ہو گیا، شروع غرغرہ میں مجھے انہوں نے کہا دیکھا یہ کیا حالت ہے (شاید
وہ یہ تبلا رہے تھے کہ انگریز کی اطاعت کے باعث یہ حالت ہے آپ احتیاط سے کام لیں۔ لیکن یہ سب کچھ تو اس
کے لیے ہے جو بینائے عبرت رکھتا ہو۔ مصنف) اور پھر آپ ہی لیٹ گئے اور بعد اس کے کوئی کلام نہ کی اور
چند منٹ میں ہی اس ناپائیدار دنیا سے گذر گئے۔ آج تک جو ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء ہے مرزا صاحب مرحوم کے
انتقال کو اٹھائیس برس ہو چکے بعد اس کے میں نے مرزا صاحب کی تجہیز و تکفین سے فراغت کر کے وہ وحی الٰہی جو
اس کے بارہ میں ہوئی تھی "الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ" اس کے ایک نگینہ پر کھدوا کر وہ مہر اپنے پاس رکھی اور
مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ خارق عادت کے طور پر یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور
نہ صرف میں بلکہ ہر ایک شخص جو میرے اس زمانے کا واقف ہے جبکہ میں اپنے والد صاحب کے زیر سایہ زندگی بسر

بپابندی شرائط مذکور جس میں بشرطِ ثبوت تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں قادیان میں نہ آئیں تو پھر لعنت ہے اس لاف و گزاف پر جو انہوں نے موضع "مد" میں مباحثہ کے وقت کی اور سخت بے حیائی سے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ مگر انہوں نے بغیر علم اور پوری تحقیق کے عام لوگوں کے سامنے تکذیب کی۔ کیا یہی ایمانداری ہے۔ وُہ انسان کُتوں سے بدتر ہوتا ہے

کرتا تھا وہ گواہی دے سکتا ہے کہ مرزا صاحب مرحوم کے وقت کوئی مجھے جانتا بھی نہیں تھا۔ اُن کی وفات کے خدا تعالیٰ نے اس طور سے میری دست گیری کی اور ایسا میرا متکفل ہوا کہ کسی شخص کے وہم اور خیال میں بھی تھا کہ ایسا ہونا ممکن ہے (کیا یہ سب خدا سے مایوس تھے یا پھر اس بات کے قائل نہیں کہ خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ مصنّف) ہر ایک پہلو سے وہ میرا ناصر اور معاون ہوا مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی تھی مگر اب تک اس نے کئی لاکھ آدمیوں کو میرے دسترخوان پر روٹی کھلائی۔ ڈاک خانے والوں کو خود تو کہ اُس نے کس قدر روپیہ بھیجا۔ میری دانست میں دس لاکھ سے کم نہیں۔ اب ایمانا کہو کہ یہ معجزہ ہے (نوٹ۔ اب آپ بتائیں کہ یہ کرشمہ، معجزہ یا پیش گوئی ہے۔ یا ایک واقعہ ہے جو مرزا صاحب کو ۲۸ برس پہلے پیش آیا اور جس کو انہوں نے اتنے عرصہ چھپائے رکھا۔ اب اسے کوئی کیا سچ یا غلط کہے کہ آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا۔ مصنف)

پیش گوئی ۳۹ صفحہ ۱۶۰

ایک دفعہ قادیان میں ایک آریہ، جو سرگرم آریہ ہے ملاوامل نام مرض دق میں مبتلا ہوگیا۔ تپ پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ اور آثار نومیدی ظاہر ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک روز میرے پاس آکر علاج کا طالب ہوا اور پھر اپنی زندگی سے نومید ہو کر بیقراری سے رو دیا۔ اور میں نے اس کے حق میں دُعا کی خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا۔ یعنی ہم نے کہا کہ اے تپ کی آگ سرد اور سلامتی ہو جا چنانچہ بعد اس کے اسی ہفتہ میں وہ ہندو اچھا ہوگیا۔ اور اب تک زندہ موجود ہے۔

(دیکھو براہین احمدیہ ص۲۷

جو بے وجہ بھونکتا ہے اور وہ زندگی لعنتی ہے جو بے شرمی سے گذرتی ہے" (اعجاز احمدی ص۲۳)

پھر یہ بھی لکھا۔

"واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعے سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے (۱) وہ قادیان میں تمام پیش گوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیش گوئیوں کی اپنی قلم سے تصدیق

پیش گوئی ۶۷ صفحہ ۲۰۲۔

جب میری لڑکی مبارکہ والدہ کے پیٹ میں تھی تو حساب کی غلطی سے فکر دامن گیر ہوا اور غم حد سے بڑھ گیا کہ شاید کوئی اور مرض ہو۔ تب میں نے جناب الٰہی میں دعا کی تو الہام کہ آید آں روزے کہ مستخلص شود" اور مجھے تفہیم ہوئی کہ لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس کے مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۱۴ھ کو لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ رکھا گیا۔

پیش گوئی ۶۹ صفحہ ۲۰۳

ایسا ہی مولوی غلام دستگیر قصوری نے اس عاجز کے لیے اپنی کتاب "فتح رحمانی" کے صفحہ ۲۷ میں میرے لیے بددعا کی تھی آخر اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ بہت جلد مر گیا (گویا یہ بددعا نہ کرتے تو شاید نہ مرتے نیز یہ کرشمہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے وقت کیوں سرزد نہ ہوا۔ مصنف)

پیش گوئی ۷۰ صفحہ ۲۰۳

ایسا ہی مولوی اسماعیل علی گڈھی نے اپنی کتاب میں مجھے ظالم اور مفتری قرار دے کر بطور مباہلہ کے اپنی کتاب میں میرے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا دیکھو رسالہ مولوی محمد اسماعیل)

پیش گوئی نمبر ۷۱۔ صفحہ ۲۰۳

ایسا ہی محی الدین لکھو کے والے نے اپنا ایک الہام میرے متعلق شائع کیا۔ کہ مرزا صاحب فرعون اور فرعون کی طرح میری تباہی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے جلد تر اس کو پکڑا اور ہلاک کر دیا۔ اور اس کی وفات سے پہلے بذریعہ خط اس کو اطلاع دے دی گئی۔

کرنا اُن کے لیے موت ہو گی (۲) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے اور سب سے پہلے (۳) اُردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلے سے عاجز رہ کر جلد تر اُن کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی۔" [1] (اعجاز احمدی صہ ۳۷)

پیشین گوئی نمبر ۷۲ صفحہ ۲۰۳

ایسا ہی مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھین نے ہمارے متعلق ہماری کتاب اعجاز المسیح پر الفاظ لعنت علی الکاذبین کے ساتھ مباہلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک دو ماہ کے اندر اندر اُس کو ہیبت ناک بیماری ساتھ ہلاک کر دیا اور اس قسم کے اور بہت سے نشان ہیں مگر سب کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

نوٹ :- یہ وہی مولانا فیضی مرحوم ہیں جنہوں نے ایک بے نقط عربی قصیدہ مرزا صاحب کی خدمت پیش کیا۔ جسے وہ پڑھ نہ سکے اس واقعہ کا ذکر بھی گذشتہ اوراق میں موجود ہے۔

پیشین گوئی نمبر ۹۵ صفحہ ۲۲۰

ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مبارک احمد میرا چھوٹا لڑکا فوت ہو گیا ہے اس کے چند دنوں بعد مبارک احمد کو سخت تپ ہوا اور وہ آٹھ دفعہ غش ہو کر آخری غش میں ایسا معلوم ہوا۔ کہ جان نکل آخر دُعا شروع کی اور ابھی میں دُعا میں تھا کہ سب نے کہا کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے۔ تب میں نے اپنا ہاتھ رکھا تو نہ دم تھا نہ نبض تھی۔ آنکھیں میت کی طرح پتھرا گئی تھیں لیکن دعا نے خارق عادت دکھایا اور میرے ہاتھ رکھنے سے ہی جان محسوس ہونے لگی یہاں تک کہ لڑکا زندہ ہو گیا (گویا کہ آپ کا خواب جھوٹا ثابت ہوا۔ مصنف) جس میں آپ نے لڑکے کی موت دیکھی تھی۔ یہ بھی آپ کے کذب کی د ہے کیونکہ سچے پیغمبروں کے خواب کبھی جھوٹے ثابت نہیں ہوتے۔ مصنف) اور زندگی کے علامات پیدا ہو گئے۔ تب میں نے بلند آواز سے حاضرین سے کہا کہ اگر عیسیٰ ابن مریم نے کوئی مردہ زندہ کیا ہے تو اس زیادہ ہرگز نہیں یعنی اس طرح کا مردہ زندہ کیا ہوگا تاکہ وہ جس کی جان آسمان پر پہنچ چکی ہو۔ ملک الموت نے اس کی روح کو قرار گاہ تک پہنچا دیا ہو۔"

حضرات ایسی ہی پیشین گوئیاں تھیں جن کے جھوٹا ثابت کرنے پر مولانا ثناء اللہ کو انعام ملنے

---

[1] منقول از رسالہ تاریخ مرزا۔ مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۵۹

قارئین حضرات ذرا ان تینوں نشانات کی عبارت کو غور سے پڑھیئے اور پھر فیصلہ کیجیئے گا کہ ان نشانات کی کس طرح تکذیب ہوئی۔ اور کس طرح خداوند تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تحریک بغاوتِ اسلام پر جھوٹ کی مہر ثبت کر دی۔ نیز آپ نے پیش گوئیوں میں بھی یہ پڑھ لیا کہ اسماعیل علی گڈھی۔ مولانا غلام دستگیر قصوری مولانا محمد حسن بھین والےؒ اور محی الدین لکھو کےؒ کو کس طرح مرزا صاحب نے اپنی سچائی کے نشان قرار دیا۔ حالانکہ موت سے پہلے واضح طور غلام احمد کی طرف سے ایسا کوئی اعلان ہرگز نہ تھا جس کو بنیاد بنا کر ان تمام پاک ارواح کو ان کی کے بعد اپنی سچائی کے لیے استعمال کیا جاتا بلکہ تاریخ ردِ مرزائیت اس بات کی شاہد ہے کہ ایسا صرف ایک مرتبہ واضح طور پر مرزا غلام احمد کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے مقابلے جس پر قدرت نے بالکل صحیح فیصلہ صادر فرمایا اور مرزا صاحب کی خواہش کے عین مطابق ہے کی زندگی میں ہی موت سے ہمکنار ہو گیا۔ یہ ساری داستان آپ تفصیل کے ساتھ خود مولانا امرتسریؒ کی زبان سے سُنیئے گا۔

یان میں داخلہ :-

مرزا صاحب نے مولانا کو قادیان آنے کا چیلنج دیا تھا۔ گو اس توقع کے ساتھ کہ مولانا قادیان گے لیکن مولانا مرزا صاحب کو اس بارے میں سخت مایوس کرتے ہوئے قادیان پہنچ گئے۔ اس کی ن خود مولانا نے بیان کی ہے :-

" انجام اس کا یہ ہوا کہ میں نے ۱۰ ر جنوری ۱۹۰۳ء بمطابق ۱۰ ر شوال ۱۳۲۰ھ کو قادیان پہنچ کر مرزا صاحب کو اطلاعی خط لکھا جو درج ذیل ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی صفحہ ۱۱-۱۳ قادیان

نا در اسی چیلنج کا جواب دینے کے لیے مولانا امرتسر سے قادیان پہنچے لیکن ع

دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشہ نہ ہوا

ہیں اس وقت موجود ہے جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ اتنا توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ شانہٗ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں ہے چونکہ آپ (بقول خود) ایک ایسے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصاً ہے۔ اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیش گوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ میں مکرر اپنے آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدۂ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے آپ ضرور ہی موقع دیں۔

راقم ابوالوفاء ثناء اللہ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء"[1]

مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ کے جواب میں جو رقعہ تحریر کیا۔ اُس کو اب قا[ر]ئین کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ط

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ و ایدہٗ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ آپ کا رقعہ پہنچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و شبہات پیش گوئیوں کی نسبت یا اُن کے ساتھ اور امور کی نسبت جو دعوے سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں۔ تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہو گئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہِ مخالف سے ہرگز مباحث نہیں کرونگا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سُننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دُور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعے میں دعویٰ تو کر دیا کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامّل ہے کہ اس دعوے پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی

[1] منقول از تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۶۱

عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دُور ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلے کو صاف کرنے کے لیے پہلے اقرار کر لیں کہ آپ منہاج النبوّت سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر یا حضرت عیسٰی پر یا حضرت مُوسٰی پر یا حضرت یُونس پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن کی پیش گوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصّل جواب سُنا دیا جائے گا۔ اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ کریں گے۔ کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے چوروں کی طرح آگئے ہیں۔ ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل مُنہ بند رکھنا ہوگا جیسے صُمٌّ بُکمٌ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جاوے۔ اوّل صرف ایک پیش گوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اُس کو سُنا دیں۔ ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیئے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز سے آپ کا کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ آپ تو شبہات دُور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دُور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔"

(سبحان اللہ! کیا خوبصورت طریقہ ہے کہ مخالف کے مُنہ پر مہر لگا دی جائے اور خود جو جی چاہے بولتے جائیے۔ مرزا صاحب کی یہ شرط بتا رہی ہے کہ سچائی ان کے پاس سے بھی نہیں گذری اور وہ مولانا سے حد درجہ مرعوب تھے تبھی انہیں یارا

نہ بولنے کی تلقین ہو رہی ہے۔ مصنف) میں بہ آواز بلند لوگوں کو سنا دوں گا کہ اس پیش گوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے اس طرح تمام وساوس دُور کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقعہ دیا جائے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری ۱۹۰۳ تک میں اس جگہ ہوں بعد میں ۱۵ جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ تو اگرچہ کم فرصتی ہے مگر ۱۴ جنوری تک تین گھنٹے تک آپ کے لیے خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔

سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جاویں گے اور میں وہ وسوسہ دُور کرتا جاؤں گا۔ ایسے صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دُور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کریگا اس کو اپنے وساوس دُور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے اُن کی نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔ بالآخر اس غرض کے لیے کہ اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ سے خالی نہ جاویں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اوّل چونکہ میں رسالہ "انجام آتھم" میں خدا تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے قطعی بحث نہیں کرونگا۔ اس وقت پھر اس عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقعہ دیا جائے گا کہ آپ اوّل ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیش گوئی پر ہو۔ ایک سطر یا دو سطر حد تین سطر لکھ کر پیش کریں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور منہاج نبوت کی رُو سے قابلِ اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا

اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں۔ اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جاویں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے آمین۔ سو میں اب دیکھوں گا۔ کہ آپ سنتِ نبوی کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ (کیا قسم ہے جو مولانا کی طرف سے بھی مرزا صاحب نے خود اُٹھا لی ہے۔ مصنّف) اور چاہیئے کہ اوّل آپ مطابق اس عہد کے مؤکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر لکھ کر بھیج دیں۔ اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جاویگا اور آپ کو بلایا جاویگا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دُور کر دیئے جائیں گے"۔[1]

مرزا غلام احمد بقلم خود (مہر)

مرزا صاحب کے مندرجہ بالا خط کے بعد کسی شخص کے دل و دماغ میں اس بات کے بارے کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ مرزا صاحب اس موضوع پر مولانا سے بات چیت نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس میں ایسی شرائط کا ذکر ہے جو حق و انصاف کے معیار پر پوری نہیں اُترتیں اور کوئی شریف انسان ان شرائط پر گفتگو کرنا پسند نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا خود اپنی تحریر میں اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے اس جواب پر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو مایوس ہو کر مرزا صاحب سے سلسلہ خط و کتابت وہیں پر رد کر دیتا لیکن میں نے اس کے باوجود کہ حالات حوصلہ افزا نہ تھے اور مرزا صاحب جان بوجھ کر ایسی شرائط پیش کر رہے تھے جن کے تحت بات کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ دوبارہ خط لکھا جو اس طرح ہے :-

" اس خط کو دیکھ کر چاہیئے تھا۔ کہ میں مایوس ہو جاتا مگر ارادے کے مستقل آدمی سے یہ اُمید غلط ہے کہ وہ ایک آدھ مانع پیش آنے سے مایوس ہو جائے اس لیے

---

[1] منقول از تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناءاللہ امرتسری صفحہ ۶۲ تا ۶۴

میں نے ایک خط لکھا جو درج ذیل ہے:۔

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔

از خاکسار ثناء اللہ۔ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب!

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا وہی ظاہر ہوا۔ جناب والا! جبکہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی صفحہ ۱۱/۲۳ حاضر ہوا ہوں اور صاف لفظوں میں رقعہ اولیٰ میں انہی صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے بجز العادۃ طبیعۃ ثانیہ سے اور کیا معنی رکھتی ہے جناب من کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پڑ تو اس نیاز مند کو تحقیق کے لیے بلاتے ہیں کہ میں (خاکسار) آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کردوں تو فی پیشگوئی مبلغ/۱۰۰ روپیہ انعام لوں اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطریں لکھنے کا پابند کرتے ہیں اور اپنے لیے تین گھنٹے تجویز کرتے ہیں

تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ

بھلا تحقیق کا یہ طریق ہے میں ایک دو سطر لکھوں اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں اور تحقیق سے اعراض کرتے ہیں جس کی بابت آپ نے مجھے صفحہ ۲۳ پر دعوت دی ہے۔ جناب والا! کیا انہیں ایک دو سطروں کے لکھنے کے لیے آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی جس سے عمدہ میں امرتسر میں ہی بیٹھا ہوا کر سکتا تھا اور کر چکا ہوں مگر چونکہ میں اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بے نیل و مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں جانتا۔ اس لیے میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں۔ کہ میں دو تین سطریں ہی لکھوں گا۔ اور آپ بلاشک تین گھنٹے ہی تقریر کریں مگر اتنی اصلاح ضرور ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سنا دوں گا اور ہر ایک گھنٹے کے بعد پانچ منٹ تک نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت اپنی رائے ظاہر کردوں گا۔ اور چونکہ آپ مجمع عام پسند نہیں

کرتے اس لیے فریقین کے آدمی محدود ہوں گے جو پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ سے زائد نہ ہوں گے
آپ میرا بلا اطلاع آنا چوروں کی طرح فرماتے ہیں۔ کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں
اطلاع دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا۔ علاوہ اس کے آپ کو آسمانی اطلاع ہو گئی ہوگی
آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھ کو دے دیجیے گا کارروائی آج ہی شروع
ہو جاوے۔ آپ کے جواب آنے پر میں اپنا مختصر سا سوال بھیج دوں گا۔ باقی لعنتوں
کی بات وہی ہے جو حدیث میں ہے[1]۔ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء"[2]

صاف انکار :-

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے اس خط کا جواب مرزا صاحب نے خود تحریر نہیں کیا بلکہ اپنے خاص مولوی محمد احسن امروہی سے جواب لکھوا کر مولانا کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس میں مناظرے اور مباحثے سے کلی انکار تھا اور دوسرے الفاظ میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اُن کے ساتھ کسی قسم کا مباحثہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ تاریخی انکار اس بات کی دلیل ہے کہ مرزا صاحب کے پاس اپنی سچائی کے حق میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے وہ مخالفین کی زبان بند کر سکیں۔ ورنہ حق والے یوں منقار زیر پر نہیں ہوتے اور پھر ایسا مخالف جو خود چل کر قادیان میں آجائے اور بڑی شدت کے ساتھ للکارے اُس سے تو وہی لوگ درگذر کرتے ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ لیجیے آپ امروہی صاحب کا وہ جواب بھی ملاحظہ فرمالیں جو اُنہوں نے اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کو تحریر کیا جس کے بعد یہ معاملہ ختم ہو گیا

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً

مولوی ثناء اللہ صاحب آپ کا رقعہ حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا چونکہ مضامین اس کے محض عناد و تعصب آمیز

---

[1] حدیث یہ ہے کہ لعنت کا مخاطب اگر لعنت کا حقدار نہیں تو کرنے والے پر پڑتی ہے
[2] رسالہ تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۶۵

تھے جو طلب حق سے بُعد المشرقین کی دُوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی۔ لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیقِ حق منظور نہیں ہے اور حضرت انجام آتھم میں نیز اپنے خط مرقومہ جواب رقعہ میں قسم کھا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین سے کوئی تقریر نہ کریں گے[1] خلافِ معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کے لیے جو طریق حضرت نے تجویز فرمایا ہے کیا وہ کافی نہیں۔ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے کہ جلسہ محدود ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں تاکہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

۱۱؍جنوری ۱۹۰۳ء

گواہ شد
محمد سردار ابوسعید — خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزمان

بس اب ناامیدی ہوگئی تو میں مع اپنے مصاحبوں کے کہتا ہوا چلا آیا ؎

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم[2]

تاریخی دُعا (۱۹۰۷ء)

مولانا ثناء اللہ کے ساتھ اس طرح یہ مباحثہ تو نہ ہو سکا لیکن دونوں طرف سے ایک دوسرے کی مخالفت کا سلسلہ جاری رہا۔ مولانا ثناء اللہ نے اپنے اخبار "اہل حدیث" میں مرزا صاحب کے دجل و فریب کا پردہ اس کامیابی سے چاک کیا کہ قادیان کے در و دیوار لرز اُٹھے اور قادیانی حلقہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ مولانا کو قدرت نے اُن تمام صلاحیتوں سے نوازا تھا جس سے لیس ہو کر دُشمن کو میدانِ تحقیق میں بآسانی پچھاڑا جا سکتا ہے۔ مرزا غلام احمد کی اپنی تحریریں اور قادیانی لٹریچر میں جس طرح سے مولانا کو سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا ہے اُس سے بالکل واضح ہو

[1] غلط ہے (مصنف) [2] تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۹۶

مولانا ثنار اللہ امرتسریؒ کی یلغار سے مرزا صاحب اور ان کے مصاحبین بڑی شدت سے
...تھے۔ اور انہوں نے دلیل و براہین کا دامن چھوڑ کر گالی و دشنام کا سہارا لیتے ہوئے
...وش کرنے کی آخری کوشش کی لیکن مولانا جب اس کے باوجود ردِ قادیانیت میں زبان
...رفِ جہاد رہے تو پھر مرزا صاحب نے آخری سہارا خدا سے دُعا میں لیا۔ اور وہ تاریخی
...شاعت لکھا جس میں خدا سے دُعا کی گئی تھی کہ وہ جھوٹے اور سچے میں امتیاز کرنے کے
...و سچے کی زندگی میں اُٹھا لے۔ اس خط میں صاف تحریر تھا کہ مرزا صاحب مولانا سے
...ہیں اور اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں سمجھتے کہ خود خدا فیصلہ کر دے اور
یہ سلسلہ ختم ہو۔ چنانچہ مولانا ثنار اللہ امرتسری اس دُعا کو
تحریر فرماتے ہیں:
...لسار پر آخری عنایت سے

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
بَلا یہ کون لیتا جان پر لیتے تو ہم لیتے

...براروئے سخن مرزا صاحب کے ساتھ اور بزرگانِ علمائے کرام سے بعد شروع
...مگر کیفیت میں اُن سے بڑھ گیا تھا۔ اس لیے مرزا صاحب نے آخری نظرِ عنایت جو
...رکی خود اُنہی کے لفظوں میں درجِ ذیل ہے:

مولوی ثنار اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ

...م اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم
...ستنبؤنک احقٌ ھو قل ای وربّی انہٗ الحقّ۔

...دمت مولوی ثنار اللہ صاحب۔ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ
...دت سے آپ کے پرچے "اہلِ حدیث" میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری
...ہ مجھے ہمیشہ آپ اپنے پرچے میں مردود، کذّاب۔ دجّال۔ مفسد کے نام سے منسوب
...تے ہیں۔ اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور

دجّال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دُکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور بہت سے افترا میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے اُن گالیوں اور تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذّاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل و کرم سے اُمید رکھتا ہوں کہ آپ سنّت اللہ کے موافق مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون۔ ہیضہ وغیرہ[2] مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں

---

[1] حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے مولانا کے خلاف جو زبان استعمال کی ہے اُسے کسی شریف انسان کی زبان نہیں کہا جا سکتا۔ (مصنف) (۱) اعجاز احمدی ص ۲۳ مصنفہ مرزا غلام احمد میں مرزا صاحب نے ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں تحریر کیا ہے "کفن فروش کتّا"،

(۲) اسی کتاب کے صفحہ ۴۳ پر یوں تحریر کیا۔ "ابنِ ہوا۔ غدّار"

(۳) الہامات مرزا ۔ از شیخ اسلام ص ۱۲۲ حاشیہ پر یوں گالیاں دی گئیں :

"خبیث۔ سور۔ کتا۔ گوں خور، ہم اس (ثناء اللہ) کو کبھی جلسہ عام میں نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دیکر بٹھائیں گے اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔"

[2] خدا کی شان کہ مرزا صاحب اس دارِ فانی سے بمرض ہیضہ رخصت ہوئے۔ جیسا انہوں نے اس دعا میں خواہش کی تھی اور اسے معیارِ حق و باطل بنایا تھا، چہ جائیکہ مولانا پر ان کا حملہ ہوتا۔ (مولانا ثناء اللہ) نے تو ۱۹۴۸ء میں ضعف کی وجہ سے وفات پائی تھی۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر نہیں پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذّاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے اُن کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل و صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دُعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے بجُز اس صورت کے کہ وہ کھُلے طور پر میرے روبرُو اور میری جماعت کے سامنے اُن تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جس کو وہ فرضِ منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دُکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھوں بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی۔ وہ مجھے اُن چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔ اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دُور دُور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد، ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات، حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تُو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور

کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور سخت آفت
جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر آمین۔ ثم آمین
ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وَاَنْتَ خیرالفاتحین۔ آمین
بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچے میں چھاپ
دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ الصمد

مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایّد

مرقومہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ مطابق ۵۔ اپریل

اس اشتہار کی اشاعت کے بعد ۲۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے بدر قادیاں میں مرزا
کی روزانہ ڈائری یوں چھپی :-

"ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے دراصل یہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی
طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف ہوئی اور رات
کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ۔ صوفیاء
کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دُعا ہی ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔ (مرزا)
اخبار البدر قادیاں ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۷ کالم ۲

وفاتِ مرزا (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

اس اعلان (جو مرزا صاحب نے اشتہار کے ذریعے عام کیا اور جسے "اہل حدیث"
پرچے میں اشاعت کی اپیل بھی کی) کے ایک سال بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴
۱۳۲۶ھ کو مرزا صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے اور یوں حق و باطل کے درمیان خود ان کی

لہ تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۴۷

نیز دیکھیے قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی صفحہ ۸۲۶-۸۲۷

کے مطابق فیصلہ ہو گیا۔

اب مرزا صاحب کی وفات کے بارے میں قادیانی لٹریچر پیش کیا جاتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ مرزا صاحب کی وفات کن حالات میں ہوئی۔

پہلی گواہی :-

"برادران جیسا کہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہے کہ حضرت امامنا و مولانا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود (مرزا صاحب) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسہال کی بیماری بڑی دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو بڑھ جاتی تھی۔ حضور کو یہ بیماری بہ سبب کھانا نہ ہضم ہونے کے تھی اور چونکہ دل سخت کمزور تھا اور نبض ساقط ہو جایا کرتی تھی۔ اس دفعہ لاہور کے قیام میں بھی حضور کو دو تین دن پہلے یہ حالت ہوئی۔ لیکن ۲۵ تاریخ مئی کی شام کو جب کہ آپ سارا دن "پیغام صلح" کا مضمون لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے تو واپسی پر پھر حضور کو اس بیماری کا دورہ شروع ہو گیا اور وہی دوائی جو کہ پہلے مقوی معدہ استعمال فرماتے تھے مجھے حکم بھیجا تو بنوا کر بھیج دی گئی مگر اس سے کوئی فایدہ نہ ہوا۔ اور تقریباً ۱۱ بجے ایک اور "دست" آنے پر طبیعت از حد کمزور ہو گئی اور مجھے اور خلیفہ نورالدین صاحب کو طلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں اور اس خیال سے کہ دماغی کام کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوئی نیند آنے سے آرام آجائے گا ہم واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔ مگر تقریباً دو اور تین بجے کے درمیان ایک بڑا "دست" آگیا جس سے نبض بالکل بند ہو گئی اور مجھے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بلوایا اور برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی گھر سے طلب کیا اور جب وہ تشریف لائے تو مرزا یعقوب بیگ صاحب کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ مجھے سخت اسہال کا دورہ ہو گیا ہے۔ آپ کوئی دوائی تجویز کریں۔ علاج شروع کیا گیا۔ چونکہ حالت نازک ہو گئی تھی اس لیے ہم پاس ہی ٹھہرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ مگر پھر نبض واپس نہ آئی

یہاں تک کہ ۱۰½ بجے صبح ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس کی رُوح اپنے محبوب حقیقی سے جا ملی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہِ راجِعُون۔[1]

دُوسری گواہی:۔

"خاکسار نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت جو شروع میں درج کی گئی ہے جب دوبارہ والدہ صاحبہ کے پاس برائے تصدیق بیان کی گئی اور حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر آیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کو "دست" کھانا کھانے کے وقت آیا تھا مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سو گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک دو دفعہ آپ پاخانہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو آپ نے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ میں اُٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا۔ کہ آپ میری چارپائی پر لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے فرمایا۔ کہ اب تم سو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں دباتی ہوں۔ اتنے میں آپ کو ایک اور "دست" آیا مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے نہ جا سکتے تھے۔ اس لیے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر آپ فارغ ہوئے اور پھر اُٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور "دست" آیا اور پھر آپ کو ایک "قے" آئی جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پُشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس پر میں نے گھبرا کر کہا۔ "اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔" تو آپ نے کہا کہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ آپ سمجھ گئیں تھیں کہ حضرت صاحب کا کیا منشا ہے۔ والدہ صاحبہ نے

---

[1] (اعلان منجانب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب قادیانی مندرجہ ضمیمہ الحکم "غیر معمولی" مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء) منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۱۳۴)

فرمایا کہ ہاں [1]

تیسری گواہی :-

" ابتدا میں جب کہیں حضرت مرزا صاحب باہر تشریف لے جاتے تو مجھے گھر کی حفاظت اور قادیان کی خدمت کے لیے چھوڑ جاتے۔ اور آخر زمانہ میں جب کہیں سفر کرتے تھے اور گھر کے لوگ ہمراہ ہوتے تھے تو بندہ بھی ہم رکاب ہوتا تھا چنانچہ جب آپ لاہور تشریف لے گئے جس سفر میں آپ کو سفر آخرت پیش آیا تب بھی بندہ آپ کے ہمراہ تھا اور اس شام کی سیر میں بھی شریک تھا جس کے دوسرے روز آپ نے قبل از دوپہر انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اب بڑی اور سخت تبدیلی میرے حال میں پیدا ہوئی اور ایسی سخت مصیبت نازل ہوئی کہ جس کی تلافی بڑی مشکل ہے اللہ تعالیٰ کے سوا میری تکلیف کو کوئی نہیں جان سکتا۔

حضرت (مرزا) صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا۔ جب میں حضرت (مرزا) صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا " [2]

آپ نے ان شہادتوں سے جو تاثر قائم کیا ہے اُسے ذہن میں رکھتے ہوئے قادیانیوں کی مندرجہ ذیل دو عبارتیں بھی پڑھ لیں۔

[1] سیرۃ المہدی ص ۱۰۹ مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب
منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی صفحہ ۱۳۶ - ۱۳۷

[2] (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے خسر میر ناصر صاحب کے خود نوشت حالات مندرجہ حیات ناصر ص ۱۴ مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی قادیانی)
منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۱۳۷

(۱) "اور جو شخص کہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہوں۔ حالانکہ نہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نہ اس کے الہام و کلام سے مشرف ہے وہ بہت بُری موت مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابلِ عبرت ہوتا ہے۔
جادُو وہ جو سر چڑھ بولے۔

(۲) "محمد عاشق نائب صدر مجلسِ احرارِ اسلام قصور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں بے حد بد زبانی کیا کرتا تھا ۲۹ جولائی کو ہیضے سے نہایت عبرت ناک موت مر گیا۔ قصور کے دوسرے احرار کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے"۔[1]

حضرت مرزا صاحب بھی اسی مرض سے مرے فرمایئے وہ کس کی شان میں بد زبانی کرتے تھے اور ان کی عبرت ناک موت (جس کی کہانی مقتدر اور ذمہ دار قادیانیوں کی اپنی قلم سے ہوئی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں) سے قادیانیوں نے کہاں تک عبرت حاصل کی ہے۔

ذیل میں پروفیسر الیاس برنی کا وہ تبصرہ پڑھیئے جو انہوں نے مرزا صاحب کی موت پر کیا ہے:۔

مرزا کی موت پر پروفیسر برنی کا تبصرہ:۔

"مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریرات میں ہیضے کو قہرِ الٰہی کا ایک نشان قرار دیتے تھے جو سرکشوں پر بطور عذاب نازل ہوتا ہے چنانچہ بعض مسلمانوں مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب سے جو ان کے مقابلے ہوئے ان میں بھی اُنہوں نے یہی بد دعا کی جو کاذب ہو اس پر ہیضے وغیرہ کی شکل میں موت نازل ہو اور آج قادیانی صاحبان کا ہیضے کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ خدا کی قدرت کہ اسی مرض ہیضہ میں خود مرزا صاحب نے انتقال کیا اور ہیضہ بھی ایسا تیز کہ اچھے خاصے تھے تصنیف و تالیف میں مشغول تھے شام کو سیر و تفریح کر کے آئے۔ رات کو بیوی صاحبہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یکایک دست اور قے شروع ہوئے۔ ہزار علاج کیا چند گھنٹوں میں خاتمہ ہو گیا۔ مقامِ عبرت ہے

[1] الفضل جلد ۲۸ نمبر ۵۰ ۲ مارچ ۱۹۴۰ء [2] قادیانی مذہب پروفیسر برنی صفحہ ۱۲۹

قادیانی صاحبان اس واقعے سے دل میں شرماتے ہیں لیکن زبان سے جھٹلاتے ہیں کہ مرزا صاحب گویا اسہال کے مرض میں فوت ہوئے ہیضے سے فوت نہیں ہوئے چنانچہ ہم نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں سیدھی بات لکھ دی تھی کہ مرزا صاحب ہیضے میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے لیکن قادیانی صاحبان اس پر بہت چراغ پا ہوئے کہ گویا مرزا صاحب فوت ہوئے تو سارا مطلب فوت ہو گیا۔ چنانچہ پہلی کتاب "تصدیق احمدیت" (مصنفہ سید بشارت احمد قادیانی) میں یہ تنبیہ کی گئی کہ حضور (مرزا) صاحب کے وصال کا باعث ہیضہ قرار دینا صریحاً جھوٹ بلکہ قانونی جرم ہے۔ دوسری کتاب "ہمارا مذہب" (مصنفہ محمد علی قادیانی) شائع ہوا تو اس میں الزام دیا گیا کہ جناب محقق برنی صاحب بالقابہ نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ ہیضہ سے واقع ہوئی۔ مگر یہ منجملہ آپ کے افتراؤں کے ایک نہایت ہی ناپاک افترا ہے۔ شاید ناپاکی ہیضے سے پیدا ہوئی۔

چونکہ قادیانی صاحبان بوجہ معلومہ ہیضہ کے نام سے بہت چڑتے ہیں۔ بعد کے ایڈیشنوں میں ہم نے اس کی صراحت لکھ دی کہ مرزا صاحب دست اور قے کے مرض میں فوت ہوئے لیکن مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ حق کا اظہار ہونا تھا جو باعث وفات ہوا اور مرزا صاحب بھی کون جو قادیانی اعتراف کے بموجب خاندانی طبیب تھے اور علم طب میں خاصی دسترس رکھتے تھے چنانچہ اس بارے میں مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کی عینی شہادت اس پانچویں ایڈیشن میں اوپر درج ہے۔ کیا اب توقع کی جاسکتی ہے کہ قادیانی صاحبان ہیضہ کے واقعے کو تسلیم کرلیں یا اب بھی ان کو عذر رہے گا اور خدانخواستہ مرزا صاحب کا آخری قول جھٹلانے میں بھی دریغ نہ ہوگا۔

اس بارے میں قادیانی صاحبان دو عذر بڑے تشدد مد سے کرتے ہیں اول یہ کہ تیماردار ڈاکٹر اور اطبّا نے مرزا صاحب کی وفات کا سبب اسہال قرار دیا۔ دوم یہ کہ مرزا صاحب کا جنازہ لاہور سے قادیان لاتے تو کچھ سفر ریل سے طے ہوا گویا ہیضے کے مرض میں ریل کے سفر کی اجازت کیسے مل سکتی تھی۔ لیکن ان عذرات کی حقیقت

بخوبی ظاہر ہے۔ یہ تیماردار ڈاکٹر اور طبیب کون تھے خود مرزا صاحب کے مرید اور معتقد جو کسی طرح مرزا صاحب سے ہیضہ منسوب کرنا گوارا نہ کر سکتے لہذا گول بات کہ دی کہ اسہال سے موت واقع ہوئی حالانکہ اسہال تمام عمر آتے۔ اسہال میں تمام کام انجام پائے گویا اسہال طبیعت ثانی بن چکے تھے۔ پھر یہ کس قسم کے اسہال تھے کہ یکایک اچھی صحت میں شروع ہوئے ان کے ساتھ قے بھی آئی اور آناً فاناً کام تمام ہو گیا۔ رہا ریل میں جنازہ لے جانے کا معاملہ۔ ایک جماعت کا مذہبی پیشوا جو ذی اثر اور ذی استطاعت ہو۔ جو خصوصیت سے حکومت کا مؤید اور مدّاح رہا ہو۔ حکومت سے روابط رکھتا ہو اگر کسی قریبی مقام تک اس کا جنازہ ریل میں لے جانے کی اجازت مل جائے اور روک ٹوک نہ ہو تو کون سی بڑی بات ہے اور ایسی رعایت میں کیا مضائقہ ہے۔

خود مرزا صاحب کی وفات تو یوں واقع ہوئی اس کے سوا قادیانی اکابر اور مخلصین جو مرزا صاحب کے بڑے بڑے صحابہ شمار ہوتے تھے مثلاً مولوی عبدالکریم صاحب، حکیم نورالدین صاحب میاں عبداللہ سنوری صاحب یہ بھی جن حالات میں اور جن امراض میں فوت ہوئے۔ وہ خالی از عبرت نہیں تھے۔ چنانچہ یہ واقعات آئیندہ کتاب میں درج ہیں۔

قادیانی صاحبان کا یہ قدیم مسلک ہے کہ کوئی مسلمان جو ان کی آنکھ میں کھٹکتا ہو اگر اس کو کوئی معمولی حادثہ بھی پیش آجائے تو اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں کہ ان کو آسمانی نصرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس ذہنیت کا اکثر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے جو ہمیشہ مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ قادیانی صاحبان جو مسلمانوں کو بہت عبرت دلانا چاہتے ہیں کبھی تو انصاف سے دل میں سوچیں کہ خود ان کو عبرت حاصل کرنے کی کس درجہ ضرورت ہے۔ اور کس درجہ عبرت آموز واقعات ان کو پیش آچکے ہیں اور پیش آرہے ہیں ؎

ہم اگر کچھ بھی کہیں گے تو شکایت ہوگی [1]

---

[1] منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۱۳۹ تا ۱۴۱

مرزا کی موت پر مولوی کرم الدین دبیر کا تبصرہ

"ہر چند مرزا صاحب دوسروں کی وفات کی خبریں سُن کر خوش ہوتے اور اپنے کسی مخالف شخص کی مرگ سے اپنے نشانات اور پیشگوئیوں کے نمبرات میں اضافہ فرمایا کرتے تھے مگر آخر کار بحکم کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ ایک دن وہ بھی آن پہنچا کہ بڑے بڑے دعاوی کے مدعی (مرزاجی) عین ایام غربت میں دارالامان قادیان سے دُور فاصلہ (لاہور شہر) میں ایک مہلک بیماری "کالرا" میں مبتلا ہو کر بہت ہی جلدی شکارِ نہنگِ اجل ہو گئے۔ کسی شخص کی نیکی یا بدی یا اس کی بزرگی وغیرہ کا ثبوت اس کی وفات کے بعد بھلی یا بُری شہرت سے ملتا ہے جو نیک ہوتے ہیں۔ زبانِ خلق پر ان کی نیک شہادت ہوتی ہے۔ مقدس نفوس کی وفات کے بعد اُن کی میت کی خاص عزت و احترام ہوتی ہے جس طرح اُن کی زندگی میں اُن سے فیض حاصل کرنے کے لیے مخلوق خدا حاضر ہو کر اُن کے قدموں پر گرتی ہے اُن کی وفات پر اُن کی میت کی زیارت کے لیے خلقِ خدا اطراف و اکناف سے ٹوٹ پڑتی ہے' اُن کے جنازہ میں شمولیت باعث سعادت سمجھی جاتی ہے اور ہر ایک زبان پر اُن کا ذکر خیر جاری ہوتا ہے اور ہر ایک آنکھ اُن کے غم میں خون کے آنسو بہاتی ہے

اس کے ثبوت کے لیے چند ایک مقدس ہستیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وفات کے بعد اُن کے جنازہ کی عزت اور میت کا احترام کیا گیا

(۱) امام طاؤس (تابعی) کا جب جنازہ اٹھایا گیا تو آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ جنازہ کسی طرح نہ نکل سکتا تھا۔ آخر حاکم وقت نے فوج بھیجی اور اس کے اہتمام سے جنازہ نکلا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن حسنؓ کے جنازے کو جو لوگ اُٹھائے ہوئے تھے اژدحام خلق کی وجہ سے اُن کا لباس پارہ پارہ ہو گیا

(۳) حضرت امام الحرمین نے جب وفات پائی تو تمام شہر نیشاپور کے بازار اُن کے ماتم

میں بند ہو گئے اور جامع مسجد کا منبر جس پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے توڑ دیا گیا۔

(۴) امام ابو جعفر طبری کی قبر پر کئی مہینے تک شب و روز نماز جنازہ پڑھی گئی۔

(۵) امام ابن داؤد کے جنازے کی نماز اسی[۸] دفعہ پڑھی گئی۔ کل نمازیوں کا تخمینہ لگایا تو تین لاکھ ہوا

(۶) امام اعظمؒ کی نماز جنازہ بعد دفن بیس[۲] روز تک ہوتی رہی

(۷) امام احمد بن حنبلؒ کے جنازے پر قدرتی پرندوں نے سایہ کیا ہوا تھا جس کو دیکھ کر ہزاروں یہودی مسلمان ہو گئے تھے۔

(۸) غازی علم الدین شہید کا جنازہ ایک لاکھ نفوس نے پڑھا۔ بڑے بڑے مقتدر لیڈر۔ پلیڈر اور سر شریک ہوئے۔

(۹) عاشقانِ رسول میاں امیر احمد اور خان عبداللہ خان کے جنازہ میں باوجود اطلاع نہ ہونے کے قریباً پچاس ہزار نفوس شامل تھے۔

(۱۰) مولانا مولوی غلام قادر صاحب مرحوم کا جنازہ جب شہر لاہور میں اٹھایا گیا تو ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ نماز جنازہ باہر گراؤنڈ میں پڑھی گئی۔

(۱۱) مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی وفات ملک انگلستان دارالکفر میں ہوئی اُن کی میّت کا کس قدر احترام ہوا کس کس اہتمام و احتیاط سے کس پاک جگہ (بیت المقدس) میں پہنچا کر دفن کی گئی جس کے تقدس و تبرک پر آیتِ قرآن بارکنا حولہٗ گواہ ہے بیت المقدس میں میت کی آمد پر جو استقبال ہوا، اخبار بین حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ سول و ملٹری کے معزز افسران میّت کی اردل میں تھے۔ ہجوم خلائق کے باعث شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ شرکاءِ جنازہ کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔"[۱]

ایک عجیب واقعہ:۔

مرزا صاحب کی وفات کے بارے میں ایک عجیب واقعہ کتابوں میں آتا ہے کہ مرزا صاحب

---

[۱] تازیانہ عبرت: مصنفہ مولوی کرم دین دبیر صفحہ ۱۶۷-۱۶۸

پنے خاص مرید ڈاکٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال پٹیالہ[1] کے ساتھ ایک تحریری مباہلہ ہوا۔
یں ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی نے اگست ۱۹۰۸ء تک مرزا غلام احمد کی موت کی حد مقرر کر دی کہ یہ
ں جھوٹا ہے اور اس عرصہ کے اندر اندر مر جائیگا اور یہی موت اس کے کاذب ہونے کی دلیل ہوگی
صاحب نے اس مباہلہ میں باقاعدہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جوابی اشتہارات چھپوائے جس میں
چیلنج کو قبول کرتے ہوئے جوابی پیشین گوئی کی کہ ڈاکٹر عبدالحکیم جھوٹا ہے اور یہ شخص میری زندگی میں
ے گا۔ نیز دعا مانگی کہ "اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھا تو جانتا ہے کہ صادق و
لح کون ہے"۔ خدا کی قدرت کہ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی پیشین گوئی کے عین مطابق میعاد مقررہ
اندر ہی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو وبائی ہیضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب اس کے بعد
ل تک زندہ و سلامت رہے۔

یہ کہانی بھی قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہے تاکہ اندازہ ہو کہ بعض اوقات خدا تعالیٰ سچ و
ٹ کو واضح کرنے کے لیے کتنے صاف ستھرے واقعات لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن
ی عقل پہ پتھر پڑ جائیں اور حق کے بدلے میں راہِ راست پر نہ آنے کے فیصلے ہو جائیں وہ ان
قعات کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نظر انداز کر جاتے ہیں اور عبرت حاصل کرنے کی بجائے اُلٹی تاویلیں
ش کرنے کی سعیٔ ناکام کرتے ہیں حالانکہ بات بالکل واضح ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

ڈاکٹر صاحب موصوف عرصہ بیس برس تک مرزا صاحب کے مرید رہے۔ آخراً ن سے
علیحدہ ہوئے اور مرزا صاحب کے برخلاف قدم اٹھایا بلکہ دعویٰ الہام سے بھی مقابلے
کی ٹھانی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنا آخری الہام مرزا صاحب کی موت کے متعلق شائع کیا
جس کا ذکر مرزا صاحب نے مع جواب خود ان لفظوں میں کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

"ایسا ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابلے پر کھڑے ہوئے اور اُن کا
نام و نشان نہ رہا۔ ہاں آخری دشمن ایک اور پیدا ہوا ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست
پٹیالے کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں چار اگست ۱۹۰۸ء
تک ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ
کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے پہلے اُس نے بیعت کی اور برابر

---

[1] یہ مرید بعد میں مرزا صاحب سے باغی ہو گئے یہ دورِ بغاوت کا واقعہ ہے

بیس[۱] برس تک میرے مریدوں اور میری جماعت میں داخل رہا[۲]۔ پھر ایک نصیحت کی وجہ سے جو میں نے محض للہ اس کو کی تھی مرتد ہو گیا۔ نصیحت یہ تھی کہ اس نے یہ مذہب اختیار کیا تھا کہ بغیر قبول اسلام اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نجات ہو سکتی ہے۔ گو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی خبر بھی رکھتا ہو۔ چونکہ یہ دعویٰ باطل تھا اور عقیدہ جمہور کے بھی برخلاف۔ اس لیے میں نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر میں نے اس کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا[۲]۔ تب اُس نے پیشگوئی کی کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۱۴۔ اگست ۱۹۰۸ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا مگر خدا نے اس پیشگوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جاوے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۱)

اس مقابلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی بتلائی ہوئی مدت کے اندر اندر ہی (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) کو فوت ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب آج (۲۱ جون ۱۹۲۳ء) تک زندہ ہیں"[۳]

لیجیے اب ثبوت کے طور پر قادیانی لٹریچر سے واقعہ پڑھیے گا:۔

"اس امر سے اکثر لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب جو تخمیناً بیس[۲] برس تک

---

[۱] ڈاکٹر صاحب محض مرید نہ تھے بلکہ اُن ۳۱۳ مریدینِ خاص میں سے تھے جن کے نام مرزا صاحب نے اپنی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں شائع کیے ہیں اس فہرست میں ڈاکٹر صاحب کا نام ۱۵۹ نمبر پر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو مرزا صاحب کا خصوصی قرب حاصل تھا۔

[۲] حالانکہ یہی مذہب خان صاحب میاں محمد علی رئیس مالیر کوٹلہ داماد مرزا صاحب کا بھی تھا پھر معلوم نہیں وہ مرتد کیوں نہ ہوئے اور انہیں اپنی جماعت سے خارج کیوں نہ کیا گیا۔

[۳] تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۵۷-۵۸

میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے برگشتہ ہو کر سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالہ "المسیح دجال" میں میرا نام کذاب۔ مکار۔ شیطان۔ دجال۔ شریر حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن و شکم پرست اور نفس پرست اور مفسد اور مفتری اور خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے۔ اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ غرض ہم نے اس کے ہاتھ سے وہ دکھ اٹھایا ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں۔

میاں عبدالحکیم صاحب نے یہی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک لیکچر کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے کہ یہ شخص (مرزا صاحب) تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائے گا اور اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ یہ کذاب و مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیش گوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء ہے۔ پھر اس کا ایک خط میرے دوست فاضل جلیل مولوی نورالدین صاحب کے نام آیا۔ اس میں بھی میری نسبت کئی قسم کی عیب شماری اور گالیوں کے بعد لکھا ہے کہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو خداتعالیٰ نے اس شخص (مرزا صاحب) کے ہلاک ہونے کی خبر دی ہے کہ اس تاریخ سے تین ۳ برس تک ہلاک ہو جائے گا۔

جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب میں (مرزا صاحب) بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ جو کچھ خدا نے اس کی (یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم کی) نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے میں بھی شائع کر دوں اور درحقیقت اس میں قوم کی بھلائی ہے۔ کیونکہ اگر درحقیقت میں خداتعالیٰ کے نزدیک کذاب ہوں اور پچیس ۲۵ برس سے دن رات خداتعالیٰ پر افترا کر رہا ہوں اور اس کی عظمت و جلال سے بے خوف ہو کر اس پر جھوٹ باندھتا ہوں اور اس کی مخلوق کے ساتھ میرا یہ معاملہ ہے کہ میں لوگوں کا بد دیانتی اور حرام خوری کے طریق سے کھاتا ہوں اور خدا کی مخلوق کو اپنی بدکرداری اور نفس پرستی کے جوش سے

---

[1] معاف کرنا یہ "اور" کی تکرار میری طرف سے نہیں بلکہ سلطان القلم کی طرف سے (یعنی یہ مرزا صاحب کی تحریر ہے) اس لیے نہایت صبر کے ساتھ برداشت کریں۔ نوازش ہوگی۔

دُکھ دیتا ہوں تو اس صورت میں تمام بدکرداروں سے بڑھ کر سزا کے لائق ہوں۔ تاکہ لوگ میرے فتنہ سے نجات پاویں۔

اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ میاں عبدالحکیم صاحب نے سمجھا ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھ کو ایسی ذلّت کی موت نہیں دے گا۔ میرے آگے بھی لعنت ہو اور میرے پیچھے بھی۔ میں خدا کی آنکھ سے مخفی نہیں مجھے کون جانتا ہے مگر وہی۔ اس لیے میں اس وقت دونوں پیش گوئیاں یعنی میاں عبدالحکیم خاں کی میری نسبت پیش گوئی اور اس کے مقابل پر جو کچھ خدا نے میرے پر ظاہر کیا ذیل میں لکھتا ہوں اور اس کا انصاف خدائے قادر پر چھوڑتا ہوں۔

(الف) میاں عبدالحکیم خان صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی پیش گوئی میری نسبت۔

" ۱۲ر جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ الزام ہوئے ہیں کہ مرزا کذاب و عیّار ہے صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے "

(کانا دجال صـ۵)

(ب) اس کے مقابل پر وہ پیش گوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبدالحکیم خان صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے (یعنی مرزا صاحب) کو معلوم ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

" خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔ رب فرق بین صادق وکاذب انت تری کل مصلح وصادق یعنی اے میرے خدا صادق وکاذب میں فرق کر کے دکھا تو جانتا ہے کہ صادق و مصلح کون ہے "

(مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار بعنوان "خدا سچے کا حامی ہو" مورخہ ۱۶ر اگست ۱۹۰۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صـ۱۱۳)

چنانچہ عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اس اشتہار کے جواب میں اپنی

پہلی پیش گوئی کو منسوخ قرار دیتے ہوئے لکھا :-

" اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں جو ۱۱ر جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی ۱۵ مہینے اور ۱۱ دن کم کر دیئے ہیں اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا ہے کہ سزا آج سے (۱۴) ماہ تک سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا "

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) ۵ر نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان " تبصرہ " شائع فرمایا جس میں خدا تعالیٰ کا یہ کلام درج فرمایا۔

" اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تمہاری عمر کو بھی بڑھاؤں گا یعنی جو دشمن کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے ۱۴ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسے ہی دوسرے دشمن جو پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کرونگا "

(اخبار الفضل قادیان جلد ۱۸ نمبر ۱۳۵ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء)

" اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر کو بڑھاؤں گا یعنی دشمن (عبدالحکیم) جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے ۱۴ ماہ تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کرونگا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے "

(اشتہار مرزا غلام احمد مورخہ ۵ر نومبر ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص۱۳۱)

" آخری دشمن ایک اور اب پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ۴ر اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا۔ . . . . مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کریگا " (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۱-۳۲۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

قارئین اب خود فیصلہ کرلیں کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔

اب قارئین کی دلچسپی کے لیے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا وہ تاریخی مناظرہ پیش کیا جاتا ہے جو اپریل ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ شہر کے اندر منشی قاسم علی سے ہوا تھا۔

ساتواں باب

تاریخی مناظرہ (اپریل ۱۹۱۲ء)

(مولانا ثناء اللہؒ ـــــ منشی قاسم علی قادیانی)

- دعویٰ
- جواب دعویٰ
- تحریریں
- فیصلہ ابراہیمی
- منشی قاسم علی قادیانی کا فیصلہ
- منصفِ اعلیٰ سردار بچن سنگھ کا فیصلہ (۲۱ اپریل ۱۹۱۲ء)
- مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی
- قادیانیوں کا ردِ عمل

"مرزائیت عیسائیت کی توام بہن ہے۔ یہ تحریک انگریزی حکمتِ عملی کی آغوش میں پل کر بڑھی، پھلی اور پھولی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیت کے بانی مرزا غلام احمد صاحب نے پلومر کی ٹانک وائن سے مست ہو کر ایک مکتوب میں اپنی نبوّت کو انگریز کا "خود کاشتہ" پودا بیان کر کے برطانوی سرکار سے ناجائز تعلقات کی پوری کہانی بے خبری میں کہہ دی۔ اس دستاویزی ثبوت کے بعد کوئی عقل کا اندھا ہی مرزائیت کی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ تاہم عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پھرنے والوں کی کمی نہیں۔ تکمیلِ دین کے بعد اجرائے نبوت کے قائل مرزائی لوگ گویا تاج محل پر مٹی کا بھدّا گھروندا تیار کر کے ذوقِ سلیم کی توہین کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح فنِ تعمیر کے ماہر ایسے کور ذوق لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح سچے مسلمان ایسے کور باطن مذہب کو قبول نہیں کر سکتے۔"

مفکرِ احرار چوہدری افضل حق رح

منشی قاسم علی قادیانی سے مناظرہ (اپریل ۱۹۱۲ء)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے مناظروں کے بارے میں کتاب کے پچھلے اوراق میں اشارۃً ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک اہم مناظرہ اپریل ۱۹۱۲ء میں قادیانیوں کے ساتھ لدھیانہ میں ہوا مناظرہ میں زیرِ بحث موضوع مرزا غلام احمد کی وہ تحریر تھی جو انہوں نے مولانا ثناء اللہ کے محاسبے سے تنگ آکر مولانا کو بھیجی تھی جس میں جھوٹے کے لیے سچے کی موجودگی میں موت کی دُعا کی گئی تھی۔ یہ تحریر بھی پچھلے صفحات پر آچکی ہے۔ جب خدا نے فیصلہ مولانا کے حق میں کر دیا تو قادیانی حلقہ اس پر انتہائی پریشان ہوا کیونکہ اس وفات کے بعد مرزا صاحب اپنی دعا کی روشنی میں جھوٹے ثابت ہو چکے تھے لیکن اُن کے حواریوں نے اپنی حیثیت کو سہارا دینے کے لیے اس مناظرے کا اہتمام کیا۔ منشی قاسم علی صاحب نے جو قادیانی اہلِ علم میں اہم حیثیت کے مالک تھے اور جنہیں اپنی قلم اور قوتِ گفتار پر بڑا اعتماد تھا مولانا ثناء اللہ کے مقابل آئے تاکہ اُس اہم تحریر کے متعلق مباحثہ کریں۔ چنانچہ منشی قاسم علی نے اپنے اخبار "الحق" ۱۶ فروری ۱۹۱۲ء میں مولانا موصوف کو چیلنج دیا جسے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنے اخبار "اہلحدیث" یکم مارچ ۱۹۱۲ء میں تسلیم کر لیا جس کے بعد مناظرے کی مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں

۱۔ مناظرہ تحریری ہوگا۔

۲۔ ایک منصف مسلمان دوسرا احمدی (قادیانی) اور تیسرا غیر مُسلم ہوگا جسے سرپنچ کی حیثیت میں دونوں فریق قبول کریں۔

۳۔ دونوں منصفوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں سرپنچ جس منصف کے ساتھ اپنا فیصلہ دیں گے وہ فیصلہ ناطق ہوگا۔

۴۔ کُل تحریریں پانچ ہوں گی تین مدعی کی اور دو مدعا علیہ کی

۵۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ مدعی ہوں گے اور منشی قاسم علی قادیانی مدعا علیہ ہوں

۶۔ مدعی کے حق میں فیصلہ ہو تو مدعا علیہ مبلغ تین سو روپیہ بطور انعام (تاوان) مدعی کو دے اور اگر مدعا علیہ غالب ہو تو اُسے مُدعی کچھ نہیں دیگا۔ (اس شرط سے واضح ہوتا ہے کہ قادیانی مناظر منشی قاسم علی کو اپنی کامیابی پر کس قدر اعتماد تھا)

۷۔ مناظرہ منشی قاسم علی کی تجویز کے مطابق لدھیانہ شہر میں ہوگا۔

۸۔ تاریخ مناظرہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء ہوگی۔ (یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ مرزا صاحب جس تحریر کو موضوع مناظرہ بنایا جارہا تھا وُہ بھی ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کی تحریر تھی جس کے ایک سال بعد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

۱۵ اپریل کو اگرچہ فریقین مناظرے کی غرض سے لدھیانہ پہنچ چکے تھے۔ لیکن اُس روز صرف اتنا ہی کام ہوا کہ قادیانیوں نے تین صد روپے کی رقم امین مناظرہ کے سپُرد کر دی۔ اور امانت کے اس عہدے کے لیے دونوں فریقوں نے مولانا محمد حسن صاحب مرحوم رئیس لدھیانہ پر اتفاق کیا۔ کیونکہ شہر میں اس کام کے لیے اُن سے بہتر اور کوئی شخص نہ تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے مولانا ابراہیم سیالکوٹی منصف مقرر ہوئے جبکہ قادیانیوں کی طرف سے منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروزپور کا انتخاب ہوا۔ جہاں تک سرپنچ کا معاملہ تھا، کافی گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد مسلمانوں اور قادیانیوں نے متفقہ طور پر سردار بچن سنگھ صاحب بی اے گورنمنٹ پلیڈر لدھیانہ کو منتخب کر لیا۔

۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء کو ۳ بجے دوپہر اس تاریخی مناظرے کا آغاز ہوا۔ جو آخر تک بڑے امن و اطمینان کے ساتھ جاری رہا۔ منصفین حضرات نے انتہائی محنت اور جانفشانی کے ساتھ مناظرے کا انتظام کیا۔ اور کسی قسم کی بدمزگی دورانِ مناظرہ نہ ہوئی جس کے لیے اہالیانِ لدھیانہ تحسین و آفرین کے مستحق قرار دیئے گئے۔ ابتداء میں طے یہ پایا کہ فریقین کے چالیس چالیس افراد مباحثہ میں شمولیت اختیار کریں لیکن آخر کار کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اور سینکڑوں افراد نے

اس گفتگو کو سُنا۔ پہلے دن ۳ بجے دوپہر سے لے کر ۹ بجے شب تک یہ بحث جاری رہی۔

دعویٰ :-

بیان مدعی - پہلا پرچہ مدعی کی طرف سے پیش کیا گیا جو درج ذیل ہے۔

"صاحبان! آج مباحثہ مندرجہ ذیل مضامین پر ہے۔

(۱) ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا؟

(۲) خدا نے دُعا مندرجہ اشتہار مذکور کی قبولیت کا الہام کر دیا تھا؟

صاحبان مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو اشتہار دیا تھا جس کی پیشانی پر لکھا۔ "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" اس کے اندر یہ دُعا کی :-

"اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح ہونے کا میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذّاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دُعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر" ——————

—————— میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذّاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دُنیا سے اُٹھا لے۔"

اس دُعا کے بعد جناب ممدوح نے یہ لکھا "اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" اس اشتہار میں مرزا صاحب نے دو دفعہ فیصلہ کا لفظ لکھا۔ فیصلہ بھی کسی ذاتی معاملہ کا نہیں بلکہ اس معاملہ کا جس کے لیے بقول ان کے خدا نے ان کو مامور کیا تھا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں "چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں"۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا سلسلۂ رسالت و نبوت میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے کہ کسی نبی یا مامور نے کسی معاملہ الٰہیہ میں از خود ایسی تحدّی اور فیصلہ کی صورت شائع کی ہو جس کی

تحریک خدا کی جانب سے نہ ہو۔ ہرگز اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس لیے کہ اس قسم کے فیصلے کا اثر ان کے مشن پر پہنچنا ہوتا ہے جس کی تبلیغ کے لیے نبی کو خدا مامور کر کے بھیجتا ہے۔ چنانچہ جناب ممدوح اسی اشتہار میں لکھتے ہیں :۔

"اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔"

(مہربانی کر کے منصف صاحبان سارا اشتہار ایک مرتبہ پڑھنے کی تکلیف گوارا کریں)

کوئی ایسا معاہدہ یا اعلان کوئی نبی خدا کی تحریک کے بغیر نہیں کر سکتا جس کا اثر اس کے مشن پر پڑے جس کے لیے وہ مامور ہو کر آیا ہو۔ قرآنِ پاک میں اس دعوے کے ثبوت کے لیے بہت سی آیات ہیں۔ منجملہ چند ایک یہ ہیں :۔

(۱) مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(ترجمہ) کسی رسول کی طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر نشان لائے۔

(۲) لو تقول علينا بعض الاقاويل لاخذنا منه باليمين۔

(ترجمہ) نبی اگر خدا کے ذمے کوئی بات از خود کہہ دے تو خدا اس کو ہلاک کر دے

(۳) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

(ترجمہ) اے نبی تجھے اختیار نہیں حکم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے

(۴) اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔

(ترجمہ) میں (نبی) اس کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے

(۵) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

(ترجمہ) نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو کچھ وحی ہوتی ہے وہی کہتا ہے

ان آیات میں سے جو پچھلی آیت ہے صرف قرآن مجید کی آیت نہیں بلکہ جناب مرزا صاحب کا الہام بھی ہے۔ ملاحظہ ہو اربعین نمبر ۲ صفحہ ۳۶ سطر ۲۱۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۶ سطر ۳۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی معاملہ میں کوئی بات خدا کی وحی کے بغیر نہیں کہتے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ خدا کی وحی ہوتی ہے۔ یہی معنی اس فقرے کے

بطور الہام مرزا صاحب ہوں گے۔ مرزا صاحب کسی دینی معاملے میں خدا کی تحریک کے بغیر نہیں بولتے۔
غرض یہ کہ مامور بحیثیت مامور مجبور ہے کہ کوئی بات دینی معاملہ میں ایسی نہ کہے۔ خصوصاً کسی امر کو کفر
و اسلام میں فیصلہ کن قرار نہ دے جب تک خدا کی طرف سے اجازت نہ ہو۔

یہاں تک تو میں نے عمومات قرآنیہ اور الہامات مرزائیہ سے استدلال کیا ہے اب میں خصوصاً
اس امر کے متعلق عرض کرتا ہوں جس میں نزاع ہے۔ جناب مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل کو اشتہار
شائع کیا۔ ۲۵ اپریل کے اخبار "بدر" میں ان کے الفاظ یہ شائع ہوئے۔

"ثناء اللہ | مرزا صاحب نے فرمایا زمانے کے عجائبات ہیں رات کو ہم سوتے
ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک ایک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا
ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے
یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ
ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا
"اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ" دنیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے باقی
سب اس کی شاخیں ہیں۔"

ان الفاظ سے میرے دونوں دعوے ثابت ہوتے ہیں (الف) اس دعا کی بنیاد خدا کی طرف
سے تھی جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا زیبا ہے کہ خدا کے مخفی حکم اور منشا سے تھی (ب) اس
دعا کی قبولیت کا وعدہ تھا۔ اگرچہ اثبات مدعا کے لیے اتنا ہی کافی ہے مگر میں اس کو ذرا تفصیل کے
ساتھ بتانا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کا عام طور پر الہام ہے کہ مجھے خدا نے فرمایا۔ اُجِیْبُ کُلَّ دعا
ئِکَ اِلَّا فِی شُرَکَائِکَ۔ (ترجمہ۔ میں خدا تیری ہر ایک دعا قبول کرونگا سوائے تیرے شریکوں کے حق
میں۔ تریاق القلوب صفحہ ۳۸) اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ میرا بڑا معجزہ قبولیت دعا ہی ہے چنانچہ ان
کے آرگن رسالہ ریویو بابت مئی ۱۹۰۷ء سے نقل کرتا ہوں۔

"حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) دعا کی قبولیت کا ایک ایسا قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں
جو آج دنیا میں کسی مذہب کا کوئی ماننے والا پیش نہیں کر سکتا۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ خدا
تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں اور اس دعا کا جواب پاتے ہیں اور جو کچھ جواب میں

ان کو بتایا جاتا ہے اس کو قبل از وقت شائع کر دیتے ہیں۔ پھر ان شائع شدہ امور کے بعد واقعات تائید کرتے ہیں اور یہ تائید ایسی ہوتی ہے کہ جس پر کوئی انسانی کوشش اور منصوبہ بازی پہنچ نہیں کر سکتا۔ اور ایسے ہی اعجازی اور فوق الطاقت طور پر وہ امر ظہور پذیر ہوتا ہے وہ مدت سے شائع کر رہے ہیں کہ ان کے من جانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں" (صـ۱۹۲)

ہاں اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب کے اشتہار ۱۵ اپریل میں یہ فقرہ بھی ہے کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بنیاد پر پیشگوئی نہیں"۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مرزا صاحب کو اس تحریک الٰہی کا علم نہ تھا جس نے مخفی طور پر ان کے قلب پر یہ اثر کیا تھا جس وقت انہوں نے اشتہار دیا لیکن بعد میں جب ان کو خدا کی طرف سے بتلایا گیا تو انہوں نے اعلان کیا کہ اس کی بنیاد خدا کی طرف سے ہے۔ میری اس تطبیق کی قطعی دلیل مرزا صاحب کی وہ تحریر ہے جو میرے خط کے جواب میں بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچنے کے علاوہ اخبار "بدر" ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء میں چھپی تھی جس میں یہ الفاظ ہیں:۔

"مشیتِ ایزدی نے حضرت حجۃ اللہ (مرزا صاحب) کے قلب میں ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا" (صـ۷ کالم ۱)

اس تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس دعا کی تحریک ان کے دل میں خدا نے کی تھی۔ یہی معنے ہیں خدا کے حکم سے ہونے کے۔ ممکن ہے اس وقت جنابِ ممدوح کو اس کا علم نہ ہو۔ عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ) اس لیے ممدوح نے تحریر اوّل میں نفی فرمائی لیکن بعد کے الہامات اور علامات خداوندی سے ان کو معلوم ہوا کہ اس کی تحریک خدا کی طرف سے تھی اور اس کی قبولیت کا دعویٰ بھی تھا تو انہوں نے کھلے الفاظ میں اظہار کیا۔ کہ اس کی بنیاد خدا کی طرف سے ہے بلکہ اس کی قبولیت کا الہام بھی شائع کیا "اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ مرزا صاحب کی توجہ پر یہ الہام ہونا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ جناب موصوف کو اس دعا کی قبولیت کا الہام قطعی ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں الہام بالفاظِ قرآنی ہو تو بہت زیادہ قوت رکھتا ہے۔ بہ نسبت دیگر الفاظ

الہام مذکور چونکہ قرآنی الفاظ میں ہے اس لیے قطعی قبولیت کو ثابت کرتا ہے۔ فریق ثانی کو میری تطبیق پسند نہ ہو تو اثبات و نفی میں تطبیق دینا ان کا فرض اوّلین ہے کیونکہ وہ مرزا صاحب کے مصدق ہیں اور قرآن پاک میں غلط الہامات کی علامت یہی مذکور ہے کہ ان میں نفی اثبات کا اختلاف ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس اختلاف کو بپا بندی قواعد علمیہ واصول مسلمہ محدثین ومبصرین تطبیق دے۔

(ابوالوفا ثناء اللہ بقلم خود)

جوابِ دعویٰ

بیان مدعا علیہ منشی قاسم علی نے مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے جواب میں جو جوابی تحریر منصفین کے سامنے پیش کی وہ مندرجہ ذیل ہے:

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولوی صاحب نے اپنے مضمون کو جس تمہید سے شروع کیا اس سے نفس دعویٰ مولوی صاحب کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ تمام وعظ ولیکچر اس دعوٰی کو کہ :۔

"۱۵ اپریل والا اشتہار مرزا صاحب نے بحکم خداوندی دیا تھا اور دعا مندرجہ اشتہار مذکور کی قبولیت کا خدا نے وعدہ فرمالیا تھا" کسی طرح بھی ثابت نہیں کرتا۔

مولوی صاحب یعنی مدعی کا فرض تھا کہ وہ اپنا دعوٰی دو طرح سے ثابت فرماتے۔ اوّل ایسا الہام منجانب اللہ اس اشتہار کے متعلق پیش کرتے جس میں مرزا صاحب کو خدا نے یہ حکم دیا ہوتا کہ تم ایسی درخواست ہمارے حضور میں پیش کر دیا مرزا صاحب نے کہیں فرمایا ہوتا کہ اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں نے حسب الحکم خداوند کریم شائع کیا ہے۔ جبکہ یہ دونوں صورتیں مولوی صاحب نے پیش نہیں فرمائی ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ دعوٰی کس طرح ثابت ہوگیا کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا۔ نہ کوئی حکم خداوندی اس کے متعلق موجود ہے۔ نہ مولوی صاحب نے ایسا حکم پیش فرمایا ہے۔ ہاں مولوی صاحب نے خصوصیت کے ساتھ اس امر کے متعلق دو دلیلیں پیش کی ہیں جو ایک تو "بدر" مورخہ ۲۵ اپریل کی ہے اور دوسری "بدر" ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کی جس سے آپ نے بخیال خود

یہ ثابت فرمادیا کہ ۱۵ر اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا اور وہ دلیلیں یہ ہیں۔

۱۔ ۲۵ر اپریل کے بدر میں مرزا صاحب کی کلام شائع ہوئی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

۲۔ ۱۳ر جون کے "بدر" میں جو خط ایڈیٹر صاحب "بدر" نے بجواب مولوی صاحب شائع کیا اس میں لکھا ہے کہ مشیت ایزدی نے حضرت مرزا صاحب کے قلب میں ایک دعا کی تحریک کرکے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا"

ان دونوں دلیلوں سے آپ اپنا دعویٰ اس طرح ثابت فرماتے ہیں کہ چونکہ اشتہار ۱۵ اپریل کے بعد ۲۵ر اپریل کے "بدر" میں مرزا صاحب نے ایسا فرمایا کہ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہے۔ پس بعد شائع کر دینے ا[illegible] کے مرزا صاحب کو خدا نے بتا دیا کہ یہ اشتہار میرے حکم سے ہے۔ سو اس کا جواب تو یہ ہے کہ دعوٰی مولوی صاحب نے فرمایا کہ ۱۵ر اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی دیا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشتہار دینے سے پہلے وہ حکم مرزا صاحب کو ملا ہوگا جس کی بنا پر اشتہار دیا گیا اور عقل بھی اسی کی مقتضیٰ ہے کہ حکم پہلے ہو تعمیل اس کے بعد میں ہونی چاہیئے۔ مگر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں تعمیل تو پہلے ہی مرزا صاحب نے کر دی تھی۔ گو حکم بخیال مولوی صاحب ۱۵ اپریل والی تعمیل کا ۲۵ر اپریل کو بعد میں صادر ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ ایسی نظیر غالباً کسی جگہ نہ ملے گی کہ حکم سے پہلے ہی تعمیل ہو جائے۔ اور حکم تعمیل کو دیکھنے کے بعد حاکم کی طرف سے صادر ہو۔

بہر حال مولوی صاحب خود مانتے ہیں کہ اشتہار ۱۵ر اپریل والے میں تو بے شک یہ لکھا ہے کہ یہ اشتہار کسی حکم کی بنا پر نہیں بلکہ میری طرف سے بصورت درخواست یا عرضی کے ہے۔ یہ بھی مولوی صاحب تسلیم فرماتے ہیں کہ جس وقت اشتہار دیا گیا اس وقت تو ان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں خدا کے کسی حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ بعد تعمیل حکم حاکم نے ان کو بتایا کہ یہ ہمارے حکم سے تم نے اعلان کیا ہے۔ پھر مرزا صاحب نے بھی فوراً شائع فرما دیا کہ یہ درخواست میری خدا کے حکم کے مطابق ہے جس کا آج پتہ لگا ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب استدلال ہے کہ حکم دس روز بعد دیا جائے یا دس

روز بعد اس کا پتہ لگے۔ مگر ملازم یا خادم قبل صدور حکم ہی تعمیل کر کے رکھ دے۔ لہذا یہ استدلال دعویٰ مولوی صاحب کو کسی صورت بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ اس میں کہیں یہ بھی تو نہیں لکھا کہ ۱۵ر اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی دیا گیا ہے۔ ۲۵ر اپریل کے "بدر" میں تو صرف اتنا لکھا ہے کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے ۱۵ر اپریل والے اشتہار کا لکھا جانا اس میں کہاں درج ہے۔ دعویٰ تو ۱۵ر اپریل والے اشتہار کے متعلق ہے جو خاص ہے اور دلیل ایک عام پیش کرتے ہیں جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق بوم تقریر سے پیشتر جو لکھا گیا ہے اس کا منجانب اللہ بنیاد رکھا جانا بتایا ہے۔ دوم ۱۳ر جون والے بدر میں جو لفظ "مشیت ایزدی" ہے اس سے مولوی صاحب اس اشتہار کا بحکم خداوندی دیا جانا ثابت کرتے ہیں جو یہ بھی درست نہیں۔ مشیت ایزدی کو تو رضائے الٰہی بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ وہ بحکم خداوندی ہو۔ مولوی صاحب نے "ترک اسلام" کے صفحہ ۳۵ پر مشیت اللہ کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"مشیت اللہ خدا کے قانون مجریہ کا نام ہے جو خدا کی رضا کو مستلزم نہیں۔ ص ۳۴
اور ہم بلند آواز سے کہتے ہیں کہ زانی زنا کرتا ہے تو اس کی مشیت سے کرتا ہے
چور چوری کرتا ہے تو اس کے قانون سے کرتا ہے۔"

پھر میں نہیں سمجھتا کہ مشیت ایزدی کو رضائے الٰہی کا کلام نہ ہونا مان کر صرف مشیت ایزدی سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا جائے کہ یہ اشتہار بحکم خداوندی تھا۔ مشیت ایزدی سے تو زنا اور چوری بھی منسوب ہو سکتی ہے۔ اگر مرزا صاحب کے اشتہار کا مشیت ایزدی سے دیا جانا لکھا ہو تو رضائے الٰہی کیوں سمجھ لیا گیا۔ والسلام"

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ڈائری مورخہ ۲۵ر اپریل مرزا صاحب کے اشتہار مورخہ ۱۵ر اپریل والے کے متعلق ہے تو بے شک اس میں مولوی صاحب سچے ہوں گے۔ اور میں جھوٹا ہوں گا۔ کیونکہ جب خدا نے ہی اشتہار اپنے حکم سے دلوایا اور پھر اس کے متعلق منظوری کا الہام بھی کر دیا تو ایسی صورت میں مرزا صاحب ہی کا معاذ اللہ جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔

پس نہ تو "بدر" ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء سے یہ ثابت ہوا کہ ۱۵ر اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی

تھا نہ ۱۳ ر جون کے لفظ مشیّت سے یہ مدّعا نکلا کیونکہ مشیّت میں رضاءِ الٰہی تک کی ضرورت
تو پھر حکم کیسا؟

دوسرا دعویٰ کہ اس کی قبولیت کا الہام ہو چکا تھا نہ ہی مرزا صاحب کی اس ڈائری
"بدر" مورخہ ۲۵ ر اپریل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ اُجِیْبُ دعوۃ الدَّاع
خدا نے دعوت قبول فرمائی۔ گویا اب مکمل تعمیل ہو گئی۔ پہلے تو خدا کے حکم سے اشتہار دیا۔ پھر خدا
دُعا مندرجہ اشتہار کی قبولیت کا الہام بھی کر دیا۔ فیصلہ شد۔ مگر میں اس کو سراسر واقعات
خلاف ثابت کرتا ہوں۔

یہ تمام مغالطہ مولوی صاحب کو اس ڈائری کے ۲۵ ر اپریل والے "بدر" میں تاریخ
سے پیدا ہوا ہے۔ جو دراصل ۲۵ ر اپریل کی نہیں اس لیے ۲۵ ر اپریل کے "بدر" میں جو تقریر مرزا
کی ڈائری سے مولوی صاحب نے اپنے استدلال میں پیش کی ہے وہ دراصل ۲۵ ر اپریل کی نہیں
۱۴ ر اپریل کی ہے جو اشتہار سے ایک روز پیشتر کی ہے جس حالت میں کہ اشتہار اس تقریر سے
لکھا ہی نہیں گیا تھا تو اس کی نسبت تقریر جو ایک روز پہلے کی ہے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اشتہار
اپریل کو ہی لکھا اور ۱۸ ر اپریل کو شائع کیا۔ ڈائری مذکور ۱۴ ر اپریل کی اور الہام مذکور ۱۳ ر اور
کی درمیانی شب کا ہے۔ گویا نہ الہام کے وقت نہ اس تقریر کے وقت جو ۱۴ ر اپریل بعد عصر
یہ اشتہار لکھا گیا۔ تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس تقریر کا تعلق اس تحریر سے ہے جو تقریر سے
روز اور الہام سے تقریباً دو روز بعد لکھی گئی۔ باقی میں دوسرے پرچے میں لکھوں گا۔ مولوی
نے جو دلائل علاوہ ازیں لکھنے ہوں وہ بھی لکھ دیں کیونکہ مجھے پھر بجز دوسرے پرچے کے جوا
موقعہ ان کے متعلق نہیں ہو سکتا۔

(قاسم علی ۱۷ ر اپریل ۱۹۱۲ء)

مولانا کی دُوسری تحریر

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قادیانی مناظر منشی قاسم علی کے جواب میں جو تحریر پیش کی
درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب منصف صاحبان ومنشی قاسم علی صاحب! میری تمہید کو آپ نے بے تعلق بتلایا حالانکہ
یک عام قانون کی شکل میں تھی جس کے نیچے تمام دُنیا کی جزئیات داخل ہوا کرتی ہیں۔ وہ طریقہ قانون
نیت دونوں میں مروّج ہے بہرحال جو کچھ آپ سے بن پڑا، کہا۔ آپ نے زور دیا کہ ۵ار تاریخ کے
یں ۱۴ر تاریخ کی ڈائری ہے مگر میرے مخاطب صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ اس کا کیا مطلب ہے
ماللہ کی بابت جو لکھا گیا جس کی قبولیت کا جناب باری تعالیٰ نے مرزا صاحب سے وعدہ فرمایا تھا اس
نان نہیں دیا۔ میرے مخاطب کا فرض تھا کہ ۱۴ر تاریخ کی ڈائری والا مضمون بتلاتے۔ ان ڈائری
بوں کا تو یہ حال ہے کہ ۱۴ر تاریخ کی ڈائری لکھ کر صفحہ ۵ پر ۱۱ر تاریخ لکھ دی۔ اگر دنیا میں کوئی
ایسا ہے کہ ۱۴ر اور ۱۵ر کے بعد ۱۱ر تاریخ آتی ہو تو یہ بھی علی الترتیب ہو سکتی ہے۔ میں
ہوں کہ اشتہاروں کے لکھنے کا اور اشاعت کا طریق کیا ہوتا ہے۔ اخباروں کا مطالعہ کرنے والے
جانتے ہیں کہ اخبار" ہندوستان" " وطن" وغیرہ کی تاریخ اشاعت جمعہ ہے مگر عموماً جمعرات کو
جاتے ہیں۔ لہٰذا ۱۷ر تاریخ کے " الحکم" کو ایک روز آنے میں دیر ہوئی ہوگی اور وہ مرزا صاحب
ھی ہوئی ہے۔ بھلا غور فرمایئے ۵ار کا اشتہار کتابت کب ہوا، پریس میں کب گیا اور پھر چھپ کر
تقسیم ہوا۔

۸ار تاریخ والا اخبار کم از کم ۱۲ر تاریخ کو لکھا جاتا ہے۔ خصوصاً جناب مرزا صاحب کی تحریر
صاف ظاہر ہے کہ جناب ممدوح اپنے مسودوں کو دو دو چار چار مہینے پہلے لکھا کرتے تھے۔
ل کا ثبوت یہ ہے کہ " پیغام صلح" جو لاہور میں ان کے انتقال کے بعد پڑھا گیا خواجہ کمال الدین
چند متفرق یادداشتوں کی صورت میں نوٹ ملے تھے۔ علاوہ اس کے جناب موصوف کی یہ بھی
رت تھی کہ مضمون میں بہت کچھ ردوبدل کیا کرتے تھے حتیٰ کہ پتھر پر بھی کانٹ چھانٹ کرتے تھے
یں کا تجربہ رکھنے والے اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ مصنف کی عبارت کی نوعیت اس
قت تک نہیں بدلتی جب تک کہ کانٹ چھانٹ نہ جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشیت اللہ سے تمام
لدوبارہ ہوتے ہیں۔ چوری زنا وغیرہ سب ہوتا ہے تم کس طرح استدلال کر سکتے ہو۔ میرے
وست! خط کے الفاظ سامنے ہیں میں اپنے خط کا مختصر مضمون پہلے سناتا ہوں۔ مرزا صاحب

نے اشتہار دیا تھا کہ میں نے کتاب حقیقت الوحی لکھی ہے اس میں مباہلے کے لیے تمام عالموں کو دعوت ہے اور شرائط مفصل لکھی ہیں جس کو وہ کتاب نہ ملی ہو وہ منگالے چونکہ اس میں میرا ذکر بھی تھا لیے میں نے عریضہ لکھا کہ کتاب مذکور بھیجیے تاکہ حسب منشا آپ سے مباہلہ کی تیاری کروں۔ اس خط کا جواب آیا کہ "آپ کا رجسٹری شدہ کارڈ ۳ر جون ۱۹۰۷ء کو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا یہ الفاظ مفتی محمد صادق صاحب کے بحیثیت سررشتہ دار مرزا صاحب کے ہیں۔ گو میرے دوست نے کھلے لفظوں میں نہیں لکھا یہ خط مفتی صاحب کا ہے مرزا صاحب کا نہیں لیکن میں بطور پیش بندی کہتا ہوں کہ خط مذکور بطور سررشتہ داری کے ہے ورنہ میرے مخاطب تو مرزا صاحب تھے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"آپ کا خط حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا جس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقت الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا جس وقت مباہلے کے واسطے لکھا گیا تھا تاکہ مباہلے سے پہلے پڑھ لیتے مگر چونکہ آپ نے اپنے واسطے تعین عذاب کی خواہش ظاہر کی اور بغیر اس کے مباہلہ سے انکار کر کے اپنے لیے فرار کی راہ نکالی اس واسطے مشیت ایزدی نے آپ کو اور راہ سے پکڑا اور حضرت حجۃ اللہ مرزا صاحب کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کی اور دوسرا طریق اختیار کیا۔"

مفتی صاحب اس تحریک کو جو مشیت خداوندی سے مرزا صاحب کے دل میں ہوئی تھی دوسری باتوں سے مشابہت دیتے ہیں۔ میں ایسا کرتا تو مجھ سے بدتہذیبی کی وجہ سے معافی منگائی جاتی میرے دوست ایک ایسا بزرگ اور مدعی جس کا یہ دعویٰ ہے انا خاتم الاولیاء۔ لا ولی بعدی میں ولیوں کا خاتم (ختم کرنے والا) ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں ہوگا جس کا یہ دعویٰ ہے میرا قدم ایسے منارے پر ہے جس پر سب بلندیاں ختم ہو چکیں (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵) جس کا یہ دعویٰ ہو کہ میرے مقابل کسی قدم کو قرار نہیں۔ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ دعا کا قبول ہونا اول علامت اولیاء اللہ میں سے ہے (تریاق القلوب صفحہ ۲۳) اس کی دعا کو جو خدا کی تحریک سے اس کے دل میں ہو، آپ دنیا کی دیگر بدکاریوں سے مشابہت دیتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے

خیر میں اس کا جواب اسلامی لٹریچر سے دیتا ہوں۔ انبیاء علیہ السلام کے دلوں میں جو خدا کی طرف سے کسی مذہبی فیصلے کی تحریک ہوتی ہے وہ وحی الٰہی سے ہوتی ہے۔ یہی معنی ان کے معصوم اور بے گناہ ہونے کے ہیں۔ اس مضمون کے ثابت کرنے کے لیے میں نے تمہید بیان کی تھی۔ جس کو آپ نے بے تعلق کہ کر چھوڑ دیا۔ اگر آپ نے کتاب صحیح بخاری پڑھی ہوتی تو آپ تصدیق کرتے کہ عمومات قرآنیہ اور حدیثیہ سے مسائل کا ثبوت کیسے دیا جاتا ہے۔ جناب مرزا صاحب بھی اس طریق استدلال کو اپنی تصانیف میں عموماً استعمال کرتے ہیں۔ جہاں کہیں قرآن شریف میں ذکر آتا ہے کہ ہم نے پہلے کسی آدمی کے لیے ہمیشگی نہیں کی۔ کسی آدمی کو بغیر کھانے پینے کے پیدا نہیں کیا تو مرزا صاحب فوراً حضرت مسیح کی موت کا ثبوت دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طریق کا استدلال کرنا پرانا معقولی اور اصولی طریقہ ہے کیا آپ کو یاد نہیں ؟ امرتسر کے مباحثہ عیسائیوں میں مرزا صاحب کے دلائل کی نوعیت کیا تھی۔ یہی کہ عام حالت حضرات انبیاء علیہم السلام کی جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے جس میں حضرت مسیح کا کوئی خاص ذکر نہیں بطور اصول موضوعہ لے کر جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت کو باطل کیا۔ بہرحال اسلامی لٹریچر سے واقف اور سننے والے ان الفاظ کے سنتے ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ایک مامور کے دل میں منجانب اللہ تحریک ہونا یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ کفر اور اسلام کے متعلق فیصلہ متحدیانہ کا چیلنج دینا بغیر وحی خدا اور الہام کے نہیں ہوتا۔ یہی مضمون آیت کریمہ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ کا ہے۔ میں نے آیت قرآنیہ کے علاوہ مرزا صاحب کا الہام بالفاظ قرآن بھی لکھوایا تھا کہ جناب موصوف کو کئی ایک مقامات پر الہام ہوا ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى جس کا مطلب میں نے صاف لفظوں میں بتلایا تھا کہ جناب مرزا صاحب کی نسبت بقول ان کے خدا فرماتا ہے کہ مرزا صاحب بغیر وحی کے نہیں بولتے۔ اس آیت اور الہام کی تفسیر بتلانے میں میں نے دینی معاملہ کا لفظ بڑھایا تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور ماموران باری تعالیٰ کو اپنی ضروریات طبعیہ میں بولنے کے لیے وحی یا الہام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دینی معاملہ میں بغیر وحی کے نہیں بولتے۔ خصوصاً کسی ایسے معاملے کی نسبت جو اشد مخالفوں کے سامنے بطور فیصلہ ظاہر کیا جائے۔ مرزا صاحب مجھ کو اپنے مخالفوں میں سے بڑھا ہوا مخالف خیال کرتے تھے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۳)

دوستو خود ہی غور کرو۔ مثنیٰ و فرادا غور کرو۔ خلوت و جلوت میں غور کرو۔ ایسے اشد مخالف

کے مقابلے میں ایک مامورِ خدا فیصلہ کی صورت شائع کرتا ہے اور اس کی بابت اقرار کرتا ہے کہ مشیت ایزدی سے یہ تحریک میرے دل میں ہوئی۔ اس کو منشی قاسم صاحب دنیا کے دیگر واقعات مثلاً زنا چوری وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ہمارے ثانی پریسیڈنٹ خصوصاً اس خیال کو ملحوظ رکھیں۔ شروع میں آپ نے عجیب منطق سے کام لیا ہے آپ لکھتے ہیں ایسا ہونا چاہیئے تھا کہ مرزا صاحب کو پروردگار حکم دیتا کہ ہمارے حضور میں درخواست پیش کرو۔

پیغمبر اسلام علیہ السّلام کی جتنی بھی پیش گوئیاں موجود ہیں جن کو آپ بھی کفر و اسلام کے مابین میں پیش کرتے ہیں کیا کوئی ایسی آیت یا حدیث دکھا سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو حکم دیا ہو کہ تم میرے سامنے درخواست پیش کرو۔ درخواست کی ضرورت ہے تو آپ اٹھتے ہی اس آیت کی تغییر کر دیں جس میں روم (سلطنت روما) کے مغلوب ہونے اور مغلوب کے بعد غالب ہونے کی پیشگوئی مذکور ہے۔ کیا یہ پیشگوئی قرآنی فیصلہ نہ تھا؟ پیغمبر خدا علیہ السلام نے بدر کی لڑائی میں فرمایا تھا کہ ابو جہل یہاں گرے گا، فلاں یہاں گر پڑے گا۔ اس کے لیے کوئی درخواست تھی؟ دوسرا یہ کہ بقول آپ کے ایسا ہونا کہ اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل میں مرزا نے حسب الحکم خدا شائع کیا" خدا کا شکر ہے کہ صدارت کی کرسی پر تینوں صاحب ذی علم و صاحب فضل ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ علم بیان میں ایک مضمون مختلف عبارات اور مختلف اشاروں سے ادا کیا جاتا ہے۔ مضمون ادا کرنے والے کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم نے اس طریق سے کیوں ادا نہیں کیا۔ ایک مضمون مختلف الفاظ میں ادا ہو سکتا ہے۔ میرے پیش کردہ حوالوں کو غور سے ملاحظہ کر کے انصاف کریں کہ ان الفاظ سے منجانب اللہ ہونا پایا جاتا ہے یا نہیں ؎

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

ابو وفا ثناء اللہ بقلم خود

منشی قاسم کا دوسرا تحریری بیان:

عالی جناب پریذیڈنٹ صاحب، و ممبر مجلسان و مولوی صاحب!

آپ کا دعویٰ جو بحروف جلی ایک بورڈ کے اوپر لکھ کر سامنے لگا دیا گیا ہے وہ یہ ہے

کہ ۱۵ ؍ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکمِ خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا، دوسرا دعویٰ خدا نے الہامی طور پر جواب دیا کہ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی۔ یہی دعویٰ آپ نے اپنے پہلے پرچے میں پہلے ہی صفحے پر تحریر فرمایا ہے اس کے ثبوت میں آپ کی طرف سے جو علم بیان کا قاعدہ ہے یا آپ کے کسی خاص قانون سے اس طریق سے ایسے خاص دعوے کا استدلال بھی ہو کر ثابت کیا جا سکتا ہے اور عدالت اس قسم کے دلائل پر ہی غور کر کے آپ کے دعوے کو ثابت شدہ تسلیم کرنے کے بعد بیس[۲۰] پونڈ یا تین صد روپے آپ کو دے سکتی ہے تو میرے خیال میں کسی قانونِ شہادت وغیرہ کی بھی گورنمنٹ کو ضرورت نہیں رہنی چاہیئے۔ یہ ایک بدیہی بات آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے کہ اشتہار پندرہ اپریل والا سترہ[۱۷] اپریل کے "الحکم" اور ۱۸ ؍ اپریل کے "بدر" میں شامل ہوا اور اس اشتہار کے نیچے دونوں اخباروں میں یہ لفظ لکھے ہوئے ہیں۔ مرقومہ ۱۵ ؍ اپریل ۱۹۰۷ء۔ اگر اس اشتہار کو ۱۵ ؍ اپریل سے اوّل کا سمجھا جاتا تو ایک امرِ واقعہ کے مقابلے میں اس کے سامنے کوئی قیاسی دلائل پیش نہیں ہونے چاہئیں۔ اس اشتہار کے بحکمِ خداوندی دینے پر آپ نے ۲۵ ؍ اپریل کی "بدر" کی ڈائری پیش فرما کر ثابت کرنا چاہا کہ تحریرِ اشتہار سے تقریر ۲۵ ؍ اپریل چونکہ بعد کی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ اس تقریر کا تعلق اسی پندرہ اپریل والے اشتہار سے ہے۔ دوسری دلیل اس کے بحکمِ خداوندی ہونے کی آپ نے ۱۳ ؍ جون کے اخبار "بدر" کے ایک فقرہ سے جس میں مشیتِ ایزدی سے اس دعا کا حضرت مرزا صاحب کے قلب میں آنا لکھا ہے محض ایک لفظ مشیّت پر آپ اس کو حکمِ خداوندی فرماتے ہیں حالانکہ لفظ مشیّت آپ کے مسلّمہ معنوں کے لحاظ سے جن کی تشریح آپ نے اپنی کتاب "ترکِ اسلام" کے بجواب دھرم پال میں یہ کی تھی کہ مشیتِ ایزدی کے لیے خدا کی رضامندی کا ہونا ضروری نہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے ارادہ اور مشیّت سے ہو رہا ہے۔ زانی زنا کرتا ہے۔ چور چوری کرتا ہے تو بھی خدا کی مشیّت سے کرتا ہے یہ آپ کی تشریح مشیّت کے متعلق بروئے شرط نمبر ۱۴ آپ کے مسلّمات سے کی گئی۔ جس کو آپ نے ہماری مسلّمہ کہہ کر فرمایا کہ مرزا صاحب کے اشتہار اور الہام کو میں زنا اور چوری کے ساتھ مشابہت دیتا ہوں حالانکہ یہ مرزا صاحب کے الہام وغیرہ کے متعلق نہیں بلکہ آپ نے جو مشیّت کے لفظ سے اپنا یہ دعویٰ کہ اشتہار بحکمِ خداوندی دیا تھا ثابت کرنا چاہا۔ اس کے باطل کرنے کے لیے

میں نے آپ کو توجہ دلائی کہ مشیت کے واسطے تو رسامندی ایسی بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ اسے حکم خداوندی کہا جائے۔ ڈائری کے متعلق آپ نے جو اعتراض فرمایا ہے وہ غیر مسلسل ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ڈائری کسی پٹواری یا گرداور اور تا نیگویا نائب تحصیلدار بندوبست کی نہیں ہے کہ جس میں ٹریول (سفر) کر کے ٹریولنگ الاؤنس حاصل کرتا ہو۔ یہ ڈائری ریفارمر کی ہے یہ ڈائری ایک قوم کے پیشوا کی ہے جس کی قوم کو اس کی تقریروں اور تحریروں کا پہچاننا سب سے بڑا ضروری فرض اُن آرگنوں کا ہے جو اس کے مشن والوں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں وہ لوگ مختلف ڈائریوں کو جن کو اس کے مختلف مُرید مختلف تاریخوں میں لکھتے تھے اور جب کبھی اخبار والوں کو دیتے تھے تب ہی وہ اس کو شائع کر دیتے تھے۔ پس ان کا صرف کام یہ تھا کہ جس تاریخ کی کوئی ڈائری ہو۔ کوئی تقریر ہو۔ اس تاریخ کو اوّل میں لکھ دیں۔ یہ خاص اسی اخبار میں نہیں ہے بلکہ اگلے اور پچھلے پرچوں میں بھی اندراج ڈائری کا ایسا ہی سلسلہ رہا ہے۔ خود ۲۵ اپریل کے "بدر" میں صفحہ ۴ کے اوپر ایک ڈائری شروع ہوئی ہے جو ۲۱ اپریل کی ہے اور صفحہ ۷ پر پندرہ اپریل کی ڈائری شروع ہوئی ہے۔ یہ تو آپ کے اس اعتراض کا کہ ۲۱ کے بعد ۱۵ آسکتی ہے؟ جواب دینا ایک ایسے شخص کے لیے کہ جو اپنا دستور نہ صرف آپ کی وجہ بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی جانتا ہے۔ ضروری نہیں۔ ۱ مئی کے "بدر" میں صفحہ پر بقیہ ڈائری ۵ اپریل کی شروع ہوئی ہے اور وہ ۱۱ اپریل کی ہے مگر اسی کے صفحہ ۵ پر اپریل کے بعد ۲۰ مارچ کی ڈائری شروع ہوئی ہے تو کیا اپریل کے بعد مارچ آیا کرتا ہے۔ پس ڈائری کا غیر مسلسل ہونا آپ کے اثباتِ دعویٰ کے واسطے موجودہ دستور کے مطابق کوئی مفید نہیں ہو سکتا۔ پس اشتہار پندرہ اپریل کو لکھا گیا۔ ۱۷-۱۸ اپریل کو شائع ہوا۔ اور یہ ڈائری ۱۴ اپریل کی ہے جس کو اشتہار مذکور سے عقلاً قانوناً شرعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک فیکٹ ہے (ہو گا یا ہو گی) یا مرزا صاحب کا یہ دستور تھا کہ پہلے ہی لکھ لیتے تھے یا پتھروں پر کاٹ دیتے تھے وہ کچھ کرتے تھے۔ موجودہ دعویٰ جس دستاویز کی بنا پر آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ مشکوک یا جعلی نہیں ہے۔ الہام جو اس ڈائری میں درج ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ جس کی بنا پر آپ اس دعا اشتہار والی کو قبول شدہ یا وعدۂ قبولیت قرار دیتے ہیں۔ یہ الہام ۱۷ اپریل کے "الحکم" اور ۱۸ اپریل کے "بدر" کے

صفحہ ۲ اور ۳ پر ۱۴ تاریخ کو ہو چکا ہوا لکھا ہے۔ پس ۱۴ تاریخ کو جب الہام کا ہونا "بدر" اور "الحکم" میں شائع ہو چکا ہے اس کو ۱۵ تاریخ کے کاغذ کے متعلق قرار دینا کسی طرح بھی جائز نہیں

جناب پریذیڈنٹ و مولوی صاحب یہ اشتہار جو اس وقت متنازعہ ہے اس کی ابتداء کیا ہے اس کی اصلیت خود اشتہار کے اندر لکھی ہوئی ہے اور وہ ان الفاظ میں ہے کہ یہ کسی وحی یا الہام کی بناء پر پیشین گوئی نہیں بلکہ محض دُعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے[1]۔ یہ ایک درخواست ہے یہ ایک استغاثہ ہے ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کے خلاف تمام عالموں کے حاکم کے حضور۔ اور اس سے یہ استدعا کی گئی ہے کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ یہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں۔ یہ کسی حکم الٰہی کے ماتحت نہیں۔ یہ کسی الہام کی بناء پر نہیں۔ بلکہ ایک شخص جو اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے وہ عدالت میں داد خواہ ہوتا ہے۔ یہ امر کہ اشتہار مذکور الہامی نہیں آپ نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے "اہلحدیث" میں خود بھی تسلیم کیا کہ اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا جو اسی اشتہار کے جواب میں ہے۔ پس اس اشتہار کی حیثیت ایک استغاثہ یا عرضی دعویٰ کی ہے۔ اس اشتہار میں جو استدعا کی گئی ہے جس کو آپ نے صورت فیصلہ سے نامزد کیا ہے اس کے متعلق اور اس دُعا کے متعلق ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے "اہل حدیث" میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ "تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے۔ یہ امور میں نے محض اس لیے لکھے ہیں کہ آپ نے بار بار مرزا صاحب کی قبولیت دُعا کے متعلق بڑا زور دیا ہے ورنہ نفس مقدمہ متنازعہ سے اس کو چنداں تعلق نہیں۔ مرزا صاحب نے جب خود درخواست مذکور میں ہی لکھ دیا ہے کہ یہ الہام یا وحی جس کو آپ حکم یا الہامی نام سے تعبیر فرماتے ہیں کسی بناء پر نہیں۔ ادھر ۲۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء والے اخبار کی ڈائری اشتہار سے ایک روز پہلے کی ہے۔ ادھر خود ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں آپ نے بھی اس کو غیر الہامی مان لیا ہے۔ پھر کیونکر یہ دعویٰ ہو سکتا ہے کہ اشتہار مذکور بحکم خداوندی تھا جس کو آپ الہام کے معنوں میں لیتے ہیں جیسا کہ ۹ فروری ۱۹۱۲ء کے اخبار "اہل حدیث" صے کالم ۳ پر آپ نے

---

[1] چلو اگر الہام نہ بھی ہو تو دعا تو قبولیت کا شرف حاصل کر گئی (مصنف)

یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو خدا نے الہام کیا کہ امّتِ مرحومہ کو ایک واضح راستہ دکھاؤ اس
مرزا صاحب نے بحکم خداوندی ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار دیا۔ پس الہام کی بنا پر نہ
دیا گیا نہ کوئی الہام اس اشتہار والی دعا کی قبولیت کا پہلے یا پیچھے ہوا۔ آپ نے ایک بات فرما
کہ ڈائری میں چونکہ کسی پہلی تحریر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو مجھ سے آپ اس تحریر کا پتہ در
فرماتے ہیں کہ بجز اس اشتہار کے وہ کونسی تحریر ہے جس کے متعلق ۲۵ اپریل والی ڈائری میں
ہے کہ ثناءاللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے ہماری طرف سے نہیں بلکہ اس کی بنیاد خدا کی طر
رکھی گئی ہے۔ جناب مولوی صاحب آپ خود اس تحریر کو لکھواتے ہیں اور پھر مجھ سے دریا
فرماتے ہیں۔ عالی جناب پریذیڈنٹ صاحبان! یہ ڈائری جیسا کہ دستاویزات سے ثابت ہ
کہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء وقت عصر کی ہے اور اس میں کسی تحریر کا ذکر ہے جو مولوی ثناءاللہ
کے متعلق لکھی گئی ہو۔ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ اشتہار متنازعہ ۱۵ اپریل کو لکھا گیا اور
اپریل ۱۹۰۷ء کو ڈاک خانہ میں ڈالا گیا۔ ان اخبارات میں جو ۱۷-۱۸ کو شائع ہوئے یہ تو
کا ثبوت ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ کے محض قیاس، کہ ایسا ہوا ہوگا۔ یا یہ بات ہوگی
دعوے کو ثابت نہیں کرتے۔ ہاں میں آپ کو بتا دوں کہ وہ تحریر جو ۱۴ اپریل والی ڈائری سے
پہلے شائع کی جا چکی تھی وہ وہی ہے جو آپ نے اہل حدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء میں نقل فرمائی ہے
مرزا صاحب کی طرف سے ۴ اپریل ۱۹۰۷ء کے "بدر" میں چھپ کر آپ کے پاس پہنچی تھی۔ یہ وہ
ہے جو ۱۴ اپریل والی ڈائری سے پہلے شائع ہو چکی تھی اور "حقیقت الوحی" میں بھی آپ کے مت
۱۴ اپریل سے پہلے چند امور لکھے جا چکے تھے۔ پس یہ ڈائری ۱۵ اپریل والا اشتہار ہے۔ آپ
ایک دلیل اور بھی اشتہار کی قبولیت کے متعلق پیش کی ہے جو ایک خاص مقدمہ کے بارے میں
صاحب کو ہوا تھا اور وہ "شحنہ حق"، صفحہ ۴۲ اور "حقیقت الوحی"، صفحہ ۲۴۳ وغیرہ کتابوں میں موجود
جس میں لکھا ہے کہ ایک زمیندار کے مقدمہ میں جو شریکوں کے ساتھ تھا میں نے دعا کی کہ
خدایا اس میں فتح دے تو خدا نے جواب دیا۔ اُجِیبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلَّا فِی شُرَکَائِکَ،
تیری ساری باتیں مانوں گا۔ مگر شریکوں کے بارے میں نہیں سنوں گا۔ یہ الہام ایک خاص مقد
کے بارے میں ہے اور مرزا صاحب کے دعوئ مسیحیت سے بہت پہلے کا ہے۔ اس میں شریکوں

صاف دعا قبول کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ اگر یہ الہام عام ہوتا تو چاہیئے تھا کہ شریکوں کے متعلق کوئی آیندہ کبھی کوئی دعا قبول نہ کی جاتی۔ جیسا کہ دیوار کے مقدمہ میں جو شریکوں کے ساتھ تھا یہ دعا کی گئی کہ مجھے اس میں فتح ہو تو وہ دعا قبول ہوئی جس کے لیے بڑا الہام ہوا جو حقیقت الوحی کے صفحہ ۲۲۶-۲۲۷ پر درج ہے اور مرزا صاحب اس میں کامیاب ہوئے پس اگر وہ الہام جو شریکوں کے متعلق تھا عام ہوتا تو مرزا صاحب اس حکم الٰہی کے خلاف شریکوں کے مقدمے میں کیوں شریکوں کے خلاف دعا کرتے اور کیوں خدا تعالیٰ اس دعا کو قبول کرتا۔ پس نہ وہ الہام عام تھا اور نہ وہ آپ کے اس دعوے کے متعلق کہ ۱۵ اپریل والے اشتہار کی دعا قبول کی گئی اور نہ اس سے یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا۔ اور اس دعا کی قبولیت کا الہامی وعدہ ہو چکا تھا۔ دعوی آپ کا اس دعا کے متعلق ہے جو ۱۵ اپریل والے اشتہار میں مرزا صاحب نے شائع کی ہے کہ وہ قبول ہو گئی اور اس کی قبولیت کا خدا نے الہام کیا۔ پس یہ دعویٰ اس الہام سے جو شرکاء کے متعلق اور ایک خاص مقدمے سے تعلق رکھتا ہے جس کے خلاف ایک دوسری نظیر شرکاء کے خلاف مقدمہ فیصل ہو کر صاف بتا چکے کہ وہ وعدہ نہ دائمی تھا نہ عام۔ ورنہ خدا دعا کیوں قبول کرتا اور مرزا صاحب شرکاء کے بارے میں دعا ہی کیوں کرتے۔ مرزا صاحب کا یہ مذہب نہیں ہے کہ میری تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں اس کے لیے "حقیقت الوحی" صہ ۳۲۱ و صہ ۱۹ و صہ ۳۲۷ اور رسالہ فیصلہ آسمانی مطبوعہ بار سوم صہ ۱۹ اور تریاق القلوب صہ ۱۵ ملاحظہ ہو جن میں صاف لکھا ہے کہ میری اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ دعائیں جن کو خدا اپنی مصلحت سے میرے حق میں مفید سمجھتا ہے قبول فرماتا ہے۔

آخر میں جناب پریذیڈنٹ صاحب کی توجہ اس دعوے کی طرف جس کے متعلق یہ مباحثہ ہے دلا کر نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ آپ بمشورہ اپنے مشیران جو آپ کی امداد کے لیے آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں بخوبی غور فرمالیں کہ دونوں دعوے ۱۴ اپریل والی ڈایری اور ۱۳-۱۴ اپریل والی درمیانی شب والے الہام اور مولوی صاحب کے ۲۶ اپریل والے "اہل حدیث" اور خود اس اشتہار کے اندرونی فقروں سے اور دیگر دستاویزات جن کا حوالہ میں نے اپنے بیان میں دیا ہے ان کو ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ یہ کیسے دعوے ثابت ہو گئے۔ اس کے

بعد جو مولوی صاحب نے بیان فرمایا ہے وہ انہی کی تردید ہو گی۔ کوئی نئی دلیل پیش کرنے کا ان کو حق نہ ہو گا کیونکہ اب اس کے ڈیفنس کا مجھے کوئی موقعہ نہیں ملے گا۔ فقط

عاجز قاسم علی بقلم خود

۱۷ر اپریل ۱۹۱۲ء

مولانا ثناء اللہ کا جواب نمبر ۳

جناب صدر انجمن صاحبان و برادران! دعویٰ یہ تھا کہ مرزا صاحب کا اشتہار ۵ اپریل خدا کے حکم سے تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ میں مرزا صاحب کو مامور خدا نہیں سمجھتا۔ پھر میں نے جو یہ دعویٰ کیا کہ ان کا اشتہار خدا کے حکم سے تھا اس کے کیا معنی؟ صاف ظاہر ہے کہ میرا یہ دعویٰ ان کے مسلمات اور خیالات پر ہے۔ پس "اہل حدیث" ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء کا حوالہ دے کر منشی قاسم علی کا یہ کہنا کہ میں نے خود اس اشتہار کی بابت یہ لکھا ہے کہ یہ الہام سے نہیں میرے دعویٰ کے کسی طرح مخالف نہیں۔ وہ لکھنا میرا اپنا مذہب ہے اور ثابت کرنا مرزا صاحب کے خیالات کا عکس ہے۔ علاوہ اس کے ۲۶ر اپریل کی تحریر لکھنے تک جو میں نے یقیناً ۱۸۔ ۱۹ر اپریل کو لکھی ہو گی ۲۵ر اپریل کا "بدر" میرے پاس نہیں پہنچا تھا جس کی بنا پر میں نے آج دعویٰ کیا ہے۔ میرے دعویٰ کا ثبوت دو طرح پر ہے۔ ایک دلائل عامہ سے دوسرے دلائل خاص سے۔ دلائل عامہ میں میں نے حضرات انبیاء کا طریق اور خصوصاً مرزا صاحب کے عام دعاوی اور الہامات کو بیان کیا تھا جس میں ایک آیت قرآن اور الہام مرزا "وما ینطق عن الھویٰ" بھی تھا۔ دوسرا اُجِیبُ کُلَّ دعائک اِلَّا الخ اس الہام کا جواب دینے میں میرے دوست کو بہت سی الجھن ہوئی ہے۔

جناب منصف صاحب! یہ الہام دو فقروں پر مشتمل ہے۔ ایک مستثنیٰ دوسرا مستثنیٰ منہ۔ مستثنیٰ میں حکم ہے کہ تیرے شریکوں میں کہ تیری دعا شریکوں کے بارے میں قبول نہ ہو گی۔ مستثنیٰ منہ میں حکم ہے کہ تیری وہ تمام دعائیں جو شریکوں کے سوا اور لوگوں کے حق میں ہونگی ہیں ضرور قبول کروں گا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ میں مرزا صاحب کا شریک نہیں ہوں۔ آپ نے بتلایا ہے کہ ۲۵ر اپریل والے "بدر" جو ۱۴ر اپریل کی ڈائری ہے۔ اس میں جس تحریر کا آپ کے متعلق

وہ "حقیقت الوحی" میں ۱۴ اپریل سے پہلے لکھی جا چکی ہے۔ اس کے متعلق ۱۲ اپریل کا
صفحہ ۴ پیش کرتا ہوں جس میں مرزا "حقیقت الوحی" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہماری کتاب
...قت الوحی" ۲۰-۲۵ روز تک شائع ہو جائے گی۔ اب منصف صاحبان غور فرمائیں کہ جس
...جو ابھی شائع ہونے میں کئی روز باقی ہوں وہ ۱۴ اپریل سے پہلے کیونکر شائع ہو چکی تھی۔
...ت الوحی کے سرورق کے صفحہ پر مطبوعہ تاریخ اشاعت ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء ہے مگر قلمی
...سے ۱۵ مئی بنائی گئی ہے۔ یہ تو آپ کے اس حصے کا جواب ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے
...ش کی ہے کہ ۲۵ اپریل کے "بدر" والی ڈائری میں جس تحریر کا ذکر ہے اس کا ثبوت دیں۔
...بوت کے لیے آپ نے ۱۴ اپریل کے "بدر" صفحہ ۴ کا نام لیا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے، اور
...ف صاحبان مہربانی فرما کر اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ کوئی ایسی تحریر ہے جس کو میرے متعلق کہہ
...؟ جس کا جواب مرزا صاحب کو بصورت الہام یہ ملا تھا اُجِیبُ دعوۃ الداع،
...اف ظاہر کرتا ہے کہ وہ تحریر میرے متعلق کوئی دعا کی صورت میں ہے۔ آپ نے شروع
...بھی کہا ہے کہ اس قسم کے دلائل عامہ پر ہی غور کر کے عدالت فیصلہ نہیں کرتی۔
جناب عالی! اس "ہی" کے لفظ پر ہی غور کیجئے۔ میں نے 'ہی' سے ہی کام نہیں لیا،
...نے صرف دلائل عامہ بیان نہیں کیے بلکہ خاص اس امر کے متعلق بھی بیان کیے ہیں آپ
...ی ثانی) جو اس اشتہار کو بمنزلہ ایک استغاثہ غیر مقبولہ کے قرار دیتے ہیں حقیقت میں یہ
...مرزا صاحب کے کل دعاوی پر پانی پھیرتی ہے۔ میں نے "ریویو" مئی ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۱۹۲
...والہ نقل کیا تھا کہ مرزا صاحب کا بڑا معجزہ قبولیتِ دعا ہی ہے اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ وہ
...معجزہ کے مقابلے کے لیے ہم مسلمانوں کے علاوہ تمام دنیا کے مخالفوں کو چیلنج دیتے ہیں۔ میں
۱۱ جون ۱۹۰۷ء کے "بدر" سے یہ دلیل نقل کی تھی کہ مرزا صاحب کے دل میں خدا نے میرے
...ی دعا کرنے کی تحریک پیدا کی۔ میرے مخاطب فرماتے ہیں کہ وہ بقول میرے مشیت کا مفعول
...جو دنیا کے ہر ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہے مگر جناب منصف صاحبان! میں نے یہ بات
...تصریح بتلائی ہے اور قرآنی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ کوئی مامورِ خدا کسی ایسے فیصلہ کے
...جو اس کے مشن پر اثر ڈالتا ہو از خود اظہار نہیں کر سکتا۔ "ترکِ اسلام" میں جو میں نے لکھا ہے

وہ یہ ہے کہ مشیت خدا کے قانون کا نام ہے جو مخلوق میں جاری ہے۔ لیکن وہی مشیت مذہبی رنگ میں انبیاء علیہ السلام کے قلوب طیبہ پر اثر کرتی ہے تو وہ مذہبی رنگ میں ا[illegible] کا حکم رکھتی ہے۔ مثال کے لیے ہمارے خواب اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے خوابوں میں جو [illegible] ہے وہی فرق ان دو مشیتوں میں ہے جو عام حالت اور خاص قلوب انبیاء سے تعلق رکھتی [illegible] باقی جو آپ نے ڈائری کی بے ترتیبی کی بابت لکھا ہے مجھے اس کے جواب دینے کی ضرورت [illegible] ہمارے معزز سر پنچ صاحب قانون پیشہ ہیں ان کے پاس اس قسم کے کئی مقدمات آئے [illegible] جن میں ایسی بے ترتیب ڈائریاں پیش ہو کر فیل یا پاس ہوئی ہوں گی۔

تریاق القلوب صفحہ ۱۵ کا بیان مرزا صاحب کی اپنی دعاؤں کی نسبت ہے۔ بھلا اگر دعائیں مرزا صاحب کی قبول نہ ہوتیں تو معجزہ ہی کیا تھا جبکہ "حقیقت الوحی" باب اوّل [illegible] سوئم میں خود لکھتے ہیں کہ بعض خواب اور کشف بدکار یعنی رنڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے [illegible] ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں "سچا وہی ہے جس کے کل خواب سچے ہوں" ہمارے معزز سر پنچ صاحب [illegible] طور پر جانتے ہیں کہ کسی دستاویز کا سچا ہونا، اس پر موقوف ہے کہ اس میں کوئی لفظ مشکوک نہ [illegible]

جہاں تک سوچا ہے آپ نے میرے پیش کردہ دلائل کا جواب نہیں دیا۔ میری دلیل مختصر لفظوں [illegible] کہ انبیاء ما مور خدا کوئی ایسا فیصلہ جو مخالفوں پر حجت کا اثر رکھتا ہو اور اس کے خلاف ہونے [illegible] کے دین اور مشن پر خلاف اثر پہنچتا ہو، بلا اذن خدا شائع نہیں کر سکتے۔

مرزا صاحب نے جو اس اشتہار میں الہام وحی کی نفی کی ہے اس کی ایک وجہ تو پہلے پر[illegible] عرض کر چکا ہوں اور دوسری وجہ وہ ہے جو ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کے ساتھ ان کا [illegible] ہوا تھا کہ میں الہام چھپا کر کسی کی موت کی پیش گوئی نہیں کروں گا اس لیے انہوں نے اس اشت[illegible]

ف مولوی محمد حسین بٹالوی مرحوم کے مقدمہ میں مرزا صاحب نے یہ وعدہ کیا تھا۔ اس وعدہ کا [illegible] خوف مرزا صاحب نے کتاب اعجاز احمدی کے صفحہ ۱۱۴ پر خود کیا ہے، جہاں لکھا ہے کہ

"ہم موت کے مباہلے میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت کا معاہ[illegible] ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔"

کا نام نہیں لیا بلکہ نفی کر دی۔ ۲۵ تاریخ کے "بدر" میں الہام کے ساتھ اس کی تعبیر کر دی۔
۔ اس قاعدہ سے جو انبیاء علیہم السلام کا میں نے بتلایا ہے حجّت ہو سکے۔ بس اب میں ختم
فیصلہ معزز ثالثوں کے سپرد کرتا ہوں۔

(ابو وفا ثناء اللہ امرتسری)

یہاں دونوں مناظرین کے مناظرانہ دلائل ختم ہو گئے جس کے بعد فریقین کی طرف سے مقرر
ے ثالثوں کے تحریری بیان آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جن سے مناظرے کے اہم
یادہ واضح طور پر قارئین کے سامنے آئیں گے اور پھر اس کے بعد جب منصفِ اعلیٰ سردار
نگھ پلیڈر کا فیصلہ پیش کیا جائے گا تو اسے سمجھنا زیادہ سہل اور آسان ہو جائے گا۔
اب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی جو مسلمانوں کی جانب سے منصف مقرر کیے گئے تھے
حلفیہ فیصلہ پیش کیا جاتا ہے:

فیصلہ ابراہیمی (مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کا فیصلہ)

" فیصلہ حلفی خاکسار سیالکوٹی منصف مقرر کردہ ازجانب مولوی ثناء اللہ امرتسری مدعی
ی نمبر ۱۔ اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء مرزا صاحب نے بحکم خدا لکھا۔
ی نمبر ۲۔ خدا نے دعا مندرجہ اشتہار کی قبولیت کا الہام کر دیا تھا۔
ت دعویٰ بذمہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری (مدعی)
نفس۔ بذمہ قاسم علی صاحب دہلوی ایڈیٹر "الحق" دہلی مدعا علیہ (حال ایڈیٹر "فاروق"
قادیان)

" مولوی صاحب نے اثباتِ دعویٰ میں دو قسم کے دلائل پیش کیے ہیں۔ عام اور خاص۔ عام
ئی رسولِ برحق بغیر اجازت الٰہی کوئی ایسا امر اپنے مخالفین کے سامنے بطور تحدی پیش نہیں
تا جو اس کے مشن اور اس کے مخالفین میں صدق اور کذب کے متعلق امتیازی نشان رکھتا
اس پر مولوی صاحب موصوف نے چند آیات قرآنی پیش کیں جن میں سے ایک ایسی آیت
ے جس کی نسبت مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ انہیں بھی الہام ہوئی ہے اور اس کا مضمون یہ

ہے کہ پیغمبر اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو کچھ بولتا ہے وحیِ خدا ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کا
ہے کہ وہ رسولِ برحق ہیں اور اس اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں طریق فیصلہ ایسا مذکور
متحدیانہ ہے اور حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا ہے اس لیے لامحالہ ماننا پڑیگا کہ مرزا
کی یہ دُعا خداوند تعالیٰ کی تحریک اور محض اشارہ سے تھی۔

دیگر دلیل عام یہ بیان کی ہے کہ مرزا صاحب نے بالخصوص اپنی دعاؤں کی قبولیت
نہایت زور سے متحدیانہ دعویٰ کیا ہے (ملاحظہ ہو "ریویو" بابت مئی ۱۹۰۷ء وغیرہ کتب
مولوی صاحب نے پتا دیا) لہٰذا یہ دعا ان دعاؤں کے سلسلے میں جو ضرور بالضرور مقبول
سے پہلے درجہ پر ہونی چاہیئے کیونکہ اس کا اثر اس مشن پر پڑتا ہے جس کے لیے مرزا صاحب
کیے گئے۔

دلیل خاص جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ خاص اسی دعا کی قبولیت
الہام مرزا صاحب کی طرف سے اخبار "بدر" قادیان مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں طبع
جس میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ درحقیقت اس کی بنیاد خدا کی طرف سے رکھی گئی ہے نیز
مورخہ ۱۳ جون ۱۹۰۷ء میں جو خط مولوی ثناء اللہ صاحب مدعی کے نام طبع ہوا ہے ا
تشریح کی گئی ہے کہ اس طریق فیصلہ (۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے اشتہار کی دُعا) کی تحریک مشیت
ایزدی سے ہوئی ہے۔ پس مدعی کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعا خدا کی
سے کی اور یہ بھی کہ اس کی قبولیت کا الہام آپ کو (یعنی مرزا صاحب کو) ہو گیا تھا۔ مولوی صا
نے اپنے اثباتِ دعویٰ کے ضمن میں بطور دفع دخل یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ بے شک اس ا
میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ پیش گوئی کسی الہام سے نہیں کی گئی۔ لیکن یہ فریق ثانی کو
نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کلمہ میں اور ۲۵ اپریل کی ڈائری میں تعارض ہے اور تطبیق د
اس طرح ہو سکتی ہے کہ اشتہار لکھتے وقت خدا تعالیٰ نے ان پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا لیکن بعد
کر دیا۔ چونکہ عدمِ علم سے عدمِ شے لازم نہیں آتا۔ دیگر یہ کہ چونکہ مرزا صاحب، صاحب
ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں ایک خاص مقدمہ میں باضابطہ اقرار نامہ دا
چکے تھے کہ کسی شخص کے حق میں ڈر ڈالا الہام ظاہر نہیں کرونگا[1] اس لیے بھی مرزا صا

[1] (اگلے صفحہ پر)

الہام کی مصلحت سمجھی کیونکہ وہ مولوی صاحب کی موت کے متعلق تھی۔ یہ ہے خلاصہ ان کے اثبات دعویٰ کے دلائل کا۔ اب ہم اس ڈیفنس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ جو فریق ثانی نے پیش کیا۔

فریق ثانی یعنی منشی قاسم علی صاحب نے مولوی صاحب کی پہلی دلیل عام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تردید نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ رسول برحق کبھی خدا کی اجازت کے بغیر بھی اپنے مخالفین کے ساتھ طریق فیصلہ مقرر کر سکتا ہے۔ دوسری دلیل عام کا جواب انہوں نے دیا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہر دعا کی قبولیت کا نہیں بلکہ اکثر دعاؤں کا ہے اور الہام اُجِیبُ کُلَّ دعائِکَ الا فی شرکائک کا یہ جواب دیا کہ یہ خاص واقعہ کے متعلق۔ جس کے جواب میں مولوی صاحب (مولانا ثناء اللہ امرتسری) مدعی نے کہا کہ اس کلام کے دو جز ہیں۔ ایک مستثنیٰ منہ دوسرا مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ کلیہ ہے جس میں صرف اس دعا کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جو مرزا صاحب کے کنبہ کے متعلق ہو۔ اور چونکہ (مولوی ثناء اللہ) مدعی مرزا صاحب کے کنبہ میں سے نہیں۔ اس لیے میرے حق میں استثنائی صورت نہیں ہوگی بلکہ وہی مستثنیٰ منہ کی کلیت میرے حق والی دعا پر صادق آئے گی۔ منشی قاسم علی کے اس عذر سے ہماری تسلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میرا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ میری دعائیں قبول ہوتی ہیں تو یہ معجزہ ایسی دعا کی قبولیت کے لیے ضرور ظاہر ہونا چاہیے جو مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ہے۔ یہ امر کوئی معمولی نہیں جس کی طرف سے بے پروائی کو دخل دے سکیں اور بے شک الہام اُجِیبُ کُلَّ دُعائِکَ الّا فی شرکائک (یعنی میں تیری ہر دعا قبول کرونگا مگر وہ جو تیرے کنبہ کے لوگوں کے خلاف ہو) سوائے استثنائی صورت کے اپنے عموم پر ہی قائم ہے اور مولوی صاحب (ثناء اللہ) کے متعلق دعا اس عموم میں داخل ہے۔

منشی قاسم علی نے مولوی صاحب کی پہلی دلیل خاص کا جواب یہ دیا ہے کہ ۲۵ اپریل

حاشیہ صفحہ گذشتہ ۱ میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہونگا جس کا منشا ہو یا جو ایسا منشا رکھنے کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (مسلمان ہو یا ہندو یا عیسائی) ذلت اٹھائے گا یا مورد عتاب الٰہی ہوگا" مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء (مرزا غلام احمد بقلم خود)

کے "بدر" والی ڈائری ۱۴ اپریل کی ہے اور اشتہار زیر بحث ۱۵ اپریل کو لکھا گیا اس لیے ڈائری اس اشتہار سے متعلق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ ان تحریرات کے متعلق ہے جو اخبار "بدر" ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء اور تتمہ کتاب "حقیقت الوحی" صفحہ ۳۰/۳۱ اور ص ۳۲ پر مولوی ثناء اللہ صاحب مدعی کے حق میں درج ہیں۔ مولوی صاحب مدعی (مولوی ثناء اللہ) نے اس کے جواب میں کہا اشتہار ۱۵ اپریل کی تسوید ۱۵ اپریل کو نہیں ہوئی بلکہ یہ تو کاپی لکھنے کی تاریخ ہے۔ دوم ڈائری مندرجہ "بدر" ۲۵ اپریل میں ۱۴ اپریل کے بعد ۱۱ اپریل کی ڈائری مندرج ہے۔ پس ہم سمجھ سکیں کہ یہ تاریخیں ترتیب وار ہیں۔ لہٰذا یہ عذر درست نہیں۔ سوم یہ کہ اخبار "بدر" اپریل ۱۹۰۷ء اور "حقیقت الوحی" میں جو کچھ میرے متعلق لکھا ہے ان تحریروں میں کسی دُعا ذکر نہیں اور نہ ان کا مضمون اس اشتہار کے مضمون سے ملتا ہے۔ حالانکہ ۲ اپریل کی ڈائری میں دُعا کا بالتصریح ذکر ہے اور اشتہار میں بھی مضمون دُعا ہی کا ہے۔ چہارم یہ کہ کتاب "حقیقت الوحی" کی اشاعت ۱۴ اپریل تک نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ اس کے بعد ہوئی جیسا کہ اس "ٹائٹل پیج" سے ظاہر ہے کہ اس کی تاریخ اشاعت مطبوعہ الفاظ میں ۲۰ اپریل ۱۹۰۷ء لکھی ہے۔ پھر اسے سُرخی سے کاٹ کر ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء بنایا ہے پس ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ "حقیقت الوحی" "بدر" محولہ بالا منشی قاسم علی صاحب میں اشتہار ۱۵ اپریل کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے منشی قاسم علی صاحب کے عذر کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اخبار "بدر" مذکور ۴۔ اپریل اور "حقیقت الوحی" میں کسی ایسی دعا کا ذکر نہیں جو مولوی صاحب حق میں ہو اور اسے اخبار "بدر" ۲۵ اپریل والے الہام کا حوالہ اور مصداق کہہ سکیں۔ اور کتاب حقیقت الوحی تو اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی کہ مرزا صاحب اس کا حوالہ دے سکیں۔ اس امر کی تائید ہم اس سے بھی پاتے ہیں کہ خاتمہ بحث پر جناب سردار بچن سنگھ صاحب بی اے پلیڈر و گورنمنٹ ایڈووکیٹ لدھیانہ نے جو بہ رضامندی فریقین ثالث مقرر کیے گئے ہیں۔ منشی قاسم علی سے سوال کہ آیا آپ سوائے ۱۴ اپریل کے "بدر" اور "حقیقت الوحی" کے حضرت مرزا صاحب کی کوئی اور تحریر بھی بتا سکتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب نفی میں دیا۔ مولوی صاحب نے جو یہ بیان کہ ۱۵ اپریل اشتہار کا مسودہ ۱۴ اپریل سے پیشتر لکھا گیا تھا۔ یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے چونکہ م

ما کے الفاظ جو ۲۵ر اپریل کے "بدر" میں درج ہیں۔ ان میں لفظ (لکھا گیا) موجود ہے جس
معلوم ہوتا ہے کہ مسودہ اشتہار لکھا جا چکا تھا اور وہ مریدوں میں مشہور تھا۔ اس لیے مرزا صاحب
اشارے پر کفایت کی کہ "جو کچھ لکھا گیا" اور ہم عام عادت بھی پاتے ہیں کہ مضامین کاتب
لکھنے سے پیشتر مکمل کر کے کاتب کو دیئے جاتے ہیں اور وہ اخص دوستوں میں طبع سے
ہی مشہور ہو جاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے جو بیان کیا کہ ڈائری کی تاریخیں غیر مرتب ہیں۔
جواب میں منشی قاسم علی صاحب نے کہا کہ تاریخیں صرف اس پرچے میں غیر مرتب نہیں ہیں
پرچوں میں بھی بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ ہماری رائے میں یہ عذر مولوی صاحب (ثناء اللہ)
کی تردید نہیں کرتا بلکہ اس کو تقویت دیتا ہے کیونکہ ایک قصور دوسرے قصور کی تائید کرتا ہے
دید، نیز یہ کہ ۱۴ر اپریل اور ۱۱ر اپریل کی غیر مرتب ڈائری ایک ہی پرچہ میں ہے۔ مختلف پرچوں
ں کہ منشی قاسم علی صاحب کی بیان کردہ وجہ کی گنجائش ہو۔ بہر حال اس سوال و جواب کے سلسلے
ہم مولوی صاحب مدعی کی جانب راجح پاتے ہیں

منشی قاسم علی صاحب نے ڈیفنس میں مولوی ثناء اللہ صاحب مدعی کی دوسری خاص دلیل
ب یہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنا رسالہ "ترک اسلام" میں لکھا ہے کہ سب کام نیک و بد خدا کی
سے ہوتے ہیں۔ پس ان کے ساتھ رضا الٰہی ضروری نہیں۔ لہٰذا اگرچہ اخبار "بدر" میں یہ
ہے کہ اس طریق فیصلہ کی تحریک خدا کی مشیت سے ہوئی لیکن ضروری نہیں کہ خدا اس پر راضی بھی
مولوی صاحب نے اس کے جواب میں کہ وہ مشیت عام ہے اور ہر نیک و بد کے متعلق ہو سکتی ہے
حضرات انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر جب مشیت الٰہی بصورت فیصلہ اور بالخصوص ایسے امر میں
برحق کے مشن کے متعلق ہو کوئی تحریک پیدا کرتی ہے تو وہ برنگ حکم و وحی خفی ہوتی ہے کیونکہ
میں نبی کے مشن کی تائید ہوتی ہے اور اس کے مخالفین کا ابطال۔ اس کے متعلق مولوی صاحب نے
رہ سابقہ حوالہ جات سے مرزا صاحب کی کتاب حقیقت الوحی کا حوالہ ص۵ تا آخیر باب سوم
جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جس پر راضی ہوں خدا اس پر راضی ہوتا
۔ اور جس پر خفا ہوں اس پر خفا ہوتا ہے۔ جب وہ شدت وقت میں دعا کرتے ہیں تو خدا ان
ضرور سنتا ہے۔ اس وقت ان کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس کے آگے مرزا صاحب نے

ایک آیت لکھی جو قبولیت دُعا کے متعلق ہے۔ ان دلائل کا جواب فریق ثانی نے کافی نہیں دیا
ہم اس میں مولوی صاحب سے موافقت کرتے ہیں اور علاوہ ازیں یہ مستزاد کرتے ہیں کہ جب
مولوی صاحب نے اخبار "بدر" ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء کے خط میں سے حوالہ تحریک الٰہی والا پیش
کیا تو منشی صاحب نے جواب میں اس حوالہ کے اشتہار مذکور زیر بحث کی نسبت ہونے سے انکار
نہیں کیا جس سے مولوی صاحب کے دعویٰ کو نہایت زبردست تقویت پہنچتی ہے کہ یہ اشتہار
خدا کے خفیہ حکم سے لکھا گیا ہے۔ منشی صاحب لفظ مشیت پر ہی بحث کرتے رہے جو ان کو ہرگز
مفید نہیں۔ کیونکہ یہ دُعا مشیت کے تحت داخل ہو کر بھی رضائے الٰہی کو شامل ہو سکتی ہے کیونکہ اس
کا نتیجہ مرزا صاحب کے خیال میں جو بروقت دعا تھا مرزا صاحب کے مشن کے لیے مفید تھا اور
مولوی صاحب کے خلاف۔

لہٰذا ہم حلفیہ بیان سے خداداد علم کو کام میں لاکر اور اپنے ایمان و
دین کی محکمی سے رائے دیتے ہیں کہ مولوی صاحب مدعی اپنے دعوے میں
کامیاب ہیں اور فریقین ثانی نے کوئی ایسا ڈیفنس پیش نہیں کیا جو اُن کے
دلائل کو توڑ سکے۔

دستخط مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی (منصف)
بحروف انگریزی

منشی فرزند علی قادیانی کا فیصلہ :-

مولانا محمد ابراہیم جو مسلمانوں کی طرف سے منصف مقرر ہوئے تھے' کا بیان آپ نے ملاحظہ
فرمایا۔ اب منشی فرزند علی منصف قادیانی کا بلا حلف فیصلہ ملاحظہ فرمائیے :-

" میں نے اس مباحثہ کو جو مولوی ثناء اللہ امرتسری اور میر قاسم علی صاحب احمدی دہلوی
کے مابین ۱۷ر اپریل ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ میں ہوا، خوب غور سے سُنا جو رائے میں نے اس مباحثہ
کے متعلق قائم کی ہے اس کو ذیل میں بیان کرتا ہوں :-

اس مباحثے میں دعویٰ منجانب مولوی ثناء اللہ صاحب یہ تھا کہ :

(ب) جو اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو جناب مرزا صاحب نے بعنوان" مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" دیا وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تھا۔

(ا) اس اشتہار میں جو دُعا فیصلے کے متعلق درج تھی اس کا جواب خدا تعالیٰ نے الہامی طور پر یہ دیا کہ ہم نے اس دُعا کو منظور فرما لیا۔

شق (الف) کے ثبوت میں جو موٹے موٹے دلائل مولوی ثناء اللہ صاحب نے دیئے وہ یہ تھے :۔

۱۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ طریق نہیں تھا کہ اپنے مشن کے متعلق کوئی متحدیانہ فیصلہ کُن تجویزیں محض اپنے ارادے اور مرضی سے کریں۔

۲۔ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے اشتہار کے بعد ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے "بدر" میں مرزا صاحب کی طرف سے ایک تقریر اس مضمون کی شائع ہوئی کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔" اور رات کو جب مرزا صاحب کی توجہ اس طرف تھی تو الہام ہوا اُجیب دعوۃ الداع (ترجمہ دعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں)

۳۔ ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کے "بدر" میں ایک خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب درج ہے اس میں لکھا تھا کہ مشیت ایزدی نے مرزا صاحب کے قالب میں تحریک کر کے فیصلہ کی ایک اور راہ نکال دی۔

فقرہ (۱) نہ تو اس دعوے کی تائید اور وضاحت میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے کوئی دلیل بیان کیں اور نہ میر قاسم علی صاحب کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا[1]

فقرہ (۲) کے بیان کردہ واقعات کو اگر ہو بہو مان بھی لیا جائے تو تب بھی صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کے اشتہار دینے پر بعد میں اظہارِ پسندیدگی

---

[1] یہ حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ مولانا نے مثال دے کر معاملہ واضح کر دیا ہے۔ کتاب کے گذشتہ اوراق میں ان کا ذکر موجود ہے

فرمایا نہ یہ کہ اشتہار مذکور کا لکھا جانا اور شائع کیا جانا حکم خداوندی کی وجہ سے ہوا۔[1] جب مولوی صاحب نے خود اپنے پرچہ اول میں تسلیم کیا کہ اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے لکھتے وقت مرزا صاحب کو خداوند کے حکم کا علم نہ تھا تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ یہ کس طرح کہا جاتا ہے کہ اشتہار مذکور حکم خدا سے دیا گیا تھا

فقرہ (۲) کی دلیل پر مولوی صاحب کی طرف سے بہت زور تھا۔ مگر جب میر قاسم علی صاحب نے دکھایا کہ جس ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے "بدر" کی تقریر کی بنا پر اشتہار مذکور مطبوعہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کا منجانب اللہ ہونا ثابت کیا جاتا ہے وہ تقریر مرزا صاحب نے فی الواقعہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ کو یعنی تاریخ اشتہار سے ایک روز پیشتر فرمائی تھی۔ تو اس سے مولوی صاحب کی دلیل کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ میر قاسم علی صاحب کے اس بیان پر مولوی صاحب کی طرف سے دو[2] عذر اٹھائے گئے اول یہ کہ مرزا صاحب کی ڈائری یعنی روزمرہ کی تقریریں اخبار میں مسلسل بہ ترتیب تواریخ درج نہیں۔ اس لیے قابل اعتبار نہیں دوم یہ کہ اگر ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء والی تقریر ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار کے متعلق نہیں تو مرزا صاحب کی کونسی سابقہ تحریر میرے متعلق تھی جس کی طرف اس تقریر میں اشارہ

ڈائری کے متعلق جیسے میر قاسم علی نے بیان کیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی ڈائری نویسی کے لیے کوئی باقاعدہ تنخواہ دار سٹاف موجود نہ تھا۔ مرید لوگ اپنے شوق و محبت سے ڈائری لکھتے تھے۔ ڈائری کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں اکثر حصہ حضرت مرزا صاحب کی اُن تقریروں کا ہوتا تھا جس انبوہ میں رپورٹروں کے لیے کوئی خاص جگہ مختص نہ ہوتی تھی جس کے سننے میں جو کچھ آجاتا۔ اسے قلمبند کر لیتا[3]۔ میں غور کرنے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کہ ہر ایک تاریخ کی ڈائری کو اپنی ذات میں مستقل سمجھ کر بلا لحاظ ترتیب تاریخ کے اخبار میں لکھ دیا جاتا تھا۔ ڈائری کو چھاپنے کی غرض ناظرین کو یہ دکھانا ہوتا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے کیا کچھ فرمایا۔ بعض مضامین کو اپنی اہمیت اور ضرورت کے لحاظ سے اور بعض کو گنجائش اخبار کے

۱۔ اب اس فقرہ کا مفہوم کیا ہے۔ "جو دعا میں نے کی وہ میری طرف سے نہیں بلکہ اس کی بنیاد خدا ہی کی طرف سے رکھی گئی" فیصلہ قارئین خود کریں۔

۲۔ مرزا کے اپنے اقرار سے پتہ چلتا ہے جس کا ذکر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے پرچے میں کیا ہے۔

۳۔ یعنی غیر مستند ہوتی تھیں۔

لحاظ سے بہ نسبت دوسری تاریخوں کی ڈائری کے اخبار کے کالموں میں جلد جگہ مہیا کر دی جاتی تھی۔ بہر حال سلسلہ یہ تھا کہ ڈائری بلا ترتیب تاریخ شائع کر دی جاتی تھی۔ ایک دن کی ڈائری کو دوسری سے علیحدہ کرنے کے لیے ہر ایک روز کی ڈائری کے سر پر اس کی تاریخ لکھ دی جاتی تھی۔ اگر تاریخ کی بے ترتیبی صرف اسی ایک پرچہ "بدر" میں ہوتی جس میں ۱۴ راپریل ۱۹۰۷ء کی ڈائری درج ہے تو البتہ اعتراض قابلِ غور ہوتا۔ مگر جبکہ ڈائریاں ہمیشہ اسی بے ترتیبی کے ساتھ چھپتی تھیں تو محض اس عدم ترتیب کی بنا پر ڈائری کے اندراج ہرگز ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھہرتے۔

مولوی صاحب کے دوسرے سوال کا جواب یعنی ۱۴ راپریل ۱۹۰۷ء کی ڈائری کی سابقہ تحریر حضرت مرزا صاحب کے متعلق تھی۔ میری رائے میں فریقِ ثانی کے ذمے اس کا جواب دینا واجب تھا۔ مگر جب دیا گیا تو اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ پس جو جواب اس سوال کا میر قاسم علی صاحب نے دیا اس کی صحت پر مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ ہاں امکان تو ضرور ہے کہ جناب مرزا صاحب کا اشارہ اس ۱۴ راپریل ۱۹۰۷ء کی ڈائری میں انہی مضامین کی طرف ہو جن کا حوالہ میر قاسم علی صاحب نے دیا ہے۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچایا گیا اور میر صاحب کا بیان صرف قیاس پر مبنی تھا جو حجت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال میری رائے میں یہ امر ظاہر ہے کہ ۱۴ راپریل ۱۹۰۷ء کی ڈائری کا اشارہ خواہ کسی سابق تحریر کی طرف ہو ۱۵ راپریل کے اشتہار کی طرف نہیں[1] اور جب خود مرزا صاحب اسی ۱۵ راپریل کے اشتہار میں فرماتے ہیں کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں ہوئی۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے"۔ تو اس صریح بیان کے خلاف کوئی دعویٰ کس طرح قائم اور ثابت ہو سکتا ہے (از خود تو نہیں ہاں البتہ مرزا صاحب خود کہیں تو ہو سکتا ہے مصنّف)

نیز اعلان کہ اس اشتہار کی بنا کسی وحی یا الہام پر نہیں اس وہم کا بھی ازالہ کرتا ہے کہ شاید اشتہار مجریہ ۱۵ راپریل ۱۹۰۷ء اس تاریخ سے چند روز ما قبل شائع ہو گیا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا اور بعد میں اس کی تصدیق میں الہام ربانی نازل ہو جاتا تو مرزا صاحب اشتہار کی اصلاح پھر تک

---

[1] شاید آپ بھول گئے کہ آپ مناظر نہیں بلکہ منصف ہیں۔ جواب دینا کام نہیں بلکہ جواب کی جانچ پڑتال کرنا آپ کا کام ہے۔

بھی کر دیتے جیسا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود اپنی تقریر (۲) میں بیان کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنی تصانیف میں ان کے چھپتے وقت تک ضروری تصحیح کرتے رہتے تھے۔ یا اگر بعد چھپ جانے کے بھی اشتہار کی تصحیح کی ضرورت ہوتی تو یہ درستی ہاتھ سے کر دی جاتی۔ جیسا کہ حقیقت الوحی کی تاریخ اشاعت کے متعلق بھی کیا گیا تھا۔ دیکھو اس کتاب کا سرورق جس کے نیچے تاریخ اشاعت ۲۰ اپریل ۱۹۰۷ء سے بدل کر ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء ہاتھ سے تمام کاپیوں میں لکھی گئی۔

اپنے آخری پرچے میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ بیان کیا کہ دراصل تو اشتہار مذکور لکھا تو حکم الٰہی سے ہی گیا تھا مگر چونکہ مرزا صاحب نے عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور میں ایک دفعہ عہد کیا تھا کہ میں کسی کی موت وغیرہ کے متعلق آئندہ الہامی پیشگوئی شائع نہ کیا کروں گا اس لیے قانون کی زد سے بچنے کی غرض سے اشتہار میں یہ لکھ دیا۔ کہ میں الہام کا وحی کی بنا پر نہیں کرتا۔ اس دلیل کا غلط ہونا بدیہی طور پر ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر مرزا صاحب کے لیے کسی شخص کی موت کی پیشگوئی کو الہام کی بنا پر شائع کرنا ممنوع تھا تو بغیر الہام کے محض اپنی مرضی سے اس کی پیشگوئی کا شائع کرنا زیادہ قابلِ مواخذہ ہونا چاہیئے۔

رہا فقرہ (۳) جس میں مشیت ایزدی کی تحریک کو حکم خداوندی کے ہم پلہ بیان کیا گیا اس کی تردید میر قاسم علی صاحب نے خاطر خواہ طور پر کر دی۔ اس لیے اس امر کی نسبت بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آتی[1]۔ پس میری رائے میں مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے بیان کی شق (الف) کا کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکے۔

اب میں شق (ب) کو لیتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کو اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کی دعا کی قبولیت کا الہام بارگاہِ الٰہی سے ہوا۔ اس کا ثبوت مولوی ثناء اللہ صاحب کے ہاتھ میں ایک تو وہ الہام تھا جو ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے "بدر" میں شائع ہوا۔ اور جو شق (الف) کے شرتی فقرہ (۲) میں درج ہے اعتی اجیب دعوۃ الداع (ترجمہ۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں) تو یہ وہی ۱۴ اپریل کی ڈائری ہے جس کا ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کے اشتہار سے غیر متعلق ہونا ثابت ہو چکا ہے[1]۔ اجیب کل دعائك الا فی شریك (ترجمہ

---

[1] حالانکہ یہی صاحب اس سے پہلے فرماتے ہیں کہ میر قاسم علی کے جواب سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ اور اب یہ فرماتے ہیں کہ جواب مکمل ہو چکا ہے۔

ری سب دعائیں قبول کرونگا سوائے ان کے جو تیرے شریکوں کے متعلق ہو) اگر فریق ثانی اس الہام
کی عمومیت کو تسلیم بھی کر لیتا ہے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ دُعا منظور
ہو جانی چاہیئے تھی نہ یہ کہ فی الواقعہ منظور ہوئی بھی تھی۔ ان دونوں دعووں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ مگر
مولوی قاسم علی صاحب نے دکھایا کہ الہام مندرجہ بالا ایک خاص مقدمہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ اس الہام
کے بعد ایک اور مقدمہ میں مرزا صاحب نے اپنے شرکا کے خلاف دُعا کی۔ اور اس دعا کو خدا تعالیٰ
نے منظور فرمایا۔ (میرے پاس اس کے لیے حوالہ نہیں)

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ خود مرزا صاحب کا عقیدہ اپنی دعاؤں کے متعلق کیا ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنی ہر ایک دعا کا قبول ہو جانا ہرگز ضروری نہ سمجھتے تھے چنانچہ
(اجیب کل دعائك الّا فی شرکائك (یعنی میں تمہاری وہ دعائیں جو تمہارے شرکا
کے متعلق ہوں قبول نہ کرونگا) والے الہام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی بعض دعائیں
نامنظور ہو جاتی تھیں اور "حقیقت الوحی" سے بھی دیکھو (اقتباسات منسلکہ) مرزا صاحب کا صرف
یہ دعویٰ پایا جاتا ہے کہ ہماری دعائیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کثرت کے ساتھ شرف
قبولیت حاصل کرتی ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے "حقیقت الوحی" کے صفحات ۵ سے ۱۱ تک کے
حوالے سے یہ بیان کیا تھا کہ مرزا صاحب کی کل دعاؤں کا قبول ہونا لازمی تھا۔ میں نے حقیقت الوحی
کے صفحات مذکورہ کو پڑھا ہے۔ ان سے مولوی صاحب کے بیان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی۔ ان
صفحوں میں دُعا کا کہیں مطلق ذکر تک بھی نہیں۔ ان میں خوابوں اور الہاموں پر بحث ہے۔ مگر خواب
اور الہام اور چیزیں ہیں اور دُعا اور چیز۔ پیش شق (ب) کی نسبت بھی میری یہ رائے ہے کہ مولوی ثناء اللہ
صاحب اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکے۔

(فرزند علی عفا اللہ عنہٗ ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروزپور۔ ۲۰ اپریل ۱۹۱۲ء)

نوٹ:۔ میرے پاس فریقین کی تقریروں کی نقلیں نہیں تھیں اس لیے میں یہ فیصلہ اپنے مختصر نوٹوں
کی بنا پر لکھا ہے۔ (فرزند علی)

٭ منصف عربی دان ہوتے تو یہ نہ کہتے کیونکہ اجیبُ جملہ فعلیہ خبریہ ہے جس کے صدق کے لیے دعا کا قبول
ہونا ضروری ہے۔ قبول نہ ہو تو خبریہ کی خبر غلط ہو جائے گی اور خدا کی خبر کا غلط ہونا محال ہے

منصفِ اعلیٰ سردار بچن سنگھ کا فیصلہ (۲۱-اپریل ۱۹۱۲ء)

دونوں فریقوں کے منصفوں نے جب اپنا اپنا فیصلہ منصفِ اعلیٰ سردار بچن سنگھ ایڈووکیٹ کے سامنے پیش کر دیا تو اس کے بعد اس مناظرہ کا آخری مرحلہ یعنی منصفِ اعلیٰ کا فیصلہ چنانچہ سردار صاحب موصوف نے جنہیں دونوں مذاہب کے نمائندوں کا مکمل اعتماد حاصل ۲۱-اپریل ۱۹۱۲ء کو یہ فیصلہ سُنا دیا جسے قارئین کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ سردار بچن سنگھ نے اپنے فیصلے سے پیشتر جو بیانات یا جوابات جانبین سے دریافت فرمائے وہ بھی اپنے اس فیصلے میں شامل کر دیے اس لیے یہ بیانات وجوابات بھی درج ذیل ہیں۔

بیان مولوی ثناء اللہ امرتسری:-

میں نے وہ پرچہ جو فریق ثانی نے بعد اختتام ثالث کے پاس بطور یادداشت بھیجا تھا کر لیا ہے۔ اور اس کے متعلق ضروری امور پیش کردہ فریق ثانی پر ثالث کے روبرو حسب وقت سرسری طور پر زبانی تشریح بھی کر دی ہے لیکن اس پرچہ کے بھیجنے میں بے ضابطگی ہے اس پرچے کے متعلق تحریری بحث کی ضرورت خیال نہیں کی جاتی۔ مسلمان میرِ مجلس کے لیے جو ہیں یہ ہے کہ وہ حلفی فیصلہ دیں گے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ فیصلہ کرنے سے پیشتر وہ الفاظ تحریر کر کے کہ

"میں خدا کی قسم کھا کر یہ فیصلہ تحریر کرتا ہوں" اپنا فیصلہ لکھے۔ مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق وہ خود صاحبِ وحی والہام و کرامات تھے۔ میرے نزدیک اگر الفاظ قسم میں کمی ہوا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اگر بلا حلف بھی فیصلہ ہوئے تو چونکہ شرائط کے موجب حلفی کی ضرورت ہے اور میر مجلس صاحبان نے شرائطِ مباحثہ خوب ملاحظہ فرمائی ہیں۔ تو ایسا فیصلہ اگر شرائط کے مطابق حلفی فیصلہ تصور فرمایا جائے تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ اگرچہ بموجب آخیر شرط ۱۶ ایسا فیصلہ ناقابلِ وقعت سمجھنا چاہیئے۔ مرزا صاحب کا انتقال ۲۶ کو ہوا ہے۔"

دستخط (مولوی ثناء اللہ امرتسری)

بیان منشی قاسم علی :- "مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں چودھویں صدی یعنی حال صدی کا مجدد ہوں اور خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوتا ہے

نشانات صداقت میرے بطور معجزات خدا کی طرف سے صادر ہوتے ہیں۔ نہ ہر وقت الہام ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ معجزات ہی ہوتے ہیں۔ جب خدا چاہے معجزہ کا نشان دیتا ہے یہ دونوں میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ خدا کے اختیار میں ہیں۔

سوال[1] - آیا مرزا صاحب کا دعویٰ دیگر انبیاء کے ہم رتبہ ہم پلہ ہونے کا تھا یا کم و بیش؟

جواب - اسلام میں انبیاء دو قسم کے ہیں۔ ایک صاحب شریعت و صاحب اُمت۔ دوم جو اسی شریعت کے ماتحت ہوں پہلی قسم کی مثال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اسلام کی ہے اور دوسری مثال حضرت یحییٰ کی۔ مرزا صاحب قسم دوم کے نبی تھے۔

سوال - ان دونوں اقسام کے انبیاء میں روحانیت کے لحاظ سے کیا کچھ فرق ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو کیا؟

جواب - ہاں فرق ہوتا ہے۔ اوّل قسم کے انبیاء پورے کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ جبکہ قسم دوم کے انبیاء ان سے کم درجے پر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مالک و نوکر کی حیثیت ہوتی ہے۔

سوال - حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) صاحب کے بعد آپ کی مقرر کردہ قسم دوم میں کون کون نبی ہوئے ہیں؟

جواب - ہمارے عقیدے میں جتنے نائب (خلفاء یا مجددین) حضرت محمد صاحب کے بعد وہ سب کے سب قسم دوم کے نبی تھے جیسا کہ حضرت محمد صاحب نے فرمایا ہے علماءِ امتی کانبیا بنی اسرائیل (میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں)

سوال - قسم دوم کے انبیاء بھی صاحب الہام و وحی ہوتے ہیں؟

جواب - ہاں ہوتے ہیں۔

سوال - اشتہار زیر بحث میں جو الفاظ "آخری فیصلہ" درج ہیں اس سے کیا مراد ہے؟

---

[1] یہ سوالات سردار بچن سنگھ ایڈووکیٹ اور مناظرہ کے منصف اعلیٰ کی جانب سے قادیانی مناظر منشی قاسم علی پر ہوئے۔

جواب۔ یہ ایک درخواست بارگاہِ الٰہی میں بطور دُعا کے جیسا کہ اشتہار میں لکھا گیا ہے کی گئی ہے
خود مرزا صاحب کی طرف سے ہے خدا کی طرف سے نہیں ہے خدا کے حضور میں پیش کی گئی
سوال۔ درخواست مندرجہ اشتہار زیر بحث کسی دینی مسئلہ کے متعلق ہے اور پوری جماعت
صاحب سے تعلق رکھتی ہے یا کہ دنیاوی معاملہ کے بارے میں ہے اور صرف مرزا صاحب
ذات سے تعلق رکھتی ہے ؟

جواب۔ درخواست متنازعہ میں خدا سے استدعا کی گئی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب جو
"جھوٹا" کہتے ہیں میری سچائی اور مولوی صاحب کے مجھے جھوٹا کہنے کی صداقت کا
کیا جاوے۔ اشتہار مذکور کسی دنیاوی تنازعہ پر نہیں تھا بلکہ اس حیثیت سے تھا جس حیثیت
سے قرآن شریف میں شعیب نبی نے یہ دُعا کی کہ اے خدا مجھ میں اور میری قوم میں یعنی
میں فیصلہ فرما اور یہی آیت مرزا صاحب نے بھی خدا سے بطور درخواست اس اشتہار میں

سوال۔ شعیب نبی (علیہ السلام) کی دعا قبول ہوئی ؟

جواب۔ ہاں قبول ہوئی۔

سوال۔ اشتہار متنازعہ میں سچائی کا معیار کس بات پر رکھا گیا تھا ؟

جواب۔ سچائی کا معیار اس بات پر مبنی تھا کہ خداوند تعالیٰ جس طریق پر چاہے میری سچائی کا اظہار
کرے جیسا کہ آیت مندرجہ اشتہار کا منشا ہے اور اشتہار کے یہ الفاظ "مجھ میں اور
ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما" اس فیصلہ کی تمنا یہ کی گئی کہ اس طریق پر فیصلہ ہو سچا زندہ رہے
جھوٹا مر جائے۔ مولوی ثناء اللہ نے اس فیصلہ سے انکار کیا۔ اس وقت بحث صرف ان امور
ہے جو فریقین کے درمیان متنازعہ قرار پا چکے ہیں جو بورڈ پر درج ہیں (مکان مباحثہ میں
مضامین زیر بحث ایک بڑے بورڈ پر لکھ دیئے گئے تھے۔ مصنف) ان میں کوئی امر ایسا
نہیں ہے جس کے فیصلے کے لیے ان سوالات کی ضرورت ہو۔ یہ بات کہ دُعا مندرجہ اشتہار
قبول ہوئی یا نہیں ہوئی یا مرزا صاحب نے کس حیثیت سے یہ اشتہار دیا امور زیر بحث سے غیر متعلق
ہیں کیونکہ میرا چیلنج خاص ان دو امور متنازعہ فیہ پر ہے۔"

(قاسم علی بقلم خود)
دستخط سردار بچن سنگھ ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء

مباحثہ مابین مولوی ثناء اللہ امرتسری و میر قاسم علی صاحب دہلوی کی بنیاد اس اشتہار سے شروع ہوئی جو حضرت مرزا صاحب قادیانی نے بذریعہ اخبارات "بدر" "الحکم" مشتہر فرمایا اور اشتہار بجنسہ چھاپہ شدہ ذیل میں چسپاں ہے۔ اس اشتہار کے متعلق دونوں فریقین نے برضامندی امورات درج ذیل متنازعہ فیہ قرار دیئے۔

(۱) ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا۔

(۲) خدا نے الہامی طور پر جواب دیا تھا کہ میں نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

ثبوت بذمہ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب (مسلمان مناظر)

تردید بذمہ۔ میر قاسم علی صاحب (قادیانی مناظر)

بتاریخ ۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء فریقین نے اپنی اپنی بحث بذریعہ پرچہ جات تحریری ۳ بجے شام سے لے کر قریب ۱۱ بجے رات تک روبرو میر مجلسان و مجھ کمترین ثالث مقبولہ فریقین کی۔ چونکہ ثالث میں بڑی رات گذر چکی تھی اور کمترین کا خیال تھا کہ میں اپنا اظہار رائے بصورت اختلاف رائے ہر دو میر مجلسان کروں اس واسطے یہ قرار پایا کہ ہر دو میر مجلسان اپنی اپنی رائے اگلی صبح یعنی بتاریخ ۱۸ اپریل کو میرے پاس بھیج دیں اور میں اپنی رائے ۲۰ اپریل کی شام تک تحریر کر دوں گا۔ بدیں وجہ کہ مجھے ۱۸ اور ۱۹ اپریل کو بوجہ کثرت کار فرصت کم تھی۔ میر مجلس منجانب مدعی نے اپنی رائے ۱۸ اپریل کی شام کو اور میر مجلس منجانب مدعا علیہ نے کل ۲۰ اپریل کی شام کو بھیجی۔ اور ان کی وجہ تحریر چھٹی انگریزی منسلکہ ہذا سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ میں علم عربی سے بالکل ناواقف ہوں اور کتب مقدسہ اہل اسلام سے بالکل بے بہرہ۔ اس واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ چونکہ ایک میر مجلس فیروزپور میں ہیں اس واسطے چند شکوک فریقین سے ایک دوسرے کے مواجہ میں رفع کر لوں۔ چنانچہ فریقین کی خدمت میں میں نے اطلاع کر دی کہ بوقت ۱۱ بجے امروزہ وہ مباحثہ والے مکان میں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ مکان مذکورہ میں ½ ۱۱ بجے سے کاروائی شروع کی گئی ہے اور زبانی شکوک رفع کرنے کے علاوہ ضروری امور میں ہر دو فریقین کا بیان بھی لیا گیا جو رائے ہذا کا فرد تصور ہوگا۔ (یہ بیان پہلے آچکے ہیں) شرائط مباحثہ کی شرط ۶ یہ ہے کہ رائے دہندہ اگر مسلمان ہے تو خدا کی قسم کھا کر اپنا تحریری فیصلہ بحث کے خاتمے پر لکھے گا اور جو رائے مباحثہ کے متعلق

بلغیر خدا کی قسم کھانے کے کوئی ثالث دیگا وہ قابلِ وقعت نہ ہوگی۔ چوہدری فرزند علی صا
مجلس منجانب میر قاسم علی صاحب (قادیانی مناظر) کے فیصلے پر قسم وغیرہ کے متعلق کوئی ا
نہیں ہے لیکن چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے بیان میں جو میں نے آج لیا ہے عدم تعم
بالا پر کوئی عذر نہیں کیا ہے (حالانکہ دیکھا جائے تو یہ بات انتہائی قابلِ اعتراض ہے۔ مف
اور اسے معمولی سہو قرار دیتے ہیں جبکہ چوہدری فرزند علی صاحب بخوبی جانتے تھے کہ یہ
بموجب شرائط حلفی لکھنا ہوگا۔ اندریں صورت کہ برخلاف فیصلہ قابلِ وقعت ہے۔ خاص ک
وہ فریق جس کے خلاف فیصلہ مذکور ہے زیادہ اصرار نہیں کرتا ہے۔ مجھے سخت افسوس
دو معزز صاحبان جو ہر دو فریق کی مذہبی کتابوں سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اختلاف ر
کریں۔ جب دو عالموں میں جو فریقین کے ہم مذہب ہوں اختلاف رائے ہو تو میرے جیسے
اور غیر مذہب شخص کی رائے کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔ میں امید کرتا ہوں اور تمام صاحبان
التماس کرتا ہوں کہ وہ میری رائے کو کسی طرح سے بھی اپنے مذہبی عقاید کے مُخل تصوّر نہ فر
بے شک شرائطِ مناظرہ کی رُو سے ایک فریق کی جیت اور دوسرے فریق کی ہار میری رائے
ہوسکتی ہے لیکن میری رائے کسی صورت میں بھی کسی مسئلہ مذہبی کی فیصلہ کن نہیں ہوسکتی۔ اور
جیت وہار بھی ویسی ہی ہوگی جیسا کہ دو متخاصین کسی چند سالہ معصوم اور دنیا سے بالکل نا
بچے سے التماس کریں کہ جس شخص کے سر کو ہاتھ لگا دیگا وہ فتحیاب تصوّر ہوگا اور وہ بچہ
کے کہنے سے بلا جانے کسی امر کے ایک شخص کے سر کو ہاتھ لگا دیوے۔ فی الواقعہ میری واقف
دربارہ اسلام جو کہ ایک وسیع سمندر ہے ان نادان اور ناواقف بچے سے بدرجہا کم ہے
اس بچے کی بات تسلیم کرنا دونوں پر واجب ہوجاتا ہے کیونکہ دونوں فریقین نے اسے ثال
کرلیا ہوتا ہے۔ مصنف) اور میری رائے کا کوئی اثر کسی اور شخص پر نہیں ہوسکتا اور نہ کو
شخص اس کا پابند ہوسکتا ہے اور میرا پکا یقین ہے کہ فریقین بھی اپنے اپنے مذہبی عقائد
بموجب ہرگز ہرگز پابند نہیں ہوں گے سوائے اس بات کے کہ بموجب شرائط تین سو روپے کی
کی ہار جیت ہوجاوے۔ میں نے کئی ایک مذہبی مباحثے دیکھے ہیں جن کا کبھی کوئی نتیجہ نہیں
جب کوئی شخص کسی ایک خاص عقیدہ مذہبی کا پیروکار ہو تو وہ ہرگز اس سے منحرف نہیں ہ

اس کے مخالفین کچھ ہی کیوں نہ کہیں۔ بلکہ اس قسم کی مخالفت اور مباحثے ایسے معتقدوں کو
پختہ بنا دیتے ہیں۔ البتہ اس قسم کے مباحثوں کا آئندہ ہونے والے معتقدوں پر تھوڑا
اثر ضرور ہوتا ہے۔ لیکن میرا یقین ہے کہ میرے جیسے شخص کی رائے کا اثر ایسے لوگوں پر
نہیں ہوگا۔ لیکن چونکہ فریقین نے مجھے اپنا ثالث مقرر کیا ہے اور بدقسمتی سے ہر دو میر
ن میں اختلاف رائے ہوگیا ہے اس لیے حسب شرائط مباحثہ مجھ پر لازم آیا کہ میں اپنی
کا اظہار خواہ اس کی وقعت کچھ بھی ہو، اس مباحثہ کی اغراض کے لیے ظاہر کردوں۔
فریقین نے بحث بڑی قابلیت اور لیاقت کے ساتھ کی ہے اور تقریر بحث میں بالکل
ں شہادت کی تقریر فرمائی ہے۔ لیکن جب میں دعویٰ کو دیکھتا ہوں تو مجھے بالکل تعجب پیدا
ہے کہ جو صاحب اس مباحثے میں مدعی بنے ہیں اور جو ہر دو امورِ متنازعہ فیہ کو مثبت میں
کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہر دو امور میں متنازعہ فیہ کے مثبت میں ہونے کا
ہے گویا وہ اپنے دعوے کی اپنی ضمیر کے مطابق تصدیق کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر
ں قانون مندرجہ ضابطہ دیوانی کے مطابق کوئی شخص عرضی دعوے عدالت میں پیش کرے
ساتھ ہی کہے کہ میں عرضی دعوے کے صحیح اور سچ ہونے کی حلفیہ تصدیق کرنے کے لیے
یں ہوں تو عدالت فوراً اس کے دعوے کو نامنظور کردے گی خواہ اس کا مدعا علیہ اس
عوے کے اقبال کے لیے تیار کیوں نہ ہو۔ جو کہ مدعا علیہ حال کی صورت نہیں ہے بلکہ وہ
ر دعویٰ پر اصراری ہے لیکن چونکہ یہ مباحثہ ایک مذہبی مسئلہ پر ہے اس واسطے اس پر
ن دیوانی عاید نہیں ہوسکتا۔ یہ خیالات میں نے اس واسطے ظاہر کیے ہیں کہ ہمارے ملک میں
لات میں مباحثے پیدا ہوجاتے ہیں اور کن حالتوں میں ایک شخص کو محض مباحثہ کی غرض
یا حالت بدلنا پڑتی ہے (لیکن یہاں معاملہ یہ نہیں کیونکہ یہاں مدعی کا دعویٰ مدعا علیہ کے
ید پر مبنی ہے نہ کہ واقعات پر) اور اسی طرح میر قاسم علی صاحب جو مرزا صاحب کے
حب وحی والہام" ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور امورِ متنازعہ کی تردید میں کھڑے
تے ہیں۔ فی الواقعہ یہ بھی میری رائے ناقص میں عجائباتِ زمانہ میں سے ایک عجوبہ ہے۔
امورِ متنازعہ فیہ کے فیصلے کے لیے اشتہار کی عبارت کو غور سے پڑھنا نہایت ضروری

ہے اور یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا یہ اشتہار کسی مسئلہ دینی کے انفصال کے واسطے تھا یا کسی امر کے فیصلے کے لیے۔ اس امر کو میر قاسم علی صاحب نے صاف طور پر اپنے بیان میں مان لیا کہ یہ اشتہار دینی مسئلہ کے انفصال کے لیے تھا۔ میری ناقص رائے میں مرزا صاحب کا یہ انفصال کسی خاص دینی فیصلہ کے لیے نہ تھا بلکہ اُن کے اپنے مشن کے فیصلے کے لیے تھا جو ایک معمولی دینی کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ عبارت کے ذیل مندرجہ اشتہار سے ظاہر ہے۔

الف۔ "چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں"۔

(ب)۔ "اور آپ بہت سا افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں"

(ج)۔ "اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا"۔

(د) "اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمے اور مخاطبے سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں"۔

(ھ) "پس اگر وہ سزا جو انسان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں"۔

(و) اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں"

(ز) "مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے"۔

ان جملہ فقروں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس اشتہار کے ذریعے کسی معمولی مسئلہ دینی کے فیصلے کے لیے استدعا نہیں کی بلکہ اپنے مشن کی تصدیق یا تکذیب کے لیے استدعا کی۔ اس اشتہار کے متعلق ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو اس اشتہار کے دینے اور اپنے مشن کی تصدیق کرانے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔ خود اشتہار کے مفصلہ ذیل فقرات سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب بایام اشتہار ستائے ہوئے تھے۔ اور حال

بھی کیے گئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

(۱) "میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔"

(۲) "میں نے آپ کے ہاتھ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بد زبانی حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ مجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے...... اور مفتری اور حد درجہ کا بد آدمی ہے۔"

اگر بقول اور حسب دعویٰ مرزا صاحب یہ کل بحث ہی صرف اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ مسیح موعود و مامور خداوند تعالیٰ تھے اور فی الواقعہ ایسی مصیبت میں تھے جیسا کہ اشتہار میں ہے تو میری ناقص رائے میں "حقیقت الوحی" صہ۱۸ کے الفاظ ذیل ان پر عاید ہوتے ہیں:

"جب ان کے (مقبولین کے) دلوں میں کسی مصیبت کے وقت شدت سے بے قراری ہوتی ہے اور اس شدید بے قراری کی حالت میں وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتے ہیں تو خدا ان کی سنتا ہے اور اس وقت ان کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہے۔ خدا ایک مخفی خزانہ کی طرح ہے۔ کامل مقبولوں کے ذریعے سے اپنا چہرہ دکھاتا ہے۔ خدا کے نشان تب ہی ظاہر ہوتے ہیں جب اس کے مقبول ستائے جاتے ہیں۔ جب حد سے زیادہ ان کو دکھ دیا جاتا ہے تو سمجھو خدا کا نشان نزدیک ہے، بلکہ دروازہ پر۔"

پس جب اشتہار کی عبارت سے حد درجہ کی مصیبت اور بیقراری ٹپکتی ہے تو حسب ضابطہ بالا کاتب اشتہار کے ہاتھ کو اگر خدا کا ہاتھ تصور کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں سوائے اس امر کے کہ کوئی معتقد شخص اپنے مذہبی اصولوں کی طرفداری یہ نہ کہے کہ مقبولین کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور سب کاموں کے واسطے ہوتا ہے۔ سوائے تحریر کے کاموں کے۔ یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ جبکہ چھوٹے چھوٹے اور بہت خفیف خفیف مسائل دینی اور امورات دنیاوی میں تو خدا کا حکم ہووے اور ایک ایسا اہم معاملہ جو کہ مرزا صاحب کے کل مشن کے متعلق تھا وہ بلا حکم خدا ہووے۔ میر قاسم علی صاحب نے اپنی بحث

یں فرمایا ہے کہ فریق ثانی نے کوئی ایسا حکم پیش نہیں کیا جس میں مرزا صاحب کو خدا نے یہ حکم دیا ہو
تم ایسی درخواست ہمارے حضور میں پیش کرو۔ میری ناقص رائے میں بحکم خداوندی کے یہ معنی ہرگز
نہیں کیے جا سکتے کہ خداوند تعالیٰ اپنے ماموروں کو پہلے حکم دیتا ہے اور بعدازاں وہ اپنی درخواست
پیش کرتے ہیں۔ میں بحکم خداوندی کے معنے "منظور خاطر خدا" یا "بتحریک خدا"۔ یعنی پرماتما کی پریرنا
لیتا ہوں۔۔۔

ممکن ہے خداوند تعالیٰ چونکہ ہمہ دان ہے اپنے ماموروں اور مقبولین جو اس صفت سے
موصوف نہیں ہیں تحریک کر دے جس تحریک کا ان مامورین کو مطلقاً اس وقت پتہ نہ ہووے
یا بعد میں پتہ ہووے یا تحریک کا نتیجہ پیدا ہونے کے بعد بھی اس تحریک کا پتہ لگے اور نتیجہ پیدا ہونے
سے پیشتر وہ کل عرصہ اس تحریک سے بے خبر رہیں۔

میری ناقص رائے میں بحکم خداوندی ہونے کا ایک یہ بھی معیار ہے کہ کسی فعل کا نتیجہ کیا
ہے۔ اگر نتیجہ الفاظ استدعا کے مطابق ہوا ہے تو اس سے یہ قیاس پیدا ہوتا ہے کہ یہ استدعا خدا
تعالیٰ کے حکم سے ہی تھی لیکن نتیجہ استدعا کے برخلاف ہوتا ہے تو قیاس یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلاں استدعا
خلاف حکم ایزدی تھی۔ پس جب اس معیار سے بھی دعا مندرجہ اشتہار کو دیکھا جاوے تو چونکہ نتیجہ
یا الفاظ مائل پیدا ہوا۔ اس واسطے قیاس یہ ہے کہ یہ اشتہار بحکم ایزدی دیا گیا۔ اگر ان قیاسات
کو چھوڑ کر واقعات متعلقہ اشتہار متنازعہ کو دیکھا جائے تو میری رائے ناقص میں یہی نتیجہ نکلتا ہے
جو میں نے اوپر درج کیا ہے۔

اوّل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اشتہار مرزا صاحب کے دست مبارک سے کب کاغذ پر ظہور میں
آیا۔ بے شک چھاپہ شدہ کاغذ پر ۱۵ ار اپریل ۱۹۰۷ء درج ہے۔ مگر میری رائے ناقص میں وہ
مرزا صاحب کے دست مبارک سے نہیں ہے بلکہ کاتب کے ہاتھ کی ہے۔ میں نے مزید تسلی کے لئے
میر قاسم علی سے دریافت کیا کہ اصل مسودہ کہاں ہے؟ جس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا۔
اور اگر صرف چھاپہ شدہ تحریر تاریخ پر کسی امر کا فیصلہ کیا جائے تو میں نہیں جانتا کہ کاروبار دنیا میں
کیسی گڑبڑ مچ جائے گی۔ وہ "سول ملٹری گزٹ" جس پر ۲۰ ار اپریل ۱۹۱۲ء تاریخ درج ہوئی تھی وہ
یہاں لدھیانہ میں ۱۹ ار اپریل ۱۹۱۲ء کی شام کو کئی اصحاب کی ردّی کی ٹوکری میں چلا گیا تھا۔ پھر

نہیں معلوم کہ اس میں چھپے ہوئے مضمون ۱۹ر اپریل سے کتنا عرصہ پیشتر مصنفین کے ہاتھوں سے نکل چکے ہوں گے۔ حضور ملک معظم شہنشاہِ ہند کے دہلی دربار کے موقعہ پر جو اعلان پڑھا گیا اس پر ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء درج تھی۔ نہیں معلوم وہ چھاپہ خانہ سے کتنا عرصہ پیشتر نکل چکا تھا اور تیار کب کیا گیا تھا۔ پس اگر ۲۰ر اپریل والے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے کسی مضمون یا اعلان مذکور کی تاریخ تصنیف کی بابت کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو تاریخ متنازعہ کو ۲۰ر اپریل یا ۱۲ر دسمبر بتلانا میں خود میر قاسم علی صاحب کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔ قصّہ کوتاہ میری رائے یہ ہے کہ یہ اشتہار ۱۵ر اپریل سے پیشتر مرزا صاحب کے قلم سے نکل چکا تھا۔

دوم سوال یہ ہے کہ "بدر" مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء میں جو نوشت بہ کالم ڈائری درج ہے اس کے متعلق صحیح تاریخ کونسی قائم کی جائے میر قاسم علی صاحب اس کی تاریخ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۷ء قائم کرنے پر بہت اصرار کرتے ہیں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جس کے واسطے وجوہات ذیل ہیں۔

(الف) محض ۱۴ر اپریل چھپ جانے سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ یہ ڈائری ۱۴ر اپریل کی ہے۔ خاص کر جبکہ ۱۵ر اور ۱۶ر اپریل کی ڈائری پیش نہیں کی جاتی۔ ممکن ہے کہ یہ نوشت ۱۵ یا ۱۶ر اپریل کی ہووے۔

(ب) ڈائریوں کی ترتیب جو مختلف اخباروں میں چھپی ہے بالکل درست نہیں ہے کہ ان کے متعلق تاریخوں کے صحیح ہونے کا کوئی قیاس بھی پیدا ہو سکے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے تو ڈائریوں کے متعلق ایک بے ضابطگی ظاہر کی تھی جس کے جواب میں میر قاسم علی نے کئی ایک اور بے ضابطگیاں بیان کیں جو بیانِ مدعی کی بجائے تردید کے تائید کرتی ہیں۔ اس موقعہ پر انگریزی کی ایک ضرب المثل کا مطلب درج کر دینا لاحاصل نہ ہوگا:۔

"دو سیاہ چیزیں مل کر سفید چیزیں پیدا نہیں کر سکتیں، اور دو غلطیاں مل کر درستی پیدا نہیں کر سکتیں"۔

(ج) اگر ڈائری اور تاریخ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۷ء خود مرزا صاحب کے دستِ مبارک سے ہوتیں تو مجھے تاویل مذکورہ کے صحیح ماننے میں ذرا بھی تامّل نہ ہوتا۔ لیکن جب کہ مرید لوگ ڈائریاں

تحریر کرتے تھے اور وہ ایسی لاپرواہی اور بے احتیاطی سے چھپوائی جاتی تھیں تو محض
شدہ تاریخ سے میں اس نوشت کے متعلق تاریخ قائم نہیں کرسکتا۔ خاص کر جبکہ خود
سے ظاہر ہے کہ یہ ڈائری ۱۵، ۱۶ ار اپریل کی بھی ہوسکتی ہے

(د) جبکہ وہ اشتہار جو کہ ۱۵ ار اپریل کا بیان کیا جاتا ہے "بدر" مورخہ ۱۸ ار اپریل ۱۹۰۷
"الحکم" مورخہ ۷ ار اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کیا جاتا ہے اور ڈائری جو کہ مولوی ثنا
کے متعلق ایک الہام کا بھی ذکر کرتی ہے اور جو اشتہار سے ایک دن پہلے کی بیان
۲۵ ار اپریل کے "بدر" کے انتظار میں رکھی جاتی ہے درحالیکہ ایسی ضروری ڈائری
۸ ار اپریل میں آسانی سے چھپ سکتی تھی تو ایسی صورت میں ڈائری کی تاریخ ۴ ار اپ
مقرر کرنے سے بالکل قاصر ہوں۔

خلاصہ یہ کہ "بدر" ۲۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء والا الہام اشتہار متنازعہ کے متعلق ہے۔
میں نے میر قاسم علی صاحب سے مزید تسلی کے لیے دریافت کیا کہ سوائے "حقیقت
"بدر" مورخہ ۴ ر اپریل ۱۹۰۷ء سے کوئی اور تحریر بھی ایسی ہے جس پر "بدر" ۲۵ ر اپریل
والے الہام کا اطلاق کیا جائے۔ جس کا جواب انہوں نے صاف نفی میں دیا۔

"حقیقت الوحی" شائع ہی ۱۵ ار مئی ۱۹۰۷ء کو ہوتی ہے یعنی "بدر" ۲۵ ر اپریل
ایسی صورت میں الہام "بدر" ۲۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء کا اطلاق "حقیقت الوحی" کی کسی تحریر
سکتا۔ خواہ تحریر کی چھاپہ شدہ تاریخ ۲۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء سے پہلے ہی کی کیوں نہ ہو تا وقتیکہ
مشتہر نہ کی جاچکی ہو۔ جو کہ ثابت نہیں کیا گیا۔ ۴ ر اپریل ۱۹۰۷ء کی تحریر کا جو حوالہ دیا جاتا ہے
نے بعد میں پڑھی ہے اور اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی دعا برخلاف یا بحق مولوی ثنا
کی گئی جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکیں کہ الہام بدر مورخہ ۲۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء اس کے متعلق ہے
تھا کہ میں تحریر "بدر" ۴ ر اپریل ۱۹۰۷ء کو حرف بحرف اس جگہ درج کرتا لیکن طوالت
کے باعث ایسا نہیں کرسکتا۔ لیکن تحریر "بدر" ۴ ر اپریل ۱۹۰۷ء کو میں اپنی رائے کا جزو قرار
جو صاحب اس رائے کو کسی جگہ چھپائیں وہ براہ مہربانی تحریر مذکور کو بھی چھاپ دیں۔
(سردار صاحب کے حسب منشاء ۴ ر اپریل ۱۹۰۷ء کے "بدر" کی عبارت کا خلاصہ درج

"اس کتاب (حقیقت الوحی) کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم یہ ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے مباہلہ کو منظور کر لیا ہے۔ اور ہم اوّل قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب میں ہم نے درج کیے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر ہمارا یہ افتراء ہے، لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسا ہی مولوی ثناء اللہ بھی اس اشتہار اور کتاب پڑھنے کے بعد بذریعہ ایک چھپے ہوئے اشتہار کے قسم کے ساتھ لکھ دیں کہ میں نے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھ لیا ہے اس میں جو الہامات ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں اور مرزا غلام احمد کا اپنا افتراء ہے۔ اور اگر میں ایسا کہنے میں جھوٹا ہوں تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور اس کے ساتھ جو کچھ عذاب وہ خدا سے مانگنا چاہیں مانگ لیں۔ ان اشتہارات کے شائع ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ کر دے گا اور صادق اور کاذب میں فیصلہ کر کے دکھا دے گا (بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

یہ تحریر مباہلے کے متعلق تھی جو مباہلہ مولوی ثناء اللہ نے پیش کیا تھا اس پر مرزا صاحب ... فرمایا تھا کہ مباہلہ کے متعلق ہم دعا کریں گے جو دعا نہیں کی گئی۔ اور مباہلہ بروئے تحریر "بدر" مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء فسخ ہو گیا۔ بلکہ مباہلہ کے فیصلہ کے لیے ایک اور طریق اختیار کیا گیا۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ مضمون بہ کالم ڈائری "بدر" مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء سوائے اشتہار متنازعہ کے اور کسی تحریر کے متعلق نہیں ہے۔

الفاظ مشیت ایزدی مندرجہ تحریر "بدر" ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء پر بہت زور دیا گیا ہے میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اگر تحریر مذکور میں صرف یہی الفاظ ہوتے تو ان الفاظ سے "بحکم خداوندی" نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا کیونکہ مشیت کے واسطے رضامندی باری تعالیٰ لازمی نہیں ہے۔ لیکن تحریر مذکور میں الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:۔

"اس واسطے مشیت ایزدی نے آپ کو دوسری راہ سے پکڑا۔ اور حضرت حجۃ اللہ کے قلب میں آپ کے واسطے دعا کی تحریک کر کے فیصلے کا ایک اور طریق اختیار کیا۔"

پس میں اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں کہ تحریر "بدر" ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء منجانب مرزا صاحب تھی اور متعلق اشتہار متنازعہ تھی اور اس سے صاف ثابت ہے کہ اشتہار مذکور "بحکم خداوندی" تھا

ایک اور سوال جس پہ زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود اشتہار متنازعہ میں "علم خدا
کی نفی کی ہے۔ اس بارے میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ نفی محض اس لیے عمل میں آئی کہ
نے بعدالت ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور اقرار کیا تھا کہ میں آئندہ خاص قسم کی پیش گوئیاں
ہلاکت کا سوال آوے نہیں کروں گا اس واسطے بپابندی احکام قانون دنیاوی نفی مذکور
میر قاسم علی صاحب نے آج زبانی عذر کیا کہ وہ اقرار نامہ صرف اس خاص مقدمہ کے متع
لیکن میری ناقص رائے میں وہ اقرار نامہ عام تھا جیسا کہ اقرار نامہ کے بالکل صاف اور
سے پایا جاتا ہے۔ اقرار نامہ مذکور نہایت ضروری ہے اور میں بوجہ طوالت اس جگہ درج
لیکن وہ بھی اس رائے کا جز تصوّر ہوگا۔[۱]

پس میری رائے میں نفی مندرجہ اشتہار بالکل ناقابلِ وقعت ہے جبکہ تحریرات "بدر
اپریل ۱۹۰۷ء و "بدر" ۱۳؍ جون ۱۹۰۷ء سے خود مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں
بالکل کافی اور تسلی بخش ثبوت ملتا ہے پس آخر نتیجہ یہ ہے کہ حسب دعویٰ مرزا صاحب ۱۵
والا اشتہار "بحکم خداوندی" مرزا صاحب نے دیا تھا۔

امر دوئم اور امر اوّل کا بالکل حاصل ہے جبکہ میں نے قرار دیا ہے کہ تحریر "بدر" ۲۵
۱۹۰۷ء اشتہار متنازعہ کے متعلق تھی تو صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الہام مندرجہ تحریر مذکو
متنازعہ کی دُعا کے متعلق تھا

جبکہ حقیقت الوحی" کے صفحہ ۱۸۷ و حاشیہ صفحہ ۱۸۷ میں صاف درج ہے کہ

---

[۱] وہ اقرار نامہ جو مرزا صاحب نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے حضور پیش کیا تھا وہ اس کتاب
صفحات میں موجود ہے لیکن یہاں صرف اس کی چند سطریں پیش کی جاتی ہیں۔

"میں کسی چیز کو الہام جتا کر شائع کرنے سے مجتنب رہوں گا جس کا منشا ہو یا جو ایسا منشا
کی معقول وجہ رکھتا ہو کہ فلاں شخص (مسلمان ہو یا ہندو، سکھ یا عیسائی) ذلت
یا موردِ عتابِ الٰہی ہوگا۔"

مورخہ ۲۴؍ فروری ۱۸۹۹ (مرزا غلام احمد بقلم خود)

ت کے میعاد مقررہ کے اندر مرجانے سے مرزا صاحب کی یہ پیش گوئی کہ
"اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ تیری لڑکی اور تیری لڑکی کی لڑکی پر ایک بلا آنے والی ہے۔"
طور پر پوری ہوئی تو میں صاف اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے اس
فانی سے بحیات مولوی ثناء اللہ صاحب رحلت فرمانے سے مرزا صاحب کی دعا مندرجہ
ر خداوند تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس قبولیت کا اظہار خود مرزا صاحب نے اپنی زبان
سے کیا۔ ملاحظہ ہو تحریر "بدر" ۲۵ راپریل ۱۹۰۷ء بکالم ڈائری جو اس رائے کا جزو تصو
فریقین نے اپنی اپنی بحث میں کئی ایک باتوں پر زور دیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے
مرزا صاحب کی کل دعائیں (سوائے شرکاء کے متعلق) قبول فرمانے کا خداوند تعالیٰ نے وعدہ
تھا۔ مجھے ان امور پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میری رائے میں مرزا صاحب کی
مندرجہ اشتہار بارگاہ الٰہی سے منظور فرمائی گئی۔ اگرچہ میں اتنا درج کر دینا مناسب سمجھتا
الہام مذکور کے لفظ بلفظ ترجمہ سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ الہام محض اس مقدمہ
اؤں کے متعلق ہے جو استثناء کی گئی ہیں وہ صرف شرکاء کے متعلق ہے نہ کہ وہ الہام کل دعاؤں
علق ہے۔ اگرچہ میرے واسطے صرف ایک میر مجلس کے ساتھ اتفاق رائے ظاہر کر دینا کافی
ر کسی وجہ کے پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن دونوں میر مجلس صاحبان نے اپنی اپنی رائے
ورہ ہو کر نہیں لکھی اس واسطے میں نے ان کی آراؤں سے کوئی مدد نہیں لی اور نہ میں ——
ن کی رائیں پڑھی ہیں صرف ان کا نتیجہ دیکھا ہے۔ نتیجہ سے جب ان کی آرائیں مختلف معلوم
تو میں نے ان کی وجوہات کو پڑھنا بالکل نامناسب سمجھا۔ خاص طور پر جب چوہدری فرزند علی صاحب
ضر میں موجود نہیں تھے۔ اندریں صورت مجھے اپنی ناقص رائے کی تائید میں چند ایک دلیلیں دینے
ضرورت پڑی۔ چونکہ میں عالم شخص نہیں ہوں اور نہ مجھے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کتب اسلام
واقفیت ہے اس لیے اگر میری کسی دلیل سے یا کسی تحریر سے کسی مسلمان صاحب کی ذرا بھی
زاری ہو تو میں نہایت ہی ادب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ میں نے ارادۃً ایسا نہیں
بلکہ قواعد مناظرہ کو مدنظر رکھ کر صرف فیصلہ فریقین کے لیے مجبوراً اظہار رائے کیا ہے کیونکہ

اگر میں گریز کرتا تو مجبوراً فریقین کو کسی اور ثالث کے تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور خواہ مخواہ تشویش میں پڑتے اور خرچہ وغیرہ کے زیر بار ہوتے۔"

(دستخط سردار بچن سنگھ)

بحروف انگریزی

مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی:

یہ تاریخی فیصلہ ۲۱ اپریل ۱۹۱۲ء کو شام کے وقت سُنایا گیا۔ مرزائیت کے لیے جہاں فیصلہ تکلیف کا باعث ہوا وہاں لدھیانہ شہر کے لوگوں نے اس پر بے پناہ مسرت و انبساط کا اظہار کیا۔ ہر طرف شہر میں دلی مسرت اور رونق کے مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ لوگ ایک دوسرے کو گلے ملتے اور مبارکباد دیتے تھے۔ فتح کے اظہار کے لیے مسلمان جب آپے سے باہر ہوتے تو نعرے لگاتے۔ رات تک شہر کے ہر اہم چوک اور بازار میں مسلمان اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے رہے۔ اور رات کو بعد نماز عشاء مولانا محمد حسن خانصاحب کے مکان پر مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے مسلمان زعماء نے تقاریر کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مبلغ تین صد روپیہ جو قادیانیوں کی طرف سے بصورت فتح انعام مقرر تھا دیا گیا۔ جس کے بعد مولانا بذریعہ ریل لدھیانہ سے امرتسر کے لیے روانہ ہوئے۔ امرتسر میں فتح کی خبر مولانا کی آمد سے پہلے پہنچ چکی تھی اس لیے اسٹیشن پر مسلمانوں کا ایک جم غفیر مولانا کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے جمع ہو گیا۔ یہاں سے ایک جلوس کی صورت میں مولانا گھر تشریف لے گئے اور پھر لدھیانہ کی طرح یہاں بھی رات کو شہر کے مسلمانوں کی طرف سے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مباحثہ کے بیانات اور سرپنچ سردار بچن سنگھ کے مبنی بر انصاف فیصلہ پر بہترین الفاظ میں تبصرہ فرمایا۔ اور اجتماع رات گئے تک جاری رہنے کے بعد بخیریت اختتام پذیر ہوا۔ مولانا نے تقریر میں فرمایا:

"ہم نے لکھا تھا کہ منشی قاسم علی صاحب اپنے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب سے اجازت لے کر مباحثہ میں آویں اس کے جواب میں منشی صاحب نے لکھا۔ "ہم کو اپنی کامیابی

اور نصرت کے مورد ہونے کی خاطر ہر ایک دینی خدمت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس کو ہم انشاء اللہ حاصل کرکے ہی اس لسانی اور قلمی جہاد میں آپ کے سامنے آدیں گے۔" (الحق ۵ اپریل ۱۹۱۲ء)

ہمارے خیال میں حکیم صاحب چونکہ مرزا صاحب کے خلیفہ ہیں اس لیے ضروری ہے کہ انہوں مرزا صاحب کی تائید میں یہی دُعا کی ہوگی کہ خدا حق کو ظاہر کرے یہی ان کو چاہیئے تھا۔ اسی ظاہر ہوا پس جس طرح میں جناب مرزا صاحب کی قبولیتِ دعا کا قائل ہوں حکیم صاحب کی کا مقر ہوں کہ آپ کی دُعا بھی قبول ہوئی اور ضرور قبول ہوئی۔ الحمد اللہ خدا نے آپ کی حق کو ظاہر کر دیا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ آپ یا آپ کے دوست اس دعا کو نامقبول جیسے مرزا صاحب کی دعا کو غیر مقبول کہتے ہیں ایسا کہنے سے نہ ہمیں کچھ رنج ہے نہ جناب خلیفہ ان کو ہوگا اور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مرزائی لوگ جب مرزا صاحب کی دعا کو مقبول نہیں جانتے صاحب کی دُعا کو بھی مقبول نہ جانیں تو ہمیں کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

خدا کے کاموں کا اسرار خدا ہی جانتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی اور الہام تو جناب مرزا ب قادیانی کو خدا کی طرف سے ہُوا ہو یا نہ لیکن ۱۵ اپریل والی دُعا اور اس کی قبولیت کا الہام ر خدا کی طرف سے ہُوا ہوگا جس کا اثر خدا ہی کو دکھانا منظور تھا جو دیکھا گیا۔

میرے دوست حیران ہیں کہ قادیانی جماعت کو عموماً اور منشی قاسم علی کو خصوصاً کیا خبط کہ انہوں نے مباحثہ پر ضد کی اس کا جواب بھی یہی دیتا ہوں کہ واقعی یہ تحریک بھی خدا ئے کی طرف سے اُن کے دل میں ہوئی تاکہ فیصلہ بیّن ہو جائے۔ کیونکہ سابقہ صاف فیصلہ کو جو صاحب کی موت سے ہُوا تھا مرزا جی کے مُریدوں نے ناحق کی تاویلات سے مکدّر کرنے شش کی تھی اس لیے خدا نے اس کام کے لیے قادیانی مشن کے جوشیلے رکن منشی قاسم علی کو ب فرمایا اور ان کے ساتھ اور قادیانی دوستوں کو شریک کیا۔

اس لیے اصل شکریہ تو خداوند تعالیٰ کا ہے جس نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ اس کے وہ لدھیانہ کی اسلامی پبلک عموماً شکریہ کی مستحق ہے جن کی مخلصانہ دُعائیں ہمارے شریک بلکہ ین حال تھیں خصوصاً ہمارے

(۱) مکرم مولانا محمد حسن صاحب وائس پریذیڈنٹ میونسپلٹی لدھیانہ

(۲) اوران کے اعزّہ بابو عبدالرحیم صاحب بابو عبدالفتاح

(۳) میاں عبدالحئی وکیل

(۴) شیخ امین الدین مع برادران

(۵) منشی محمد حسن میونسپل کمشنر

(۶) مسٹر لیسین شاہ صاحب

(۷) مولوی ولی محمد صاحب

(۸) قاضی فضل احمد صاحب وغیرہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کام میں ہمیں امورِ مشکلہ میں مشورہ سے مدد دی۔ میاں نور بخش ٹیلر ماسٹر بھی شکریہ کے مستحق ہیں باوجود مرزا صاحب کے معتقد ہونے کے وقتاً فوقتاً نیک مشوروں سے امداد دیتے رہے سب کے لیے دعا ہے۔"

قادیانیوں کا ردِ عمل

اس تاریخی فیصلے سے جہاں مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہاں قادیانیوں میں صف ماتم بچھ گئی اُن سے اور تو کچھ بن نہ پڑا فقط یہ کہہ کر آسمان سر پر اُٹھالیا کہ ثالث کو نہ ہی تو قرآن و حدیث کا علم تھا اور نہ ہی وہ عربی سے آشنا تھا۔ بھلا ایسا شخص جو فیصلہ دے وہ کہاں تک مناسب اور صحیح فیصلہ ہوگا اس بات کو اشتہاروں کے ذریعے اُچھالنے کی کوشش کی عوام الناس کے ذہنوں سے شکست کا نقش محو ہو جائے لیکن یہ بات قادیانیوں کی شکست کو اور بھی اُبھار گئی کیونکہ اس ساری مہم میں جو موقف اختیار کیا وہ اس قدر بودا اور کمزور تھا جس سے اُن کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری پر خدا عالم برزخ میں رحمت نازل فرمائے انہوں نے جہاں قادیانیوں کو اس تاریخی مباحثے میں شکست فاش دی وہاں انہوں نے ایک جوابی مضمون لکھ کر قادیانیوں کے اس جھوٹے پراپیگنڈہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ ذرا اُنہی کے اپنے قلم سے تحریر شدہ جواب ملاحظہ فرمائیں۔

"حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام صحابی جو یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ بعد قبولِ اسلام عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور یہودیوں کی قوم بڑی بہتان لگانے والی ہے آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ میری نسبت ان کی کیا رائے ہے۔ عبداللہ مکان میں چھپ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلا کر پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسا ہے؟ سب نے کہا خیرنا وابن خیرنا علمنا وابن علمنا (ہم سب میں اچھا اور اچھے کا بیٹا ہم سب میں علم والا اور علم والے کا بیٹا) اتنے میں عبداللہ اندر سے نکل آئے نکلتے ہی کہا لا الٰہ اِلَّا اللہ محمدٌ رسول اللہ۔ یہودیوں نے ذرا شرم نہ کی اور سنتے ہی فوراً کہہ دیا۔ شرّنا وابنِ شرّنا (ہم میں بُرا اور بُرے کا بیٹا)

یہی حال مناظر منشی قاسم علی اور اُن کی پارٹی کا ہے۔ ہم نے کئی ایک معززین کے نام سرپنچی کے لیے پیش کیے جن میں ایک نام سردار بچن سنگھ کا بھی تھا۔ منشی صاحب نے لدھیانوی دوستوں کے مشورے سے سردار صاحب کو دیانت دار سمجھ کر منتخب کیا۔ اپنا سردار بنایا۔ تمام باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دی مگر جب اُنہوں نے واقعات کی بنا پر اُن کے خلافِ منشا فیصلہ دے دیا۔ تو جس منہ سے خیرنا کہا تھا اُسی منہ سے شرّنا کہتے ہوئے ذرا نہ جھجکے۔ دو اشتہار اور ایک اخبار اُن کی طرف سے فیصلہ مباحثہ کے بعد متصل ہی نکلے جن کے مضامین تو کیا عنوان بھی ایسے ناشائستہ الفاظ دلخراش ہیں کہ کسی شریف آدمی کے قلم سے نہیں نکل سکتے۔ ایک اشتہار منشی قاسم علی کے اپنے قلم کا انہی کے نام سے نکلا ہے جس کا نام ہے" لدھیانہ میں سکھا شاہی فیصلہ "کس قدر شرم کی بات ہے کہ ایک شخص کو اپنا سردار بنایا جائے اپنا تمام فیصلہ اُس کے سپرد کیا جائے۔ سیاہ و سفید کا مختار بنایا جائے۔ مگر جب فیصلہ اپنی مرضی کے خلاف ہو

تو اسی اپنے سردار کو اپنے حاکم کو بے نقط سنائی جائیں۔ اس سے زیادہ شرم کا مقام اور کیا ہوگا۔ سردار صاحب نے کسر نفسی سے یہ لکھ دیا کہ میں علم عربی سے ناواقف ہوں۔ اسلامی کتابوں سے بے خبر ہوں وغیرہ۔ جو ایک راست باز کے لیے بالکل موزوں ہے۔ فریق ثانی نے بس اسی کو اپنی سند بنالیا۔ کہ جو شخص ایسا ناواقف ہے اس کا فیصلہ ہی کیا۔ سچ ہے۔

خوئے بد را بہانہ بسیار

مگر اہل دانش کے نزدیک ان کو ایسا کہتے ہوئے بھی خود ہی شرم کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ بوقت انتخاب سرپنچ کے ان کو چاہیئے تھا کہ سردار صاحب کا علم عربی اور کتب تفسیر میں امتحان لے لیتے۔ کیا وہ اپنے ایمان اور دیانت سے کہہ سکتے ہیں کہ سردار صاحب کی سرپنچی بوجہ اس کے تھی کہ وہ عربی زبان کے ایک پروفیسر ہیں یا جامعہ ازہر (مصر) کے محدّث و فقیہہ ہیں؟ نہیں بلکہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ وہ ایک قانون پیشہ اور معاملہ فہم ہیں۔ بحث کے نشیب و فراز کو جاننے والے ہیں۔ چنانچہ میں نے فریق ثانی کو جب رقعہ لکھا:

"ثالث کی بابت میری رائے یہ قرار پائی ہے کہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیئے جو مذہبی خیال کا ہو، الہامی نوشتوں کی اصطلاح سے واقف اور ساتھ ہی اس کے دیانت دار بھی ہو۔ اس لیے میں پادری ویری صاحب کو پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو بھی ان اوصاف کے لحاظ سے یہ تقرر منظور ہوگا۔"

تو اس کے جواب میں منشی قاسم علی نے جو تحریر بھیجی وہ درج ذیل ہے۔

"بجواب آپ کے رقعہ نمبر ۲ مورخہ امروزہ کے گذارش ہے کہ حسب شرط مرقومہ آنجناب (غیر مسلم ثالث ہونا چاہیئے) ہم نے غیر مسلم ثالث جس کو ہمارے خیال میں مقدمات کے سمجھنے اور فریقین کے بیانات کا اندازہ کرکے فیصلہ کرنے کی پوری قابلیت ہے پیش کیا جائے۔ شرط مذکور میں یہ درج نہیں کہ الہامی نوشتوں سے واقف یا ناواقف ہونا چاہیئے بلکہ غیر مسلم کی شرط ہے۔"

ناظرین خدا را انصاف کیجئے میں نے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ کسی ایسے غیر مسلم کو سرپنچ کیجیے جو الہامی نوشتوں کی اصطلاحات سے واقف ہو۔ اس شرط کو ہمارے مخالفین نے کیسی حقارت سے ناپسند کیا۔ اب کیا یہ وصف کہ مقدمات میں فریقین کا بیان سُن کر فیصلہ دے سکیں سردار بچن سنگھ صاحب بی اے گورنمنٹ ایڈووکیٹ میں نہیں ہے؟ نہیں ہے تو آپ نے ان کا انتخاب کیوں کیا تھا۔ کیا سردار صاحب کا نام ہم نے مقرر کیا تھا۔ سنیئے آپ کے ہی رُقعے کے چند فقرات ذیل میں درج ہیں۔ جن میں سردار صاحب کے تقرر کا فیصلہ بھی ملتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"چونکہ ماسٹر نور بخش احمدی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ سردار بچن سنگھ پلیڈر کا تقرر بطور ثالث پسند کرتے ہیں اور ان کا نام آپ کے رقعہ میں نمبر ۵ میں درج کیا گیا ہے سو ہم بھی سردار صاحب کے تقرر پر رضامند ہیں"

اس رقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نے کئی ایک اہلِ علم اور اہلِ دیانت کے نام پیش کیے تھے۔ جن میں سے حسبِ مشورہ میاں نور بخش ٹیلر ماسٹر (جو مرزا صاحب کے راسخ معتقد ہیں) آپ نے سردار بچن سنگھ صاحب کو منظور کیا۔ یہ جو لکھا ہے کہ ماسٹر نور بخش صاحب نے کہا ہے کہ آپ سردار صاحب کو پسند کرتے ہیں اس کی صورت بھی یہی تھی کہ ماسٹر صاحب نے ہمارے سامنے دو تین آدمیوں کے نام لیے جن میں سردار صاحب بھی تھے۔ ہم نے سب کی منظوری بیک زبان دے دی کہ ہمیں سب منظور ہیں مگر ماسٹر صاحب کا رُجحان کسی وجہ سے سردار صاحب کی طرف تھا اس لیے اُنہوں نے آپ کو یہی مشورہ دیا۔ بہرحال آپ سے غلطی ہوئی کہ آپ نے سردار صاحب کا پہلے امتحان نہ لے لیا۔ لیتے بھی کیسے جبکہ آپ خود ہی لکھ چکے تھے کہ ثالث میں صرف اتنی لیاقت ہونی چاہیئے کہ فریقین کی تقریر سُن کر بطریق مقدمات فیصلہ کر سکے۔ بات بھی واقعی یہ ہے کہ قادیانی مباحثہ خصوصاً اس مباحثہ کا فیصلہ عربی دانی یا قرآن دانی پر ہی موقوف نہیں بلکہ واقعات کی تنقیح کرنے پر ہے۔ اچھا ہم پوچھتے ہیں سردار صاحب تو عربی نہیں جانتے۔ مگر آپ کے

مسلّمہ مقبولہ منصف منشی فرزند علی صاحب عربی میں کتنی کچھ قابلیت رکھتے ہیں، ذرا اُن کی ڈگری تو بتلادیں۔ بہرحال بعد منظوری سرپنچ کے نہیں بلکہ اُس کا فیصلہ اپنے خلاف سُننے کے بعد یہ عذر کرنا جو قادیانی فریق نے کیا ہے اور سرپنچ مقرر کردہ کو پہلے اپنا سردار مان کر فیصلہ اپنے حق میں نہ ہونے کے باعث بعد میں اسے بُرا بھلا کہنا اور اُس کو غیر مہذب الفاظ سے یاد کرنا حدیث مرقوم (جس میں حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے پر یہودیوں کا ان کی ہجو کرنا مذکور رہے) کی پوری تصدیق کرتا ہے۔ فریقِ ثانی نے اس قسم کے اور بھی کئی عذر لنگ کئے ہیں، جو اُن کی بے بسی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ان کا یہ کہنا کہ جلسہ میں مباحثہ کے وقت فلاں وکیل یا فلاں پولیس آفیسر جو آیا تو وہ بھی اس لیے آیا کہ سرپنچ پر اثر ڈالے افسوس ہے ان لوگوں کی حالت پر۔ زیادہ افسوس یہ ہے کہ ان کو الہام بھی ہوتا ہے تو بعد از وقت۔ اور پہلے الہام ہوتا تو شرائط میں یہ بھی داخل کرتے کہ جلسہ مباحثہ میں کوئی بھی ذی وجاہت شخص نہ آنے پائے بلکہ جلسہ کیا ہو اچھا خاصا "شہدوں" کا ایک مجمع ہو۔

یہ واقعہ کہ قادیانی مناظر نے سرپنچ کی ذات اور اُن کے فیصلے کی نسبت سخت توہینی فقرات جھاڑے ہیں اس قدر تعجب انگیز نہیں جس قدر یہ تعجب خیز ہے کہ ملک کے عام پریس نے تو اس خبر کو مختصر اور مطوّل نوٹوں کے ساتھ شائع کیا مگر قادیانی پریس اس قدر خاموش رہا کہ معمولی خبر تک شائع نہیں کی بلکہ "چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند" کیا اس خاموشی سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس شکست کی شہرت نہ ہو۔ یا کم سے کم قادیانی اخباروں کے ناظرین تک یہ خبر وحشت اثر نہ پہنچ جائے اس لیے وہ یاد رکھیں کہ وہ اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ ہوں گے۔ رہی قادیان اور قادیان کے خلیفہ صاحب کی گفتگو اور خفگی جو اس بارے میں ہوئی اس کا ہمیں خوب علم ہے ہمیں اس کے اظہار کی ضرورت نہیں وہ جانے اور اُن کے مُرید سے

"محتسب را درونِ خانہ چہ کار"

آٹھواں باب

جہاد اور قادیانیت

- مسئلہ جہاد اور غلام احمد
- افغان حکمران اور قادیانیت
- عبدالرحمان قادیانی کا قتل (۱۹۰۱ء)
- عبداللطیف قادیانی کا رجم (۱۹۰۳ء)
- مُلا عبدالحلیم اور مُلا نور علی کا قتل
- نعمت اللہ قادیانی کا رجم (۱۹۲۴ء)
- ولی داد خان قادیانی کا قتل (۱۹۳۹ء)
- روس میں قادیانی جاسوس

"کون نہیں جانتا کہ قوموں میں مذہبی اختلافات مختلف نبیوں کے ایمان کی بناء پر ہے۔ "خاتم النبیین" کا دعویٰ دراصل "رحمتہ اللعالمین کا ثبوت ہے۔ قومیں نبیوں کے تسلسل سے مزید گروہوں میں تقسیم ہونے سے بچ گئیں۔ جب جغرافیائی حدبندیاں ناقابلِ عبور تھیں، تب مختلف خطوں میں مختلف نبیوں کا آنا سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیکن اب جب مختلف ممالک مسافت کی آسانیوں کے لحاظ سے بُعد میں شہر کے محلّے سے بھی قریب معلوم ہوتے ہیں۔ اور براعظم رسل و رسائل کے لحاظ سے ایک خِطّہ نظر آتے ہیں تو اب نبیوں کا تسلسل قوموں میں بے ضرورت افتراق کا باعث ہی ہو سکتا تھا۔ اس لیے ختمِ نبوّت کا دعویٰ اور حقیقت، خدا کے رحم کا ثبوت ہے اس طرح قومیں مزید گروہوں میں تقسیم ہونے سے بچ گئیں۔"

مفکرِ احرار چوہدری افضل حق رح

مسئلہ جہاد اور مرزا غلام احمد

قادیانیت کے سیاسی پس منظر میں اس تحریک کا تجزیہ کیا جائے تو جو بات واضح طور پر اُبھرتی ہے وہ مرزا غلام احمد کی جہاد دشمنی ہے۔ یوں سمجھیے کہ جہاد کی مخالفت ایک محور ہے جس کے گرد قادیانیت کی ساری تحریک سرگرم کار ہے۔ اگر اس تحریک سے جہاد دشمنی کو نکال دیا جائے تو جہاں قادیانیت کی اسلام دشمنی میں وہ جان باقی نہیں رہتی وہاں خود اس تحریک کی سیاسی اہمیت بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ قادیانیت تحریک کی جہاد دشمنی کو مدنظر رکھ کر علمائے ہند میں سے جن علمائے کرام نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر فرمایا۔ وہ علمائے لدھیانہ تھے جن کی سیاسی بصیرت غلام احمد کو ایک مذہبی لبادے میں انگریز کے سیاسی گماشتے کی حیثیت سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اس خطرناک صورت حال کو بھانپ بھی لیا جو مذہب کے نام پر رونما ہونے والی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فتویٰ کفر پر عامی مسلمان تو ایک طرف رہے خود ہندوستان کے علمائے کرام بھی انگشت بدنداں تھے۔

"درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" کے مصداق قادیانیت کی پہچان اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک جہاد کی حُرمت و اہمیت کو ختم کرنے کی قادیانی کوشش جسے قادیانی شجر کے برگ و بار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کا تفصیلی جائزہ لے کر صورت حال

واضح نہ کر دی جائے کہ جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں نے کس جانفشانی اور منظم جدوجہد سے کام کیا اور کس طرح مرزا غلام احمد نے انگریزی مُہرے کی حیثیت سے نہ صرف اندرونِ ہند بلکہ بیرونِ ہند خصوصاً مُسلم ممالک میں مسلمانوں میں جذبہ جہاد ختم کرنے کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اور قادیانی تحریک کس طرح ان کی آلہ کار بنی۔ اُس وقت تک قادیانیت کی تحریک کا صحیح تجزیہ نامکمل رہتا ہے۔ مسلمان مشاہیر اکثر وہ ہیں جو محض قادیانیت کے سیاسی پہلو کو نقصان دہ تصوّر کرتے ہوئے اُن کے محاسبے کے لیے مستعد ہوئے ورنہ اُن کے نزدیک قادیانیت اپنی مذہبی حیثیت میں قابل نہ تھی کہ اس کا اس شدّت کے ساتھ محاسبہ کیا جاتا۔ کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق اس کا مذہبی محاسبہ نہ بھی ہوتا تو مسلمان رفتہ رفتہ اس تحریک کو خود بخود مسترد کر دیتے۔ اس کا زیادہ تو محض ضرورت اور وقت کے تقاضے کے تحت تھا۔ ورنہ حقیقتاً دیکھا جائے تو اصل کام جو انگریزوں نے مرزا غلام احمد کے سپرد کیا تھا وہ مسلمانوں میں سے جذبہ جہاد ختم کر کے قادیانیوں سے اسلامی ممالک میں انگریزوں کے گماشتے اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام لینا تھا۔ چنانچہ حالات و واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو قادیانیوں نے دونوں کام جہاد کی مخالفت اور بلادِ اسلامیہ میں انگریزوں کی جاسوسی اپنے پیرو کے احکام و عقائد کے مطابق احسن طریقہ پر سرانجام دیئے ہیں جس کی وجہ سے جہاں انگریزوں میں اس جماعت کی عزّت و توقیر میں اضافہ ہوا۔ وہاں ہندوستان اور اسلامی دنیا میں اس جماعت کی مخالفت کرنا اور زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلی ضرورت اس امر کی محسوس کی کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد ختم کیا جائے کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح تجربہ ہو چکا تھا کہ جب تک یہ جذبہ مسلمانوں میں موجود رہے گا وہ چین سے اس ملک پر کاروبارِ سلطنت سرانجام نہ دے سکیں گے۔ انہیں صرف اور صرف مسلمانوں سے خطرہ تھا۔ ایک وجہ تو اس کی یہ تھی کہ سلطنت انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے چھینی تھی اور قلبی مسلمانوں کو ہندوؤں سے سوا تھا اور دوسرے انگریز یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں

ایک ایسا موثر ہتھیار ہے جس کا مقابلہ اُن کی ہمت سے باہر ہے اور وہ ہتھیار " جذبہ
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابیاں حاصل
کے باوجود نہ تو ولولۂ جہاد ختم کر سکے اور نہ ہی مسلمانوں کے دل فتح کر سکے تھے۔
ق کاشمیری اپنی کتاب " تحریکِ ختمِ نبوت" میں ان حالات کا جائزہ کچھ اس طرح پیش
ہیں

" علامہ اقبال کے نزدیک سلطان (ٹیپو) کی شہادت ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا حرفِ آخر اور اُن کے زوال کا وسط تھا۔ ہیسٹنگز، کلائیو کا جانشین تھا۔ اس کے ہاتھوں روہیلوں کی خوفناک تباہی ہوئی اور ۵ لاکھ انسان بے گھر ہوئے۔ ۱۷۹۹ء میں نانا فرنویس، حیدر علی، نظام دکن اور مرہٹہ ریاستوں میں اتحاد ہو گیا۔ حیدر علی نے مدراس پر چڑھائی کی اور انگریزوں کو شکست دی۔ نانا فرنویس نے بمبئی پر حملہ کیا اور جنرل گوڈارڈ کو بھگا دیا۔ اس سے گھبرا کر وارن ہیسٹنگز نے اس اتحاد کو رشوت و ترغیب سے پارہ پارہ کیا۔ آخر ۱۸۰۴ء میں انگریز تاجر ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔ میسور ختم ہو گیا۔ مرہٹہ معدوم ہو گئے۔ حیدر آباد مفلوج ہو گیا اور اودھ کا نصف علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ ۱۸۲۵ء میں ولیم بنٹنگ نے تاج محل کو گرا کر سنگِ مرمر فروخت کرنا چاہا۔ لیکن قلعہ آگرہ کی نیلامی تسلی بخش نہ ہوئی تو باز آ گیا۔ میرانِ سندھ کو مغلوب کیا۔ ان کی بیگمات کا سونا لوٹا۔ ہندوستان سے باہر افغانستان پر چڑھائیاں کیں۔ ۱۸۴۲ء میں جنرل پالک کابل کے پُررونق بازار کو آگ لگا کر واپس آ گیا۔ سرحد میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ (۶۔ مئی ۱۸۳۱ء) کے بعد اپریل ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کی عملداری شروع ہو گئی۔ وہاں معرکہ بالاکوٹ کی فتح یابی کے بعد انگریز حکمران تھے۔ یہ سب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قصرِ رفیع الشان کے تدریجی انہدام و انحطاط کا نقشہ تھا۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گُل ہو گیا مسلمانوں کو جسمانی طور پر مغلوب کیا۔ پھر مختلف معرکوں میں عیاریوں کے بعد

اُن کی حکومت کا ہر نشان مٹا دیا۔ مگر نوعی استبداد کے باوجود مسلمانوں کو
من حیث القوم دماغی طور پر مغلوب یا مفتوح نہ کر سکے۔" (ص ۱۲)

جنگِ پلاسی سے لے کر جنگِ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء تک ایک صدی کا عرصہ
میں انگریزی حکومت کی کامیابیوں کا عرصہ ہے جس میں انگریزوں نے یکے بعد
مسلمانوں کے خلاف جبر و تشدّد اور سازشیں کر کے مسلمانوں کو زیر کرنے کے
جہدِ مسلسل سے کام لیا۔ لیکن مسلمان اپنی ناکامی کے باوجود انگریزی حکومت سے
ڈٹے رہے کیونکہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات جزوِ ایمان کی صورت اختیار کر
کہ انگریز غاصب ہیں اور مسلمانوں کو بزورِ شمشیر مغلوب کرنا چاہتے ہیں اور ا
اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں جو یکجا نہیں رہ سکتیں۔ انہیں غلامی سے نفرت
آزادی سے پیار تھا اور وہ اپنی آزادی کے بقا کے لیے سب کچھ نچھاور کرنے کا
کر چکے تھے۔ مسلمانوں کو اس بات کا شدّت سے احساس تھا ؎

از غلامی دل بمیرد در بدن — از غلامی رُوح گردد بارِ تن
از غلامی ضعفِ پیری در شباب — از غلامی شیرِ غاب افگندہ ناب
از غلامی بزمِ ملّت فرد فرد — این و آں بایں و آں اندر نبرد
از غلامی مردِ حق زنّار بند — از غلامی گوہرش ناارجمند

انگریزوں نے سمجھا کہ پے در پے شکس
سے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد خود بخود ختم ہو جائیگا لیکن انہیں اپنی اس غلط فہمی کا جلد
ہونے لگا تھا۔ اور اس لیے وہ اب اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کے اندر ایک
طبقہ پیدا کیا جائے جو مسلمانوں کو مذہبی طور پر جہاد سے الگ رکھنے کی کوشش
مرزا غلام احمد سے پہلے اس نیک کام کے لیے کئی مسلمان اکابر کو خرید کر اُن کے
سپرد یہ کام کیا گیا لیکن یہ سب لوگ اپنا رنگ نہ جما سکے۔ اور خاطر خواہ نتائج پیدا
سے قاصر رہے۔ انگریزوں نے جذبۂ جہاد کو مسلمانوں کے دل سے نکالنے کے لیے ج
کیا، اُس کا ایک تفصیلی جائزہ شورش کاشمیری نے اپنی کتاب "تحریکِ ختمِ نبوت"

یوں پیش کیا ہے۔

"ادھر زمانہ اس حال میں تھا کہ اشجع شخصیتیں رزمگاہِ شہادت میں قربان ہو رہی تھیں ادھر اُس زمانہ ہی میں نادرۂ روزگار وجود دین کے اُفق پر طلوع ہو رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اس عہدِ انحطاط کا ہی اُجالا تھا سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل اس دَور ہی میں ولولۂ جہاد پیدا کرتے ہوئے بنگال سے سرحد تک گئے تھے۔ المختصر مسلمانوں کا دین اور تہذیبی سرمایہ اس دَور ہی میں اپنی رفعت کو پہنچ رہا تھا لیکن مسلمانوں میں جسمانی عجز وارد ہو چکا تھا اُن کا ذہنی علو معراج پر تھا۔ تمام یگانہ بیگانہ رکاوٹوں کے باوجود مسلمانوں کے ذہن جہاد سے معمور تھے انگریزوں کو ایک سو برس کی تگ و تاز میں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے جہاد حیاتین (وٹامن) کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس سے سرشار ہیں۔ ان میں علماء نے قرآن کی اساس پر ایک ایسی رُوح پھونک دی ہے کہ جہاد کا ہیمہ ان کے شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ جس طرح بعض نظریے انسانی فطرت میں دخیل ہو کر ان کی فطرت بن جاتے ہیں اور انہیں موت کی آخری ہچکی تک علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح جہاد کو مسلمانوں کے جسد سے خارج کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہمہ وجود اس کے شیدائی ہیں۔ انگریزوں کی دُور اندیشی کے نزدیک مسلمانوں کی فطرت کا یہی حصّہ خطرناک تھا وہ کئی واسطوں سے محسوس کرتے تھے کہ اپنے بہیمانہ تشدد سے انہوں نے مسلمانوں کو ضرور دبالیا ہے اور وہ لاچار ہو کر سپر انداز ہو گئے ہیں لیکن ان میں دو چار فی صد غدار پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ کچھ فی صد لاچار بھی نکل آئیں گے لیکن قلبی وفادار پیدا کرنا ناممکن ہے۔

انگریزوں نے سلطنت کی فتح یابی کے بعد مسلمانوں کی ملی وحدت میں شگاف پر شگاف پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ اپنے ہمنوا علماء کی ایک جماعت اٹھائی۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ اور مجاہدین کا زور توڑنے کے لیے

انہیں وہابی قرار دیا۔ تاکہ ان پڑھ مسلمانوں کے ذہنی تنفّر سے فایدہ اُٹھا سکیں۔ انہیں دنوں حجاز میں ترک اپنے مخالفوں کو اس الزام سے مارتے اور کچلتے تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں اس سے کما حقہٗ فایدہ اٹھانا چاہا۔ لیکن جماعتِ مجاہدین کو زیر کرنا یا اس کے ہمہ گیر اثرات کو توڑنا سخت دشوار تھا۔ جہاد ایک ناقابلِ تسخیر جذبہ تھا۔ انگریزوں کو شمال مغربی سرحد سے جو خدشہ تھا وہ جماعتِ مجاہدین کی بدولت ان کی سلطنت کے لیے کئی حادثوں کا سبب ہوسکتا تھا۔ اور اب وہ اسی غرض سے جہاد کا قلع قمع چاہتے تھے۔ غرض ان کے سامنے ہندوستان میں برطانوی عملداری کو استحکام دینے کے لیے چار سوال تھے :۔

(۱) ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی درازیٔ عمر اور سیاسی استحکام اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک مسلمانوں میں رُوحِ جہاد کار فرما ہے

(۲) مُسلمانوں اور ہندؤوں میں مغایرت و منافرت کیونکر پیدا کی جاسکتی ہے اب تک عقیدوں کی ضد کے باوجود اُن کے ذہنوں میں تصادم نہیں تھا دونوں مذہبی بُعد کے باوجود انگریزوں سے متحد ہوکر لڑتے تھے اور تب سوال صرف مسلمانوں کی بادشاہت کا تھا۔

(۳) اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر رکیک حملوں کا محاذ کھولا جائے اس طرح مُسلمان جہاد سے رُوگردان ہوکر مدافعت کے محاذ پر آجائیں گے۔ مجادلہ کی جگہ مناظرہ لے گا۔ جہاد کا خدشہ مٹے گا۔ مسلمانوں کی کایا کلپ ہوگی نتیجۃً برطانوی سلطنت کے استحکام کی راہیں ہموار ہوں گی۔

(۴) مسلمانوں میں نئے اور پُرانے فرقوں کی معرفت متحارب و متصادم عقاید پیدا کیے جائیں جن سے ان کی ملی وحدت پراگندہ ہوجائے اور وہ باہمی نفاق کی مخلوق ہوں۔

انگریز ہر چہار سوالوں کا جواب پیدا کرنے میں کامیاب رہا۔ اُس نے

بعض مراحل گذر جانے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو پہلی جنگِ عظیم کے آغاز تک اس قدر لاغر کر دیا کہ مسلمان نظر بہ ظاہر مسلمان ہی تھے۔ لیکن ان کی اکثریت بمین و یسار کے تذبذب کا شکار ہو کر غلامی پہ قانع ہو گئی۔ ہندوؤں نے آزادی کا سفر شروع کیا تو مسلمان اس سے بدظن تھے جس قوم کے نصب العین کا تسلسل جہاد پر تھا اُس نے انگریزوں کی خاطر، خلافتِ عثمانیہ کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیکر عربوں اور ترکوں کے خلاف جہاد کیا۔

انگریزوں کی پریشانی کا اندازہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" OUR INDIAN MUSALMANS سے ہو سکتا ہے۔
اُس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کا تصوّر ان کی سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے انگریزوں نے ایک طویل استبداد کے بعد یہ محسوس کیا کہ بہیمانہ تشدّد اجتماعی ہو یا انفرادی مسلمانوں سے اس جذبہ کو محو نہیں کر سکتا تو اُنہوں نے جہاد کے خلاف مباحث پیدا کر کے علماء سے فتوے حاصل کرنا شروع کیے اور کلام اللہ کی تفسیروں کا مزاج بدلوانا چاہا۔ ڈاکٹر ہنٹر کی محوّلہ کتاب سے اُن علماء و فضلاء کا پتہ چلتا ہے جو اس وقت تنسیخِ جہاد کا فتویٰ دے رہے تھے۔ کتاب کے آخر میں مکہ معظمہ کے حنفی، شافعی اور مالکی مفتیوں کا فتویٰ درج ہے، جو ان سے حاصل کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں شدّ و مد سے تقسیم کیا گیا۔ استفتاء تھا کہ ہندوستان کے عیسائی حکمران اسلام کے تمام احکام مثلاً صوم وصلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ میں مداخلت نہیں کرتے تو کیا ہندوستان دارالاسلام ہے کہ نہیں؟

ہر سہ مفتیوں نے ہندوستان کو دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا۔ اور لکھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں اور جہاد دارالحرب میں جائز ہے۔ ہنٹر نے اس فتوے کو عیاری قرار دیا اور اس سے بھی جہاد کے معنی پیدا کیے۔ ایک دوسرا

استفسار بھاگل پور میں کمشنر کے پرسنل اسسٹنٹ سید امیر حسین کی طرف سے تھا اس کا جواب ۱۷ جولائی ۱۸۷۰ء کو شمالی ہند کے نو ۹ علماء کی طرف سے تھا ان علماء میں سے سات ۷ لکھنوی اور دو ۲ رامپوری تھے۔ انہوں نے لکھا کہ اس ملک میں جہاد واجب نہیں۔ ایک پخ یہ بھی لگائی کہ جہاد کیا جائے تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔ جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام تھا اور جہاد واجب نہیں تھا۔ ان کی مخالفت کرتے ہوئے محمڈن سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے مولوی کرامت علی نے لکھا کہ اگر کوئی شخص دارالاسلام کے مفروضہ پر انگریز حکمرانوں سے جنگ کرتا ہے تو مسلمان عوام اپنے حکمرانوں کا ساتھ دینے کے شرعاً پابند ہیں۔ انہی دنوں سرکاری مسلمانوں نے کلکتہ میں ایک جلسہ کیا۔ مولوی کرامت علی جونپوری، شیخ احمد آفندی انصاری مولوی عبدالحکیم اور خان بہادر مولوی عبداللطیف نے جہاد کے خلاف تقاریر کیں۔ شیخ آفندی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا کہ آپ مدینہ منورہ کے معزز شہری اور حضرت ابو ایوب انصاری کی اولاد میں سے ہیں۔ آفندی نے اس شرف کے تحت انگریزوں کی وفاداری پر زور دیا: اور جہاد سے پرہیز کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے شیخ احمد آفندی کی مذکورہ تقریر اپنی کتاب کے حاشیہ میں من وعن درج کی۔ اور اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔"

آغا شورش کاشمیری کی "تحریک ختم نبوت" کے اس طویل اقتباس سے صورت واضح ہو جاتی ہے کہ انگریز مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے کس قدر خائف تھے۔ انہوں نے کس حد تک کوشش کی کہ مسلمانوں سے اس جذبہ کو ختم کر کے آرام حکومت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ جب اپنے مشن میں نہ ہو سکے تو اس نتیجے پر پہنچے کہ جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پلیٹ فارم سے اس کی تنسیخ کا اعلان ہو، اور وہ فرد جو یہ اعلان کرے خو

لبادہ اوڑھ کر آئے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کی آواز اس کی اپنی نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے خود خداوند تعالیٰ کی رہنمائی ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں وہ ایسے مقام پر ہو کہ جہاں تک رسائی حاصل نہ کر سکتا ہو۔ تصوّف و تقدّس کے میدان میں اس کی حیثیت انتہائی اہم اس لیے ضروری تھا کہ ایسے آدمی سے مجدد۔ مہدی، مثیل مسیح، مسیح موعود اور پھر خدا ہونے کا دعویٰ کرایا جائے۔ چنانچہ اس سوچی سمجھی سکیم پر عمل پیرا ہونے کے لیے مرزا صاحب کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جو خاندانی اعتبار سے ایسی شخصیت تھے جن پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ پھر اگر جہاد کا مسئلہ ہندوستان کے مسلمانوں تک ہی محدود رہتا تو شاید جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے اس قدر کوشش نہ کی جاتی۔ لیکن صورت حال یہ تھی کہ بلادِ اسلامیہ کے اندر جہاں کہیں بھی مسلمان انگریزی پنجۂ استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے جذبۂ جہاد سے ہی سرشار تھے اور ہر جگہ انگریزوں کے لیے مسلمانوں کو قابو کرنا ایک پیچیدہ مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ حیران تھے کہ اس جذبۂ جہاد سے کیونکر نجات حاصل کی جائے۔ کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ اس صورتِ حال کو قابو میں لایا جا سکے۔ افغانستان۔ ترکی۔ مصر۔ سوڈان، خاص طور پر ایسے ممالک تھے جہاں انہیں مسلمانوں کے جذبۂ جہاد نے پریشان کر رکھا تھا۔ صرف مہدی سوڈانی کے حالات اور جنگی کارناموں کے واقعات ہمارے اس موقف کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ایک فرد کو قابو میں رکھنے کے لیے انگریزوں کو کتنی بڑی عسکری طاقت میدانِ جنگ میں جھونکنا پڑی۔ اور کس قدر تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ افغانستان کے اندر بھی ایک مدت تک یہی صورت رہی۔ ترکی اور مصر میں بھی مسلمانوں نے انگریزوں کے لیے مشکلات پیدا کیں۔

بلادِ اسلامیہ میں مسلمانوں نے انگریزوں کے لیے جو صورتِ حال پیدا کر رکھی تھی اُس کی ایک ہلکی سی جھلک مجلس احرارِ اسلام کے اس تحریری بیان میں موجود ہے جو منیر انکوائری کمیشن اور صمدانی کمیشن کے سامنے قادیانیوں کی مخالفت میں پیش کیا گیا۔

"جنگ آزادی میں شکست ہو جانے کے بعد ہندوستان اور سرحدی علاقوں کے مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے خلاف کارروائی جاری رکھی ہوئی تھی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مجاہدین جن کو حکومتِ وقت "وہابی" کا نام دیتی تھی۔ سرحد

کی طرف جاکر وہاں کے لوگوں سے مل کر انگریزی حکومت کے اقدام کو روکتے تھے جہاد کے نام سے۔ جنگیں لڑتے تھے۔ اس کا مختصر تذکرہ فریزر (R.W. FRAZER) کی کتاب برٹش انڈیا کے ۱۹۰۸ء کے ایڈیشن کے صفحہ ۳۱۸ ۳۱۹ پر ہے (حوالہ کے لیے کتاب بطور ضمیمہ بیان کے ساتھ شامل ہے۔)

۱۔ **افغانستان** کے بارے میں "فریزر" نے روسی اور انگریزی رقابت اور افغانستان کی اندرونی اور بیرونی کشمکش کا ایک مختصر خاکہ اس کتاب کے صفحہ ۳۲۵ سے ۳۲۸ تک دیا ہے جو درج ضمیمہ ہے۔ پھر صفحہ ۳۳۱ پر روسی اقدام کے سلسلے میں تذکرہ کیا ہے اور امیر علی کے انگریزی حکومت سے کشیدہ تعلقات کا نقشہ درج کر دیا گیا ہے۔ جو صفحہ ۳۳۲ پر بھی جاتا ہے اور انگریزی حکمتِ عملی بیان کی گئی ہے۔

صفحہ ۳۳۳ سے پھر افغانستان کی کہانی شروع ہوتی ہے جو بعد کے صفحات میں باہمی کشمکش اور جنگ و جدل کا نقشہ کھینچتی ہے اور صفحہ ۳۴۳ تک جاتی ہے۔ اس کہانی سے ظاہر ہے کہ افغانستان کے لوگ کابل میں انگریزی سفیر کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے اور انگریزی حکمت عملی کے لحاظ سے افغانستان پر قبضہ کرنے کے لیے پہلا قدم سمجھتے تھے۔ انگریزوں نے کوئٹہ اور دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

انگریزوں نے کابل میں بھی زبردستی سفارت خانہ قائم کر کے فوجیں آگے بڑھائیں اور ۳۰ نومبر ۱۸۷۸ء کو افغانستان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ امیر شیر علی شکست کھا کر بھاگ گیا اور ۲۱ فروری ۱۸۷۹ء کو بلخ میں فوت ہو گیا۔ ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء کو معاہدہ گنڈمک کی رُو سے شیر علی کے بیٹے یعقوب خان کو امیر افغانستان تسلیم کیا گیا۔ افغانستان کی خارجہ حکمت عملی برطانیہ کے ماتحت تسلیم کی گئی اور کرم۔ پشین اور سبی کے اضلاع انگریزوں کے حوالے کیے گئے۔ ۲۴ جولائی ۱۸۷۹ء کو انگریزی افسر "بالا حصار" میں داخل ہو گئے۔

۲ر ستمبر تک امن و امان رہا مگر ۳ر ستمبر کو مخالفت کا طوفان امڈ آیا اور انگریزی گائیڈز پر گھیرا ڈال لیا گیا وہ سب لڑتے لڑتے قتل ہو گئے۔ میجر جنرل رابرٹسن پھر فوج لے کر بڑھا اور ۲ر اکتوبر کو امیر یعقوب خان نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۶ر اکتوبر کو افغانی فوجوں کے کثیر حصے کو شکست دی۔ اور پھر ملک پر قبضہ جمایا گیا مگر دسمبر میں پھر قبائل ہر طرف سے امڈنے لگے اور انہوں نے انگریزی فوج کو گھیر لیا۔ انگریزوں نے کمک بھیجی۔ افغان لشکروں کو کامیابی نہ ہو سکی مگر انگریزوں نے امیر دوست محمد کے بیٹے امیر عبدالرحمٰن کو افغانستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا لیکن اس کو ملک پر مسلط کرنے سے پہلے امیر ایوب خان برادر امیر یعقوب خان کو شکست دینا ضروری تھا کیونکہ وہ انگریزوں کی کچھ فوج کو شکست دے کر قندھار پر قبضہ کر چکا تھا۔ یہ واقعہ جولائی ۱۸۷۹ء کا ہے۔ الغرض یکم ستمبر ۱۸۸۰ء کو ایوب خان کو شکست ہوئی اور فتح کے باوجود انگریزوں کو افغانستان سے اپنی فوجیں واپس لانا پڑیں۔ ۸۱-۱۸۸۰ء میں یہ فوجیں واپس ہوئیں۔ یکم اپریل ۱۸۸۱ء کو قندھار خالی کیا گیا اور ملک امیر عبدالرحمٰن کے حوالے ہوا۔ افغانستان میں برسوں کی اس کش مکش میں انگریز افغانوں کے جذبۂ جہاد سے دوچار ہو چکا تھا۔

۲۔ ترکی:۔ اس زمانے میں روسی اور انگریزی سیاست ترکی میں بھی اپنا کام کر رہی تھی۔ ۱۸۷۶ء میں بلغاریہ میں فسادات کرائے گئے اور انگلستان میں ان کے فرد کیے جانے میں ظلم و جور کے بہانے سے ترکی حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کیا گیا اس کا تذکرہ "جان مارلے" کی کتاب "سوانح گلیڈسٹون" کی جلد دوئم کے صفحہ ۴۹ ۵ ۵۰ - میں ہے۔ گلیڈسٹون کے اپنے الفاظ دیئے گئے ہیں (ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں) کتاب بطور ضمیمہ لف بیان ہے۔

اس پراپیگنڈہ نے ترکی میں انگریزوں کے خلاف اثر پیدا کیا۔ لیکن سب سے زیادہ خلش اس وقت پیدا ہوئی جب روس نے ترکی پر اپریل ۱۸۷۷ء میں حملہ کر دیا۔ ۱۸۷۸ء تک لڑائی ہوتی رہی۔ ترکوں کو شکست ہوئی "ادرنہ" پر روسی

قبضہ ہو گیا" سان سٹیفانو" کے مقام پر مارچ ۱۸۷۸ء کے شروع میں روس اور ترکی کے درمیان صلح نامہ طے ہوا۔ انگریزوں نے ایک طرف روس سے خفیہ معاہدہ کر لیا کہ وہ معاہدہ" سٹیفانو" کی تائید کریں گے سوائے اس کے کہ بلغاریہ کا جنوبی علاقہ شمال سے علیحدہ کر لیا جائے اور دوسری طرف انہوں نے ترکی سے خفیہ معاہدہ کر لیا کہ وہ قبرص پر قبضہ کر لیں گے اور اس کے عوض میں ایشیائی ترکی کی حفاظت میں روس کے خلاف مدد دیں گے۔ ان دونوں خفیہ معاہدوں کے ظاہر ہو جانے پر روس اور ترکی میں جو جذبہ پیدا ہونا چاہیئے تھا اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

اس شکست سے انگریزوں نے تو مفت میں قبرص پر قبضہ کر لیا اور ایشیائی ترکی پر اپنی قیادت قائم کر لی۔ روس کو" بلیسر بیا" کا علاقہ ملا۔ رومانیہ۔ سرویا اور مونٹی نیگرو۔ آزاد ہو گئے۔ شمالی بلغاریہ عملاً آزاد ہو گیا۔ جنوبی بلغاریہ کو مقامی خود مختاری حاصل ہوئی۔ بوسنیا اور ہرزہ گوئیا۔ آسٹریا کو مل گئے۔ یہ کہانی" مارلے" کی کتاب کی جلد دوم کے صفحات ۵۷۲ تا ۵۷۷ میں ہے (ملاحظہ ہو ضمیمہ)

۳۔ مصر:۔ مصر میں خدیو کی حکومت کے خلاف فوج نے جنوری ۱۸۸۱ء میں بغاوت کر دی، خدیو شکست کھاتا گیا۔ انگریزوں اور فرانس نے مداخلت کے بارے میں مشورے کیئے۔ انگریز آہستہ آہستہ مداخلت سے بچتے بچتے تنہا دخیل ہوئے۔" عربی پاشا" جو خدیو کو شکست دے چکا تھا۔ اس کے خلاف جنگ کر کے مصر پر قبضہ کیا گیا۔ ترکوں نے مصر میں انگریزوں کے کہنے سے فوج نہ بھیجی۔ وہ" سان سٹیفانو" کا تجربہ کر چکے تھے۔ اور قبرص کھو چکے تھے۔ اس لیے انگریزوں نے اپنی ہی فوجیں بھیجیں۔ مصریوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ اور شکست کھا گئے۔ یہ کہانی" مارلے" کی کتاب کی جلد سوئم صفحہ ۷۲ اور اس کے بعد کے صفحوں پر درج ہے۔ صفحہ ۱۱۹ تک

۴۔ سوڈان۔ مصر کے بعد سوڈان کی باری آئی۔ جہاں انگریزوں نے اپنے قدم بڑھائے۔ ۱۸۸۱ء میں سوڈان کے ایک سرکردہ شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس نے مصری اقتدار کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اس نے سوڈان کے بیشتر حصے پر قبضہ

کرلیا۔ ۱۸۸۳ء کے موسم بہار میں مصری حکومت نے (جو انگریزوں کے ماتحت آچکی تھی) جنرل ہکس کو خرطوم سے بھیجا تاکہ وہ سوڈان کے دُور دراز علاقوں کو مسخر کرے۔ ابتدائی پیش قدمیوں سے غلط فہمی میں پڑکر حکومت اور جنرل آگے بڑھنے جانے کے حق میں ہوئے اور "جنرل ہکس" آگے بڑھتا گیا۔ مگر ۵ نومبر ۱۸۸۳ء کو تمام لشکر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور مہدی کے درویش شمال کی طرف بڑھے اور مصری اقتدار (جو اب انگریزوں کے ہاتھ تھا) کا خاتمہ ہوگیا۔ انگریزی حکومت نے فیصلہ کیا کہ سوڈان کو خالی کردیا جائے "جنرل گارڈن" کو اس غرض کے لیے بھیجا گیا مگر موقع پر جاکر اس نے ملک میں آگے جانے کا فیصلہ کیا۔ اور ملک خالی کرنے کی حکمت عملی کو بالکل اُلٹ دیا۔

الغرض جھگڑا بڑھتا گیا۔ لیکن سوڈان میں یہ خبر نکل گئی۔ کہ "گارڈن" اور مصری حکومت ملک سے فوجیں نکال رہے ہیں۔ اس لیے خرطوم کے گرد قبائل بھی مہدی سے مل گئے اور "جنرل گارڈن" خرطوم میں ہی نرغے میں آگیا۔ انگریزی حکومت نے اسے نکالنے کے لیے فوجیں بھیجیں مگر ان کے پہنچنے سے دو تین روز پہلے ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو "جنرل گارڈن" کی فوج کا خاتمہ ہوچکا تھا اور جنرل گارڈن بھی قتل ہوچکا تھا۔ یہ کہانی "مارلے" کی کتاب کی جلد سوئم کے صفحات ۱۴۴ الغایت ۱۶۶ میں درج ہے۔

۵۔ دیگر ممالک :۔ اسی زمانے میں عدن، بحرین وغیرہ کے علاقوں میں برطانیہ کی فوج قبضہ کرچکی تھیں اور مسلمانوں میں ایک ہیجان تھا اور ہر ملک کے مسلمانوں کے دلوں میں استخلاص وطن کے لیے جہاد کی تڑپ تھی۔"

آگے چل کر مجلس احرار اسلام کی طرف سے پیش کیے جانے والے اس تحریری بیان (جو ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے) میں درج ہے۔

" یہ ماحول تھا جب مرزا غلام احمد نے "براہین احمدیہ" کے پہلے چار اجزاء شائع کیے اور اپنے دعاوی چھپتے چھپاتے پیش کیے۔ اس ماحول کا تذکرہ ہمارے

ذہنوں کی اختراع نہیں بلکہ یہ ماحول وہ حقیقی شے ہے جس کے وجود کے ذریعے چالیس[۱] برس بعد ۱۹۲۱ء میں اُمّتِ مرزائیہ نے ہزایکسی لینسی لارڈ ریڈنگ کے سامنے ایڈریس پیش کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں اپنے بانی سلسلہ کی خدمات جتائیں :۔

"جناب عالی! دنیا کی اس مذہبی خدمت کے ذکر کرنے کا یہ موقعہ نہیں جو ہمارے سلسلے کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے کی ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ جناب اس خدمت کو معلوم کر کے خوش ہوں گے جو انہوں نے دنیا میں امن کے قیام کے لیے کی ہے۔ جس وقت آپ نے دعویٰ کیا ہے اس وقت تمام عالم اسلامی جہاد کے خیالات سے گونج رہا تھا اور عالم اسلامی کی ایسی حالت تھی کہ پٹرول کے پیپے کی طرح بھڑکنے کے لیے صرف ایک دیا سلائی کا محتاج تھا۔ مگر بانی سلسلہ نے اس خیال کی لغویت، اور خلافِ اسلام اور خلافِ امن ہونے کے خلاف اس قدر زور سے تحریک شروع کی کہ ابھی چند سال نہیں گذرے تھے کہ گورنمنٹ کو اپنے دل میں اقرار کرنا پڑا کہ وہ سلسلہ جسے وہ امن کے لیے خطرے کا موجب خیال کر رہی تھی اس کے لیے ایک غیر معمولی اعانت کا موجب تھا۔"

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت جناب ہزایکسی لینسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند مندرجہ اخبار الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۱ء)

اب آیئے ان تحریروں کی جانب جو مرزا صاحب نے اپنی قلم سے جہاد کے خلاف تحریر کر کے انگریزوں کے مشن کی تکمیل کے لیے پیش کیں اور جن کی نشرو اشاعت ایک پلان اور منصوبے کے تحت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں کی گئی۔ تاکہ وہ مقصد حاصل ہو جس کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا۔

---

[۱] بیان مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان بابت تحقیقات واقعہ ربوہ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء بحضور مسٹر جسٹس کے۔ ایم اے صمدانی صفحہ ۵-۶-۷

۱

"میں ایک گوشہ نشین آدمی تھا جس کی دنیوی طریق پر زندگی نہیں تھی ورنہ اس کے کامل اسباب مہیّا تھے۔ تاہم میں نے برابر سولہ[16] برس یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا ہے کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی طرف ترغیب دوں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لیے اپنی ہر ایک تالیف میں لکھنا شروع کیا (مثلاً دیکھو براہینِ احمدیہ، شہادۃ القرآن، سُرمہ چشم آریہ، آئینہ کمالاتِ اسلام۔ حمامۃ البشریٰ وغیرہ) کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد دُرست نہیں۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ بار بار اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے اس لیے مسلمانانِ ہند پر لازم ہے کہ نہ صرف اتنا ہی کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل بد ارادوں سے رُکیں بلکہ اپنی سچی شکر گذاری اور ہمدردی کے نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلادیں۔"

(۲)

"دُوسرا امر قابلِ گذارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت جو قریباً ساٹھ برس کی عمر کو پہنچا ہوں۔ اپنی زبان اور قلم سے اس کام میں مشغول ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ برطانیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دُور کردوں۔ جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہُوا ہے اور لاکھوں

لہ اشتہار لائقِ توجہ گورنمنٹ جو جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے لیے شائع کیا گیا۔ منجانب خاکسار غلام احمد قادیانی مورخہ ۱۰ ار ۹۴ ۱۸ ء مندرجہ تبلیغِ رسالت جلد سوئم صـ ۱۹۳ مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی (منقول از قادیانی مذہب صـ ۵۲۳ مصنفہ پروفیسر الیاس برنی)

انسانوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔

اور میں نے نہ صرف اس قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی اطاعت کی طرف جھکایا۔ بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالکِ اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیونکر امن وامان آرام اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایسی کتابوں کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا گیا۔ مگر بایں ہمہ میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ ان متواتر خدمات کا اپنے حکّام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ میں نے کسی صلہ یا انعام کی خاطر سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا[1]۔"

(۳)

"میری عمر کا اکثر حصّہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے اور میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر لکھا ہے کہ کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالکِ عرب مصر، شام۔ کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں[2]۔"

۱؎ درخواست بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہٗ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صہ۱ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی صفحہ ۵۲۴

۲؎ تریاق القلوب صفحہ ۱۵ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۵۲۴

(۴)

"میرا اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں مع اسماء مریدین روانہ کرتا ہوں مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اخلاص اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لیے کی ہے عنایت خاص کا مستحق ہوں۔ صرف یہ التماس ہے کہ سرکارِ مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جان نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکارِ انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہائے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گذشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی پوری عنایت اور خصوصی توجہ کی درخواست کریں تا کہ ہر شخص بے وجہ ہماری آبرو ریزی کے لیے دلیری نہ کر سکے۔[1]"

(۵)

"والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد یہ عاجز (یعنی مرزا صاحب) دُنیا کے شغلوں سے بکلی علیحدہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مشغول ہُوا اور مجھ سے سرکار

---

[1] درخواست بحضور لفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی۔ منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی صفحہ ۵۸۵-۵۸۴

انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گذار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اُردو، فارسی، عربی میں تالیف کرکے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور رُوم کے پایۂ سلطنت قسطنطنیہ اور بلادِ شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی گئی ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے اُن کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھا نہیں سکا اور میں اس قدر خدمت کر کے جو بائیس برس تک کرتا رہا ہوں۔ اس محسن گورنمنٹ پر کچھ احسان نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ اس بابرکت گورنمنٹ کے آنے سے ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے ایک لوہے کے جلتے ہوئے تنور سے نجات پائی اس لیے میں مع اپنے تمام عزیزوں کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہوں کہ یا الٰہی اس مبارکہ قیصرۂ ہند دام ملکہا کو دیر گاہ تک ہمارے سروں پر سلامت رکھ۔ اور اس کے ہر ایک قدم کے ساتھ اپنی مدد کا سایہ شامل فرما اور اس کے اقبال کے دن بہت لمبے کر۔[1]

یہاں پر ان پانچ اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ انگریزی حکومت کی

---

[1] ستارہ قیصرہ صفحہ ۳-۴ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی

عت، اور جہاد کے خلاف مرزا صاحب نے اتنا لکھا ہے کہ بقول اُن کے پچاس الماریاں بھرتی
۔ یہاں مقصد نمونے کی چند تحریریں پیش کر کے یہ ثابت کرنا ہے کہ مرزا صاحب نے انگریزوں
اس کام کو کس خلوص اور محنت سے سرانجام دیا۔ یہ بات مرزا صاحب تک ہی محدود نہیں
بعد میں آنے والے اُن کے جانشینوں خصوصاً مرزا بشیر الدین نے بھی سب سے زیادہ توجہ
لمانوں میں انگریزی اطاعت کے بیج بونے، جہاد منسوخ کرنے اور بلادِ اسلامیہ میں انگریزی
طوت و شوکت کی دھاک بٹھانے پر دی ہے۔ اس کام میں اگر قادیانیوں کو سخت مراحل
ے بھی گذرنا پڑا۔ تو وہ بڑی خندہ پیشانی سے گذرے۔ بعض اوقات ان کے ساتھیوں کو
ن کام میں جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے لیکن انگریزی گماشتے اور ایجنٹ کی حیثیت سے
ن کے پلائے ثبات میں ارتعاش پیدا نہ ہوا ۔کتاب کا نفسِ مضمون اس بات کا اگر متحمل
نا تو قارئین کے سامنے خود قادیانی لٹریچر سے اُن کارناموں کو پیش کر کے ثابت کیا جاتا
انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کے لیے مرزا غلام احمد کے عقائد کی روشنی میں قادیانیوں
ے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ افغانستان کے اندر مولوی عبدالرحمان اور قاضی
بدالطیف کیوں سنگسار کیے گئے۔ مُلا عبدالحلیم اور مُلّا نور علی کو کابل کی حکومت نے کس
رم کی پاداش میں سزائے موت دی۔ محمد امین اور ظہور حسین قادیانی کو روس کے اندر کس
جُرم کی پاداش میں گرفتار کیا گیا تھا۔ نعمت اللہ قادیانی کو افغانستان میں کس کام کی انجام دہی
کے لیے مامور کیا گیا۔ مصطفےٰ کمال پاشا جو انگریزی استبداد کے خلاف برسرِ پیکار تھے انہیں
قتل کرنے کے لیے ایک قادیانی مصطفیٰ صغیر کو کیوں مقرر کیا گیا۔ مرزا محمود کا رشتہ دار
ولی اللہ زین العابدین کون تھا اور عرب ممالک اور ترکی کے اندر کن خدمات پر مامور
رہا۔ میجر حبیب اللہ شاہ قادیانی کو عراق کی فتح کے بعد بغداد کا عارضی گورنر کن خدمات
کی وجہ سے مقرر کیا گیا[1] اور یہ سب کچھ قادیانی تحریک کے سیاسی ثمرات ہیں۔ جس کے لیے
اس کی نیو اٹھائی گئی۔ اس کی نگہداشت کے خصوصی اقدام کیئے گئے۔ اور اس تحریک کے

---

[1] تفصیلات کے لیے آغا شورش کاشمیری کی کتاب "تحریک ختم نبوت" کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کیجیے

برگ و بار کو خصوصی مقاصد کے لیے بلادِ اسلامیہ میں پھیلایا گیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "قادیانیت" میں اسلام سے غدّاری کی اس داستان کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان تعلیمات اور اس عقیدہ اور تبلیغ کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی حکومت کی وفاداری اور اخلاص اور اس کی خدمت کا جذبہ قادیانی جماعت کے ذہن اور اس کی سیرت و اخلاق کا ایک جزو بن گیا اور انگریزی حکومت کو اس جماعت میں ایسے مخلص خادم اور ایسے مستعد رضا کار ہاتھ آئے جنہوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر حکومت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اس کی خاطر اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ افغانستان میں عبداللطیف قادیانیت کا ایک پُرجوش داعی تھا جو جہاد کی برملا تردید کرتا تھا۔ وہ افغان قوم کے اس جذبۂ جہاد کو فنا کرنے کے درپے تھا جس نے کبھی اس ملک میں کسی غیر مسلم فاتح یا حکمران کے قدم جمنے نہیں دیئے اور جو انگریزی حکومت کو ہمیشہ پریشان کرتا رہا ہے۔ اسی بناء پر حکومت افغانستان نے اس کو قتل کر دیا۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے خود اس کا ایک اطالوی مصنّف کی کتاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

"وہ اطالوی مصنّف لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومتِ افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبۂ حریت کمزور پڑ جائے گا اور اس پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائیگا۔"

(الفضل مورخہ ۶ اگست ۱۹۲۵ء)

اسی خطبے میں وہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور جہاد کے باب میں جماعتِ احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی

اعتراض نہ تھا مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے جو انہیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا اور وہ اسی ہمدردی کی وجہ سے مستحق سزا ہو گئے جو قادیان سے لے کر اُٹھے تھے۔" (الفضل مورخہ ۶ اگست ۱۹۲۵ء)

اسی طرح مُلّا عبدالحلیم و مُلّا نور علی قادیانی کے پاس سے ایسی دستاویزیں اور خطوط برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ افغانی حکومت کے غدار اور انگریزی حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس ہیں۔

اخبار الفضل نے افغانی اخبار "امان افغان" کے حوالے سے اس اِطلاع کو فخریہ شائع کیا۔ وہ لکھتا ہے :۔

" افغان گورنمنٹ کے وزیرِ داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے :۔ کابل کے دو اشخاص مُلّا عبدالحلیم چہار آسیائی اور مُلّا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ جمہور نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنجشنبہ ۱۱ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔" (الفضل مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنے اس سپاسنامے میں جو ۱۹ جنوری ۱۹۲۲ء کو "پرنس آف ویلز" کو پیش کیا تھا ان واقعات کا فخریہ ذکر کیا اور ظاہر کیا کہ یہ سب قربانیاں انگریزی حکومت کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا نتیجہ ہیں۔

بجرمِ عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

مرزا صاحب حکومتِ برطانیہ کا اقبال اور اس کی وسعت و استحکام دیکھ کر

یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو کبھی زوال نہیں آئے گا ان کے نزدیک اس سے وفاداری کا اظہار اس کی قسمت سے اپنی قسمت کو وابستہ کر دینا ایک بڑی سیاسی دُوربینی اور اعلیٰ درجہ کی تدبّر کی بات تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دینی فراست اور سیاسی بصارت دونوں سے محروم ہو اس کا یہی فیصلہ اور اندازہ ہوگا۔ اس کے علم و ادراک پر یہ بات بالکل مخفی رہی کہ ان کے انتقال پر نصف صدی نہ گذرنے پائے گی کہ یہ غیر متزلزل انگریزی حکومت جس کو وہ "سایہ الٰہ" اور "دولتِ دین پناہ" سمجھتے تھے، ہندوستان سے اس طرح کوچ کر جائے گی کہ جیسے کبھی یہاں اس کا وجود نہ تھا اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دُنیا میں اس کا ستارۂ اقبال غروب ہوجائیگا۔

مرزا صاحب نے اس غیر اسلامی اور مخالفِ اسلام حکومت سے جس طرح اپنی نیازمندی کا اظہار کیا ہے اور جس جوش کے ساتھ مسلمانوں کو محکومی اور غلامی کی زندگی کو نعمت سمجھنے کی تلقین کی ہے اس کو اس منصب و مقام سے کچھ مناسبت نہیں جس کے وہ مدعی ہیں۔

اقبال مرحوم نے اسی البوالعجبی اور تضاد کی طرف اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے ؎

شیخِ اُو فردِ فرنگی را مُرید ۔۔۔ گرچہ گوید از مقامِ بایزید
گفت دیں را رونق از محکومیست ۔۔۔ زندگانی از خُودی محرومیست
دولتِ اغیار را رحمت شُمرد ۔۔۔ رقصہا گردِ کلیسا کرد و مُرد[۱]

اِن حقائق کی روشنی میں صورتِ حال واضح ہوجاتی ہے کہ اکابرینِ اسلام کے بھرپور تعاون کے ساتھ "قادیانی تحریک" کے خلاف ۹۰ سال تک کیوں نبرد آزما اس سے پیشتر تحریر کیا جا چکا ہے کہ محاسبے کی اس تحریک میں شاید یہ شدّت اور

۱؎ قادیانیت مصنفہ ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۲

انہ ہوتا اگر رہنمائے کرام قادیانیت کے سیاسی پس منظر سے واقف نہ ہوتے۔ لیکن
یانیت کے سیاسی پس منظر سے واقفیت کی وجہ سے محاسبہ شدید ہوگیا اور یہی وجہ ہے
س محاسبے میں وہ لوگ پیش پیش نظر آتے ہیں جن کا سیاسی شعور بیدار تھا اور جن کے دل و
غ میں انگریزی جبر و استبداد کے خلاف ایک بھرپور جذبہ موجزن تھا جیسے "اکابرین احرار
سلام" جن کی انگریز دشمنی کے اپنے بیگانے بھی معترف ہیں۔ جنہوں نے پاک و ہند میں
صف صدی تک انگریزی اقتدار کو چین نہ لینے دیا۔ انشاء اللہ ان لوگوں کا تذکرہ
مناسب موقع پر قارئین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

افغان حکمران اور قادیانیت

جہاد کے بارے میں مرزا غلام احمد نے جن خیالات و نظریات کا اظہار کیا، اُس نے قادیانیوں کے لیے کام کی ایک نئی راہ متعین کر دی۔ قادیانی کارکن اپنے مذموم مقاصد کے بلادِ اسلامیہ میں پھیل گئے اور انہوں نے جہاد کے بارے میں اُن خیالات کا پرچار کرنا شروع کر د جو مرزا غلام احمد نے سرکار برطانیہ کے ایماء پر اُن کی مخصوص ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بیا کیے تھے[1]۔ ایسے مسلم ممالک قادیانی کارکنوں کی زد میں تھے جہاں کے مسلمان انگریزوں کے خلاف عزت و وقار کی جنگ لڑ رہے تھے۔ قادیانیوں نے انگریزوں کے ایماء پر مختلف مسلم ممالک کے جو ریشہ دوانیاں کیں یہ ایک مستقل داستان کرب والم ہے۔ جس کے تفصیلی بیان کی یہ کتاب متحمل

---

[1] "یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام بنایا ہے ایک بڑا امتیازی نشان ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس فرقہ میں جہاد بالکل نہیں اور نہ ہی اس کی انتظار ہے۔ بلکہ یہ مبارک فر نہ ظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔"
(مرزا غلام احمد کا اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ ۹۲ مؤلفہ میر قاسم علی منقول از قادیانی مذہب ص ۵۸۵

۲۔ "اس جہاد کے خلاف نہایت سرگرمی سے میرے پیرو فاضل مولویوں نے ہزاروں آدمیوں میں تعلیم کی اور کر رہے ہیں جس کا بہت بڑا اثر ہوا ہے۔" (درخواست بحضور لفٹننٹ گورنر بہادر دام اق منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم حا صفحہ ۱۸۔ مؤلفہ میر قاسم علی منقول از قادیانی مذہب مؤلفہ الیاس برنی ص ۵۸۵

۳۔ "میں نے صدہا کتابیں جہاد کے خلاف تحریر کر کے عرب اور مصر اور بلادِ شام اور افغانستان میں گ کی تائید میں شائع کی ہیں۔" (اشتہار مرزا غلام احمد مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد چہارم حاشیہ ص مؤلفہ میر قاسم علی منقول از قادیانی مذہب مؤلفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۵۸۵

یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ قادیانی کارندوں نے افغانستان کے اندر انگریزی حکومت کی شہ اور ہدایت پر جہاد کے خلاف کام کیا اور اس کے جواب میں افغان فرمانرواؤں نے معاملے کی نزاکت کے پیش نظر جو رویہ اختیار کیا وہ رویہ جہاں ایک طرف تاریخ محاسبۂ قادیانیت کا ایک روشن باب ہے وہاں دوسری طرف تاریخ اسلام میں ایک ایسا کارنامہ ہے جسے سنہری حروف کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے کیونکہ افغانستان کے حکمرانوں نے اسلام کے اہم ترین مسئلہ ارتداد کی روشنی میں قادیانی مبلغوں کو نہ صرف اس لیے سنگسار کیا کہ وہ سیاسی میدان میں انگریزوں کی جاسوسی کر کے افغانستان کی سالمیت اور تحفظ کے لیے خطرات کا موجب بن رہے تھے بلکہ اس لیے بھی انہیں سزائے موت دی گئی کہ قادیانی مبلغ مذہبی طور پر اسلام کے بنیادی عقیدۂ ختم نبوت سے بغاوت کر کے ملت اسلامیہ کی اس بنیاد کو ڈھانے کے درپے تھے جس کے بغیر اتحاد بین المسلمین کا تصور ناممکنات میں سے ہے کیونکہ مسلمان خواہ دنیا کے کسی بھی ملک کا رہنے والا ہو دنیا کے دوسرے مسلمان کے ساتھ رشتۂ اسلام کی وجہ سے منسلک ہے اور یہ اسلامی رشتہ حضور اکرم د اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم رسالت کی وجہ سے قائم ہے ورنہ نیا نبی نئی امت کی داغ بیل ڈال کر اتحاد ملی کو پارہ پارہ کرتا رہتا تو آج تک شاید صفحہ ہستی سے مسلمانوں کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہوتا کیونکہ اس طرح مسلمان نئی امتوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو چکے ہوتے۔ اگر اس دور کفر والحاد میں بھی مسلمان ایک قوت کی حیثیت سے باقی ہیں تو وہ محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا صدقہ ہے۔ اسلام میں عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت بھی اسی وجہ سے ہے کہ خداوند تعالیٰ نے دین کی تکمیل کے بعد سلسلۂ نبوت کو بند کر کے امت محمدیہ کو قیامت تک کے لیے مامون و محفوظ کر دیا تاکہ اتحاد اسلامی برقرار رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت بنی نوع انسان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی رہے۔

چنانچہ جب بیسویں صدی کے آغاز میں قادیانیوں نے افغانستان کو اپنی مکروہ تحریک کا مرکز بنا کر انگریزوں کی حمایت میں جہاد کی مخالفت اور قادیانیت کی نشر و اشاعت کا کام شروع کیا تو افغانستان کے حکمران بھی حرکت میں آئے اور انہوں نے قادیانیوں کو شریعت اسلامیہ کے مطابق سزا دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد تازہ کر دی۔ افغان حکمرانوں

کا یہ کارنامہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے اور مسلمان اس کارنامے پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ کیونکہ افغان حکمرانوں کے اس مستحسن اقدام سے اس گئے گزرے دور میں بھی بھلے دنوں کی یاد تازہ ہوگئی خدا ان حکمرانوں کی بخشش فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ ع "ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

عبدالرحمٰن قادیانی کا قتل (۱۹۰۱ء)

عبدالرحمٰن قادیانی وہ پہلے قادیانی مبلغ ہیں جنہیں خاص ہدایات دے کر خصوصی مشن پر افغانستان بھیجا گیا تھا تاکہ وہاں وہ جہاد کے خلاف افغان باشندوں کو گمراہ کرکے جذبہ جہاد کو سرد کرنے کی کوشش کرے۔ سیاسی طور پر افغانستان کے لیے یہ دور مشکل دور تھا۔ افغانستان اور ہندوستان کے حکمران انگریزوں کے درمیان چپقلش اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور غالباً اس کی وجہ تھی کہ ان دنوں افغان باشندوں میں انگریزوں کے خلاف جذبۂ جہاد اپنے عروج پر تھا۔ انگریز اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ ڈیورنڈ لائن کے اس پار افغان قبائل جن میں آفریدی، وزیری، محسودی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حکومت افغانستان کی مدد میں جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔ افغان علماء لوگوں میں جذبۂ جہاد کو ابھارنے کے لیے دن رات کام کر رہے تھے اور لوگوں میں جہاد کا جذبہ اس قدر بیدار ہو چکا تھا کہ بعض افغان سرحد پار کرکے پشاور، بنوں، کوہاٹ میں زیرِ زمین کاروائیوں میں مصروف تھے۔ کئی انگریز افسروں کو وہ موت کے گھاٹ اتار چکے تھے ایسی صورت میں قادیانی انگریزوں کی مدد کے لیے میدانِ عمل میں اترے اور سب سے پہلا قادیانی مبلغ عبدالرحمٰن افغانستان میں انگریزوں کی حمایت میں جذبۂ جہاد کے خلاف مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے پکڑا گیا اور کیفرِ کردار کو پہنچا۔ اس قادیانی مبلغ کے قتل کی کہانی تاریخ احمدیت[1] میں اس طرح مذکور ہے:۔

---

[1] تاریخ احمدیت مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد جلد سوم صفحہ ۱۸۴

"جیسا کہ ۱۹۰۰ء کے حالات میں ذکر آچکا ہے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف کے سفیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو دو تین مرتبہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کا شرف نصیب ہوا۔ ہر مرتبہ کئی کئی ماہ تک حضور سے فیض پاتے اور حضور کے دعاوی اور تعلیمات پر ایک نیا ایمان لے کر لوٹتے تھے۔ آخری بار بارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۰ء میں قادیان آئے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آفریدی۔ وزیری اور محسودی وغیرہ آزاد قبائل ڈیورنڈ لائن کو اپنی آزادی اور خودمختاری کے لیے خطرہ تصور کر کے سرحد پر انگریزوں کے خلاف بڑے جوش و خروش سے اٹھے ہوئے تھے۔ اس شورش کو علماء نے بڑی تقویت دی جنہوں نے جہاد کے نام پر انگریزوں کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ خود امیر عبدالرحمٰن خان کی خاص ہدایت پر رسالہ "تقویم الدین" دوبارہ تحریک جہاد کے نام پر سرحد پر شائع کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد قبائل میں شورش کی ایک آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی اور محض اختلاف مذہب کی بنا پر پشاور اور بنوں میں کئی انگریز موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جہاد جیسے مقدس مسئلے کی اس غلط تعبیر نے اسلام اور مسلمانوں دونوں کو بہت بدنام کیا اور انگریز اور دوسرے غیر مسلموں میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ مسلمان رہزن اور ڈاکوؤں کی طرح بن جائیں گے اور جہاد کے بہانے اپنے نفس کی خواہشات پوری کریں گے لہٰذا حضرت اقدس نے مسئلہ جہاد کی اسلامی نقطۂ نگاہ سے وضاحت بیان کرنے کے لیے بعض رسالے شائع کیے جیسا کہ پہلے ۱۹۰۰ء کے حالات میں ذکر آچکا ہے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب قادیان میں حضور اقدس کے یہ رسائل پڑھے تو اُن پر مسئلہ جہاد کی حقیقت بالکل آشکارا ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ قادیان قیام کے بعد پھر کابل گئے جہاں انہوں نے مسئلہ جہاد کے متعلق جب اپنا مسلک پیش کیا تو امیر عبدالرحمٰن خان (۱۸۴۴ - ۱۹۰۱) سے شکایت کی گئی جسے بعض شریر پنجابیوں نے جو اس کے ملازم تھے اور زیادہ ہوا دی اور ظاہر کیا کہ یہ ایک پنجابی شخص کا مرید ہے۔ جو اپنے تئیں مسیح موعود ظاہر کرتا ہے اور اس کی تعلیم یہ ہے کہ انگریزوں سے جہاد درست نہیں بلکہ اس

زمانے میں وہ قطعاً جہاد کا مخالف ہے۔ امیر عبدالرحمن نے جب یہ سُنا تو سخت برافروختہ ہو کر حضرت عبدالرحمن کی نظربندی کا حکم دے دیا اور بالآخر آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر دم بند کر کے نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ حضرت مولوی صاحب احمدیت کے پہلے بزرگ تھے جنہیں حق و صداقت کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ حضرت مسیح موعود کو اس سے قبل الہام ہو چکا تھا۔ "شَاتَانِ تُذْبَحَانِ" کہ "دو بکرے مارے جائیں گے"۔ چنانچہ اس الہام کے مطابق سب سے پہلے مولوی صاحب شہید کیے گئے۔ یہ حادثہ وسط ۱۹۰۱ء کا ہے۔ قادیان میں اس کی خبر نومبر میں مولوی عبدالستار کے ذریعے پہنچی۔ جو اپنے تین رفقا سمیت خوست غزنی سے حضور کی زیارت کے لیے تشریف لائے"۔

عبداللطیف قادیانی کا رَجم (جولائی ۱۹۰۳)

عبداللطیف قادیانی دوسرا قادیانی مبلغ تھا جو امیر حبیب اللہ والیٔ افغانستان کے عہد میں سنگسار کیا گیا۔ اس پر بھی انگریز کی جاسوسی اور قادیانی عقاید کے مطابق جہاد کے بارے میں خلافِ اسلام نظریات کے پرچار کے الزامات ثابت ہوئے تھے۔ صاحبزادہ عبداللطیف ایک مرتبہ بذاتِ خود قادیان پہنچ کر مرزا غلام احمد کی زیارت سے مشرف بھی ہوا۔ ایک عرصہ اُن کے پاس قادیان رہ کر واپس افغانستان پہنچا جس کے بعد حکومت افغانستان نے انہیں گرفتار کر کے سنگسار کروا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف کے مرزا صاحب کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے اور وہ بعض خصوصی "رہنما اصول" معلوم کرنے کے لیے قادیان آیا تھا۔ افغانستان واپس جا کر جب وہ مرزا صاحب کے احکامات کی روشنی میں مصروفِ کار ہوا تو فوراً افغان حکومت حرکت میں آئی اور اس نے اس قادیانی مبلغ کو بھی مولوی عبدالرحمن کی طرح کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ صاحبزادہ عبداللطیف قادیانی کے رَجم کے بارے میں جو بات سب سے زیادہ

لے جناب مرزا صاحب سے بہتر کون جانتا تھا کہ وہاں جس کام کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے زندہ واپس نہ آئیں گے (مصنف)

ل احترام ہے وہ امیر حبیب اللہ کا ذاتی طور پر اس معاملہ میں دلچسپی لینا ہے۔ حتیٰ کہ سنگساری
وقت بھی خود اُن کا جائے واردات پر موجود ہونا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ
قدر اسلامی جذبہ سے سرشار تھے اور وہ مرزائیت کے اُن عزائم سے پوری طرح واقف
ہے جن کی کامیابی کے بعد پورے عالمِ اسلام کے اندر انگریز جاسوسوں کا جال پھیل جانا
قدرتی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اس میدان میں انتہائی سخت اور صحیح اسلامی اقدام
نا پڑا۔ تاکہ آئندہ کے لیے کسی قادیانی کو بلادِ اسلامیہ میں کم از کم اپنے ناپاک عزائم کے لیے
وجہد کی جرأت نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو ایک ایسی روایت قائم کر دی جائے جس سے قادیانی
لغوں کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ اس کام سے باز رہیں۔ عبداللطیف قادیانی کے سنگسار ہونے کی
انی "تاریخِ احمدیت" کی زبانی ملاحظہ ہو۔

"واقعہ یوں ہوا کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب آخر ۱۹۰۲ء نومبر میں حج بیت اللہ کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ امیر حبیب اللہ خان نے انعام و اکرام سے رخصت کیا۔ آپ کابل سے خوست اور وہاں سے لاہور ہوتے ہوئے قادیان تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے ساتھ مولوی عبدالجلیل صاحب سید عبدالستار صاحب اور ایک عالم بھی تھے جن کو وزیریوں کا مولوی کہا جاتا تھا۔ سید عبدالستار کا بیان ہے کہ حضرت مولوی عبداللطیف صاحب پیدل ہی بٹالہ سے قادیان روانہ ہوئے۔"[1]

آگے چل کر تاریخِ احمدیت میں صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی روانگی کے بارے میں یوں بیان ہوتا ہے۔

"حضرت صاحبزادہ صاحب امیر کابل سے چھ ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے جب روانگی کا وقت آیا تو صاحبزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعود سے رخصت ہونے کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا کہ آپ کو دوسرے سال حج کے لیے جانا ہے

---

[1] تاریخِ احمدیت مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد ص ۳۲۸

تو آپ یہیں ٹھہر جائیں مگر اُنہوں نے کہا کہ حج کے لیے پھر آجاؤں گا۔ آخر حضور نے اُن کے اصرار پر دو چار روز کے بعد اجازت دے دی۔

"جب صاحبزادہ صاحب روانہ ہوئے تو حضور اور حضور کے خدّام احمد نور صاحب کابلی کے بیان کے مطابق ڈیڑھ میل تک اور بعض کے بیان کے مطابق (وڈالہ) کی نہر تک چھوڑنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ غالباً آخر جنوری ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب رخصت ہونے لگے تو آپ جوشِ عقیدت سے حضرت اقدس کے پاؤں پر گر پڑے اور دونوں ہاتھوں سے حضور کے قدم مبارک پکڑ لیے اور عرض کیا کہ میرے لیے دُعا فرمائیں تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا میں آپ کے لیے دُعا کرتا ہوں آپ میرے پاؤں چھوڑ دیں۔ انہوں نے پاؤں نہ چھوڑنے پر اصرار کیا۔"[1]

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولوی عبد اللطیف قادیانی افغانستان میں ملازم تھا اور مرزا غلام احمد سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا۔ حکومت افغانستان سے چھ ماہ کی رخصت بغرض حج بیت اللہ لے کر حج کی بجائے قادیان چلا آیا۔ اور یہاں مرزا غلام احمد کے پاس رہ کر افغانستان میں کام کرنے کا آئندہ لائحہ عمل تیار کیا اور واپس روانہ ہوگیا۔ تحریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ چونکہ مرزا صاحب نے ایک اہم کام اس کے سپرد کر دیا تھا اس لیے اس کی دلجوئی کے لیے اس کی توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ مرزا صاحب خود اس کو رخصت کرنے کے لیے دو تین میل پیدل اس کے ہمراہ گئے اور اُسے خصوصی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور مشن چونکہ اچھا خاصا مشکل تھا اس لیے وہ قدموں پر گر کر خصوصی دعاؤں کا خواستگار ہوتا ہے۔ اب واپس افغانستان جا کر سب سے پہلے علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر امیر کابل سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ قادیان سے سیدھا علاقہ انگریزی میں جانا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ مرزا صاحب نے عبد اللطیف قادیانی کو کسی خاص کام کے

---

[1] تاریخ احمدیت مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صفحہ ۳۳۲ جلد سوئم

یے روانہ کیا تھا۔ جاسوسی کا یہ کام انتہائی اہم کام تھا جس کا احساس خود مرزا غلام احمد کو
ی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ روانگی کے وقت ان کو عبداللطیف کے بارے میں یقین تھا کہ وہ
راجائے گا۔ "تاریخ احمدیت" میں مرزا صاحب کی زبانی بقیہ کہانی ملاحظہ فرمائیں :۔

" مولوی صاحب (عبداللطیف) خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آکر کئی مہینے میرے پاس اور میری صحبت میں رہے تو پھر بعد اس کے کہ آسمان پر یہ امر قطعی طور پر فیصلہ پا چکا تھا کہ وہ درجہ شہادت پا دیں تو اس کے لیے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے اب جیسا کہ معتبر ذرائع سے اور خاص دیکھنے والوں کی معرفت مجھے معلوم ہوا ہے قضا و قدر سے یہ صورت پیش آئی کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر بریگیڈیئر محمد حسین کو توال کو جو اُن کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل حاضر ہو جاؤں۔ بلا اجازت اس لیے تشریف نہ لے گئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا۔ اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا ہے"[1]

اب مرزا صاحب سنگساری کا واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں جس سے امیر کا اسلامی جذبہ واضح ہوتا ہے۔

" تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ پادشاہ وقت ہیں آپ چلا دیں۔ تب امیر (امیر حبیب اللہ) نے کہا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو

---

[1] تاریخ احمدیت مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد ص ۳۴۳

زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر (امیر حبیب اللہ) نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہو گیا پھر امیر نے واپس ہوتے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ ہو جاؤنگا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئیے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ار جولائی کو وقوع میں آیا[1]"

تاریخ احمدیت کی اس روئیداد کے بعد قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے اس واقعے کے اہم پہلوؤں پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ آخر افغان حکومت نے اتنا اہم اقدام کیوں کیا۔ اگر عبداللطیف افغانی کی سرگرمیاں معمولی ہوتیں تو کیا یہ لازمی تھا کہ اُسے سنگسار کیا جاتا۔ قادیانی لٹریچر خود اس بات کا جواب دیتا ہے کہ عبداللطیف کا جرم جاسوسی تھا جسے کوئی بھی حکومت معاف نہیں کرتی۔ قادیانیوں کا اس جرم کی سزا پر واویلا کرنا اور اس کو ظلم قرار دینا کہاں تک مبنی بر صداقت ہے مرزا غلام احمد نے ایک اعلان کے ذریعے جو ۷ مئی ۱۹۰۷ء کو اُن کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس کا اقرار کیا ہے کہ مولوی عبداللطیف قادیانی کی موت کی وجہ "جہاد" کی مخالفت تھی وہ اس بات پر بڑی خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے انگریزی حکومت کی تقویت کے لیے اسلامی اور مسلمان حکومتوں کی مذمت کی ہے کیونکہ تمام اسلامی سلطنتوں کے علما کے فتووں کی رُو سے ہم واجب القتل ٹھہرتے ہیں۔ مرزا صاحب اس بات پر خدا کے شکر گذار ہیں کہ اُس نے گورنمنٹ برطانیہ کو اُن کے تحفظ کے لیے چُن لیا۔ ورنہ انگریزوں کی مدد کے بغیر وہ مکّہ اور مدینے میں بھی رہ کر ان شرپسندوں یعنی مسلمان علما کے فتووں سے محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔

"خدا تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہے کہ اس نے اس گورنمنٹ کو اِس بات کے لیے چُن لیا تاکہ فرقہ احمدیہ اس کے زیر سایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچا دے

---

[1] تاریخ احمدیت مؤلفہ مولوی دوست محمد شاہد صـ ۳۴۴

اور ترقی کرے کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکّہ اور مدینہ میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتے میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاؤ گے تم سن چکے ہو کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبداللطیف جو ریاست کابل کے ایک معزز اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے وہ جب میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اس قصور سے کہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے امیر حبیب اللہ خان نے نہایت بے رحمی سے ان کو سنگسار کر دیا۔ پس کیا تمہیں توقع ہے کہ تمہیں اسلامی سلطنتوں کے ماتحت کوئی خوشحالی میسّر آئے گی بلکہ تم تمام اسلامی سلطنت میں مخالف علماء کے فتووں کی رُو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔"[1]

مرزا بشیر الدین نے مولوی عبداللطیف کی موت کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے اقرار کیا ہے کہ انہیں جہاد کی مخالفت میں قتل کیا گیا۔ اور ان دنوں جہاد کی مخالفت کرنا افغان حکومت کی مخالفت اور انگریزوں کی حمایت کے مترادف تھا۔ کیونکہ افغان حکومت کو خدشہ ہو گیا تھا کہ اس طرح ان کا جذبہ حریت کمزور ہو سکتا ہے۔ تحریر یوں ہے :۔

"ہمیں معلوم نہ تھا کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کی وجہ کیا تھی۔ اس کے متعلق ہم نے مختلف افواہیں سنیں مگر کوئی یقینی اطلاع نہ ملی تھی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی جو چھپ کر نایاب بھی ہو گئی تھی۔ اس کتاب کا مصنف ایک اطالوی انجینئر ہے جو افغانستان میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس لیے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومتِ افغانستان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ کہ اس سے افغانوں کا جذبۂ حریت کمزور ہو جائے گا۔ اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔ اس کتاب کے مصنف کی یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ شا

---

[1] اعلان مرزا غلام احمد مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صہ ۱۲۳ مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی

افغانستان کا درباری تھا اور اس لیے بھی کہ وہ اکثر باتیں خود وزراء اور شہزادوں سے سُن کر لکھتا ہے۔ ایسے معتبر راوی کی روایت سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف کوئی لفظ بھی نہ کہتے تو حکومتِ افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ہے[1]

آگے چل کر اسی خطبے میں بیان کرتے ہیں۔

"اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور جہاد کے باب میں جماعتِ احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے جو انہیں حکومتِ برطانیہ کے متعلق تھا اور وہ اس ہمدردی کی وجہ سے مستحقِ سزا ہو گئے۔ جو قادیان سے لے کر آئے تھے۔"[2]

مُلا عبدالحلیم اور مُلا نورعلی کا قتل

تیسرا واقعہ جس سے انگریزوں کے حق میں قادیانیوں کی جاسوسی پایۂ ثبوت کو پہنچ جا[تی ہے] افغانستان میں دو قادیانیوں کا قتل ہے جس کے بارے میں خود قادیانی لٹریچر اس طرح ا[علان] کرتا ہے:

"افغانستان کے وزیرِ داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے:۔

"کابل کے دو اشخاص مُلا عبدالحلیم چہار آسیانی اور مُلا نورعلی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے جمہوریہ نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرم ثابت ہو کر مجرم عوام کے ہاتھوں پنجشنبہ ۱۱ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط

۱-۲ خطبہ جمعہ مرزا بشیرالدین محمود مطبوعہ الفضل مورخہ ۶ اگست ۱۹۳۵ء

اُن کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بِک چکے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی۔"

(اخبار امان افغانستان)[1]

قادیانیوں کو افغانستان کے اس رویّے سے انتہائی تکلیف ہوئی اور لیگ آف نیشنز ...ی فریادی ہوئے کہ وہ کابل میں دو قادیانیوں کی سنگساری کے بارے میں باز پُرس کرے لیکن ...بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

...ت اللہ قادیانی کا رجم (۱۹۲۴ء)

نعمت اللہ قادیانی مبلّغ اپنے دوسرے قادیانی مبلّغوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ...میں خلافِ اسلام عقائد کے پرچار میں دن رات مصروفِ کار رہتا۔ اور خصوصیّت ...ساتھ جذبۂ جہاد کے بارے میں مرزا غلام احمد کے عقائد و نظریات کو درپردہ افغان ...ں تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ یہ ۱۹۲۴ء کے موسم گرما کا واقعہ ہے جب ...نستان پر امیر امان اللہ خاں کی فرمانروائی تھی کہ یہ قادیانی مبلّغ تبلیغ کفر و ارتداد اور مخالفتِ ...کے جرم میں پکڑا گیا اور عبدالرحمٰن قادیانی اور عبداللطیف قادیانی کی طرح اسے بھی حاکم ...ت کی طرف سے سنگسار کرنے کا حکم ملا۔ چنانچہ اسلامی عقائد کے مطابق اسے مرتد قرار دیتے ...نے سنگسار کر دیا گیا۔ یہ دور مرزا بشیر الدین محمود کی خلافت کا تھا جو تبلیغ مرزائیت کے لیے ...دنوں اپنے روحانی مرکز لندن میں قیام پذیر تھے۔ اُن کے ہمراہ اُن کے چہیتے سر ظفر اللہ خان ...لندن میں ہی تھے۔ سر ظفر اللہ خان نے جب یہ واقعہ لندن میں سُنا تو انہیں اور مرزا ...ب کو دلی قلق ہوا اور یہ لوگ نعمت اللہ قادیانی کے اس قتل پر درد اور غم سے نڈھال ...لئے۔ اسی کیفیت میں سر ظفر اللہ صاحب نے افغانستان کے سفیر متعینہ پیرس کو ایک خط لکھا ...میں اُنہوں نے بقول اُن کے حکومتِ افغانستان کے اس ظالمانہ فعل پر سخت احتجاج کیا۔

---

[1] اخبار الفضل قادیان جلد ۱۲ نمبر ۹۶ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۵ء

اس مسلمان سفیر کا جواب جس اسلامی جذبے کا آئینہ دار ہے۔ اُس کی مثال اس دور میں نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ سفیر موصوف نے اس احتجاج کی جانب کوئی توجہ نہ دی بلکہ وہ جو سر ظفر اللہ کی طرف سے بطور احتجاج سفیر کو لکھا گیا تھا اُس کی یہ تکریم ہوئی کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ردی کی ٹوکری کی زینت ہوا۔ یہ اقدام اس قدر اہم ہے کہ آج جب ہم محاسبہ قادیانیت کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں اُس مسلمان سفیر کو خراجِ تحسین پیش کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سر ظفر اللہ نے اس واقعہ کا بیان اپنی کتاب "تحدیثِ نعمت" میں کیا ہے:

"قیامِ انگلستان کے دوران میں حضرت نعمت اللہ خان صاحب رضؓ کی کابل میں سنگساری سے شہادت کی خبر پہنچی جس سے حضور اور حضور کے رفقاء کے دل درد اور غم سے نڈھال ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لندن کے "ایکس ہال" میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا جس میں سرکردہ اصحاب نے اس ظالمانہ فعل کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ اس دردناک واقعہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے میں نے افغانستان کے سفیر متعینہ پیرس کے نام ایک خط لکھا۔ (ان دنوں لندن میں افغانستان کا کوئی سفیر متعین نہ تھا[1]) اس خط کی ابتداء میں قرآن مجید کی سورت البروج کی پہلی گیارہ آیات سے کی جن کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو عذاب میں مبتلا کیا پھر اپنے فعل سے توبہ بھی نہ کی انہیں یقیناً جہنم کا عذاب ملیگا اور اس دنیا میں بھی انہیں دل کو جلا دینے والا عذاب ملے گا" میرا خیال تھا کہ یورپ میں رہتے ہوئے جناب سفیر اپنی حکومت کے اس وحشیانہ اقدام پر اگر نادم نہیں تو دل میں متاسف ضرور ہوں گے۔ مجھے یہ توقع تو نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی حکومت کے اس پبلک اور سرکاری فعل پر برملا اظہار افسوس کریں گے لیکن یہ ضرور امید تھی کہ وہ خاموش رہ کر کم سے کم اپنی ذاتی بے تعلقی کا اظہار کریں گے

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں افغانستان اور انگلستان کے تعلقات کشیدہ تھے۔

لیکن ان کی طرف سے مجھے نہایت خشم ناک جواب ملا جس کے آخر میں انہوں نے یہ لکھ کر اپنے شعلۂ غیض و غضب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی "ہم نے تمہاری گستاخانہ چٹھی کے پُرزے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیئے ہیں کہ وہ اسی لائق تھے"۔ خاکسار نے بڑے غور اور بہت دُعا کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر حضور پسند فرمائیں تو خاکسار کو تبلیغ کے سلسلے میں افغانستان بھیج دیں لیکن یہ درخواست منظور نہ ہوئی[1]"

(تحدیثِ نعمت مصنفہ محمد ظفر اللہ خان ص ۲۱۹)

ولی داد خان قادیانی کا قتل (سنہ ۱۹۳۹ء)

یہ ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے کہ افغانستان کے اندر ولی داد خان قادیانی کو خود اس کے رشتہ داروں نے قادیانیت کی تبلیغ کے جرم میں قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک قادیانیوں کے بارے میں افغان مسلمانوں کے جذبات اتنے نازک ہو چکے تھے کہ خود ایک قادیانی کے رشتہ دار اس بات کو گوارہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ اُن کا خاندان یا اُن کا اپنا گھر کفر و الحاد کی تبلیغ کا مرکز بنے۔ یہ سب کچھ اُن اقدامات کا نتیجہ تھا جو خود افغان فرمانرواؤں نے قادیانیت کے خلاف اٹھائے ورنہ ان اسلامی اقدامات کی عدم موجودگی میں افغانستان کے لوگوں کو بھی اُن حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا جن حالات کا مقابلہ یہاں پاک و ہند کے مسلمانوں کو کرنا پڑا۔ آج افغانستان میں کسی کو جرأت نہیں کہ وہاں پر قادیانیت کی تبلیغ کرے اور یہاں پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی اسلامی تحریکوں کے باوجود قادیانی اپنی تبلیغ میں دن رات مصروف ہیں۔ اور بڑے دھڑلے کے ساتھ اپنے آپ مسلمان کہتے ہیں حالانکہ آئینی لحاظ سے وہ غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ یہ فرق ہے اسلامی سزاؤں کو اختیار کرنے یا ان سے پہلوتہی کرنے کا۔ اور اس سے ان سزاؤں کا فلسفہ اور حکمت بھی واضح

---

[1] کاش یہ درخواست منظور ہو جاتی کیونکہ اس میں دنیائے اسلام کا بہت بڑا فائدہ مضمر تھا (مصنف)

ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ان سزاؤں کی کیا افادیت ہے۔

ولی داد خان کے قتل کے واقعہ سے ایک بات اور واضح ہوتی ہے کہ کس طرح قادیان کے اندر قادیانی عمائدین ان مبلغوں کی پشت پناہی کرتے تھے کس طرح اُن کے ساتھ رابطہ رکھا جاتا۔ انہیں مالی امداد دے کر اُن کا دل بڑھایا جاتا۔ اور ہر قسم کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں نفسیاتی طور پر اس قابل بنایا جاتا کہ وہ بلا جھجک تبلیغ ارتداد کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ تاریخ احمدیت جلد ہشتم میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے درج ہے۔

"اس مقام پر ہم تحریکِ جدید کے دورِ اوّل کے دو مجاہدوں یعنی ولی داد خان صاحبؓ اور عدالت علی خان صاحبؓ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے تبلیغ اسلام کی راہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس مشاورت ۱۹۳۹ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "قریب ترین عرصہ میں ایک واقعہ ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اپنے اخلاص کا نہایت قابلِ رشک مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ ان پچیس تیس نوجوانوں میں سے جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں، ایک نوجوان تھوڑا ہی عرصہ ہوا غالباً پندرہ بیس دن یا مہینے کی بات ہے کہ محض احمدیت کی تبلیغ کی وجہ سے اپنے علاقے میں مارے گئے ہیں۔ اس نوجوان کا نام ولی داد خان تھا اور اس نے اپنی زندگی خدمتِ دین کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ افغانستان کے علاقہ میں ہم نے انہیں تبلیغ کے لیے بھجوایا تھا کچھ طب بھی جانتے تھے اور معمولی امراض کے علاج کے لیے دوائیاں اپنے پاس رکھتے تھے کچھ مدت تک ہم انہیں خرچ بھی دیتے تھے۔ مگر پھر ہم نے انہیں خرچ دینا بند کر دیا تھا۔ ان کی اپنی بھی یہی خواہش تھی اور میں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ اس علاقے میں طب شروع کر دیں اور آہستہ آہستہ جو لوگ مانوس ہو جائیں تو انہیں تبلیغ احمدیت کی جائے[1] چنانچہ خدا تعالیٰ نے انہیں ایسے مواقع بہم پہنچا

---

[1] نفسیاتی طور پر بیمار آدمی سے بڑھ کر ایسی تبلیغ کیلئے موزوں اور کون ہو سکتا ہے!

دیے کہ انہوں نے اس علاقے میں لوگوں کو تبلیغ کرنا شروع کر دی کھلی تبلیغ سے تو ہم نے خود انہیں روکا ہوا تھا کیونکہ یہ وہاں قانون کے خلاف ہے آہستہ آہستہ وہ تبلیغ کیا کرتے اور لوگوں کو نصیحت کیا کرتے کہ جب کبھی پنجاب میں جایا کرو تو قادیان بھی دیکھ آیا کرو۔ رفتہ رفتہ جب لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ احمدی ہے تو انہوں نے گھر والوں پر زور دینا شروع کر دیا کہ تمہیں اس فتنہ کے انسداد کا کوئی خیال نہیں تمہارے گھر میں کفر پیدا ہو گیا ہے اور تم اس سے غافل ہو۔ چنانچہ انہیں اس قدر برانگیختہ کیا گیا کہ وہ قتل کے درپے ہو گئے۔ مولوی ولی داد خان چند دن پہلے ہندوستان میں دوائیاں خریدنے کے لیے آئے ہوئے تھے جب دوائیاں خرید کر اپنے علاقے کی طرف گئے تو انہی کے چچازاد بھائی اور سالہ نے ان پر گولیوں کے متواتر تین چار فائر کر کے انہیں شہید کر دیا۔[1]"

ان حالات و واقعات سے قادیانیت کا سیاسی پس منظر اور قادیانیت کی ریشہ دوانیاں واضح ہوجاتی ہیں کہ انگریزوں نے کن مقاصد کے حصول کے لیے ان فرقۂ ضالہ کو جنم دیا پروان چڑھا کر اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے قادیانیت کا بھرپور تعاون حاصل کیا۔ اور خود قادیانی حضرات نے کس جانفشانی کے ساتھ انگریزوں کے ساتھ اس میدان میں تعاون کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ انگریزوں کا اس کام کے لیے مرزا غلام احمد کا انتخاب ہر لحاظ سے صحیح اور درست تھا۔ انگریزوں کی جاسوسی کے اس اہم فریضہ کا مرکز اگرچہ افغانستان ہی رہا لیکن دوسرے اسلامی ممالک بھی قادیانی مبلغوں کی زد سے محفوظ نہ تھے۔ قادیان سے قادیانی مبلغوں کو ہر اس جگہ پر پہنچایا جاتا جہاں غور و فکر کے بعد اُن کا جانا ضروری اور لازمی قرار دیا جاتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اس کام کے لیے قادیانی کارندوں کو رُوس بھی جانا پڑا اور عراق کو بھی توجہ کا مستحق قرار دیتے ہوئے وہاں بھی قادیانیوں کو مخصوص اور مذموم مقاصد کے لیے بھیجا گیا۔ قادیانی لٹریچر اس بات کی یوں گواہی دیتا ہے:

---

[1] تاریخ احمدیت مصنفہ مولوی دوست محمد شاہد صفحہ ۷۵-۷۶

"میں[1] اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مصروف ہوں جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کرے۔ گو اکثر جاہل مولوی ہماری اس طرز اور رفتار اور ان خیالات سے سخت ناراض ہیں اور اندر ہی اندر جلتے اور دانت پیستے ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اسلام کی اس اخلاقی تعلیم سے بے خبر ہیں جس میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص انسان کا شکر نہ کرے وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا یعنی اپنے محسن کا شکر ادا کرنا ایسا فرض ہے جیسا کہ خدا کا شکر ادا کرنا۔ یہ تو ہمارا عقیدہ ہے مگر افسوس کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس لمبے سلسلہ اٹھارہ برس کی تالیف کو جن میں بہت سی پُر زور تقریریں اطاعت گورنمنٹ کے بارے میں ہیں کبھی ہماری گورنمنٹ محسنہ نے توجہ سے نہیں دیکھا اور کئی مرتبہ میں نے یاد دلایا مگر اس کا اثر محسوس نہیں ہوا لہٰذا پھر یاد دلاتا ہوں کہ مفصلہ ذیل کتابوں اور اشتہاروں کو توجہ سے دیکھا جائے اور وہ مقامات پڑھے جائیں جس کے نمبر صفحات میں نے ذیل میں لکھ دیئے ہیں (اس کے ذیل میں ۱۸۸۲ لغایت ۱۸۹۴ کل ۲۴ کتابوں اور اشتہاروں کے حوالہ درج ہیں۔)

ان کتابوں کو دیکھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ جو شخص برابر اٹھارہ برس سے ایسے جوش سے جس سے زیادہ ممکن نہیں گورنمنٹ انگلشیہ کی تائید میں ایسے پُر زور مضمون لکھ رہا ہے اور ان مضمونوں کو نہ صرف انگریزی عملداری میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی شائع کر رہا ہے کیا اس کے حق میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اس گورنمنٹ محسنہ کا خیر خواہ نہیں۔ گورنمنٹ متوجہ ہو کر سوچے کہ یہ مسلسل کاروائی جو مسلمانوں کو اطاعت برطانیہ پر آمادہ کرنے کے لیے اٹھارہ برس سے ہو رہی

---

[1] درخواست بحضور لفٹیننٹ گورنر بہادر اقبالہٗ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صـ۱۱ تا ۱۳ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۵۳۴

ہے اور غیر ملکوں کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ ہم کیسے امن اور آزادی سے زیر سایہ گورنمنٹ برطانیہ زندگی بسر کرتے ہیں یہ کارروائی کیوں اور کس غرض سے ہے اور غیر ملک کے لوگوں تک ایسی کتابیں اور ایسے اشتہارات پہنچانے کا کیا مدعا تھا۔"

روس میں قادیانی جاسوس

ان اشتہارات کا ہر ملک میں پہنچانے کا مدعا تلاش کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریریں یہ مدعا واضح کر رہی ہیں۔ پھر اس مدعا کے حصول کے لیے جو کچھ مرزا صاحب اور مرزا بشیر الدین محمود کی عہد میں ہوتا رہا ہے وہ اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ اس خود کاشتہ پودے کی وجہ تسمیہ کیا تھی؟ چنانچہ انگریزی اطاعت و فرمانبرداری کا بیج بونے کے لیے قادیانیوں کو روس کے اُن علاقوں تک جانا پڑا جہاں مسلمان آباد تھے اور مسلمان بھی وہ غیرت مند مسلمان جو ہندوستان کی تحریک ہجرت میں اپنا سب کچھ لٹا کر مسائل و مشکلات کا پل صراط عبور کرتے ہوئے ایثار و قربانی کے انمٹ نقوش صفحہ دہر پر چھوڑتے ہوئے افغانستان پہنچے جہاں اُن کی توقع کے مطابق پذیرائی نہ ہوئی تو اُن کی ملی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ واپس ہندوستان آئیں جہاں انگریز جیسی اسلام دشمن طاقت کی حکمرانی تھی اور جسے وہ دارالحرب قرار دے چکے تھے چنانچہ وہ لوگ افغانستان سے نقل مکانی کر کے روسی ترکستان کے علاقوں میں پھیل گئے۔ ان مسلمانوں کے انگریز دشمن جذبات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو انگریز کی برکات و احسانات کے بارے میں بتانا انتہائی ضروری سمجھا گیا۔ قادیانی جاسوس انگریزوں کی مدد سے روس میں جا کر انگریزوں کی جاسوسی اور اُن کے حق میں زمین ہموار کرنے کا اہم کام کس طرح سرانجام دیتا ہے اس کی داستان قادیانی لٹریچر بیان کرتا ہے:

"چونکہ برادرم محمد امین خان صاحب (قادیانی) کے پاس پاسپورٹ نہیں تھا اس لیے وہ روس میں داخل ہوتے ہی روس کے پہلے سٹیشن پر انگریزی جاسوس قرار دے کر پکڑے گئے۔ کپڑے اور کتابیں جو کچھ پاس تھا وہ ضبط کر لیا گیا اور ایک مہینے تک آپ کو وہاں رکھا گیا۔ اس کے بعد آپ کو عشق آباد کے قید خانے میں تبدیل کیا گیا

اور وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو براستہ سمرقند تاشقند بھیجا گیا اور وہاں دو ماہ تک قید رکھا گیا اور بار بار آپ سے بیانات لئے گئے تا یہ ثابت ہو کہ آپ انگریزی حکومت کے جاسوس ہیں اور جب بیانات سے کام نہ چلا تو قسم قسم کے لالچوں اور دھمکیوں سے کام لیا اور فوٹو لیے گئے تا عکس محفوظ ہے اور گرفتاری میں آسانی ہو اور اس کے بعد گوشتگی سرحد افغانستان پہ لے جا کر وہاں سے ہرات افغانستان کی طرف اخراج کا حکم دے دیا گیا مگر چونکہ یہ مجاہد گھر سے اس امر کا عزم لے کر نکلا تھا کہ میں نے اسی علاقے میں حق کی تبلیغ کرنا ہے[1]۔ اس لیے واپس آنے کو اپنے لئے موت سمجھا۔ اور روسی پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور بھاگ کر بخارا جا پہنچا۔ دو ماہ تک آپ وہاں آزاد رہے لیکن دو ماہ بعد پھر انگریزی جاسوس کے شبہ میں گرفتار کیے گئے اور قید میں رکھا گیا اور بخارا سے روسی پولیس کی حراست میں سرحد ایران کی طرف واپس بھیجا گیا

اللہ تعالیٰ اس مجاہد کی ہمت اور اخلاص اور تقویٰ میں برکت دے چونکہ ابھی ان کی پیاس نہ بجھی تھی اس لیے پھر کاکان کے ریلوے اسٹیشن سے روسی مسلم پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور پیادہ بخارا پہنچا۔ بخارا میں ایک ہفتے کے بعد پھر ان کو گرفتار کیا گیا اور

---

[1] یہ حق کی تبلیغ کیا تھی خود اسی محمد امین کے مکتوب سے واضح ہے ملاحظہ کریں۔

"روسیہ میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش حکومت کے باہمی مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی تبلیغ کرتا تھا۔ وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری بھی کرنا پڑتی تھی کیونکہ ہمارے سلسلے کا مرکز ہندوستان میں ہے۔ تو ساتھ ہی ہندوستانی حکومت کے احسانات اور مذہبی آزادی کا ذکر لوگوں کے سامنے کرنا پڑتا تھا۔"

(محمد امین صاحب قادیانی کا مکتوب مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۱۱ نمبر ۲۵ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۳ء منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۶۰۸)

بدستور حسب سابق پھر کاکان کی طرف لایا گیا۔ اور وہاں سے سمرقند پہنچایا گیا۔ وہاں سے آپ پھر چھوٹ کر بھاگے اور بخارا پہنچے۔

(اعلان میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۲ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۲۳ء

منقول از قادیانی مذہب مصنفہ پروفیسر الیاس برنی ص ۶۰۸)

ان حقائق پر حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ یہ تاریخی حقائق اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں [غ]لام احمد کی قادیانی اُمت نے انگریزوں سے ساز باز کر کے ملتِ اسلامیہ کو جذبہ جہاد [ختم] کرنے کی انتہائی کوشش کی تاکہ دُنیائے اسلام پوری طرح انگریزی استبداد کی چکی میں [پس ک]ر اسلامی جذبے سے محروم ہو جائے جس کے بعد انگریز اپنی من مانی کارروائیوں سے تمام دُنیا [کے مسل]مانوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی حضرات نے اپنے جس [طرح] سے انگریزوں کو خوش کرنے کی سعی کی۔ اس کی تہ میں اسلام دُشمنی کا جذبہ کار فرما ہے۔ ترکی، [ا]فغانستان۔ عراق فلسطین اور دیگر اسلامی علاقے اگر قادیانی کارندوں کی زد میں رہے ہیں [اس]کے پیچھے ایک منظم سازش کار فرما تھی یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں نے وہ کام کیا جس سے انگریز [خوش] اور مسلمان ناراض رہے۔ مرزا غلام احمد نے برملا کہا۔

"ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔"[۱]

مرزا بشیر الدّین نے کہا۔

"مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں مہدی ہوں۔ برطانوی حکومت میری تلوار ہے۔ تمہیں بغداد کی فتح سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق شام، عرب ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔"[۲]

اسی مرزا بشیر الدین محمود سے جب کسی نے تنسیخ جہاد کے بارے میں سوال کیا تو اس کے جواب میں کہا

"بعض احمق سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ یہ گورنمنٹ ہماری محسن ہے اس کا شکریہ ادا کرنا فرض اور واجب ہے۔ محسن کی بدخواہی ایک بدکار اور حرامی کا کام ہے۔"[۳]

---

[۱] تبلیغ رسالت جلد ہفتم [۲] الفضل ۷ دسمبر ۱۹۱۵ء [۳] الفضل جلد ۲۷۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۹ء

آغا شورش کاشمیری نے قادیانی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں اس طرح کیا ہے:

"مرزا غلام احمد نے برطانیہ کی اطاعت اور جہاد کی مخالفت میں مسلمان ملکوں میں اپنا لٹریچر بھجوایا لیکن مرزا محمود نے برطانوی مقصد برآری کے لیے جنگ عظیم اوّل سے پہلے افریقہ میں مشن قائم کیے اور عرب ملکوں میں سکاٹ لینڈ یارڈ کے تحت اپنے معتمدین بھجوائے جو اس کے حسب ہدایت کام کرتے۔ چنانچہ اسلامی ملکوں میں کام کرنے کے لیے برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کی تجویز پر مرزائی امت کا دفتر لندن میں قائم کیا گیا تاکہ براہِ راست کنٹرول ہو سکے۔ اس غرض سے خواجہ کمال الدین دسمبر ۱۹۱۲ء کو انگلستان روانہ ہو گئے۔ انہوں نے وہاں بات چیت کے بعد خلیفہ اوّل حکیم نورالدین کو لکھا تو حکیم صاحب نے فتح محمد ایم اے کو پہلا "احمدی مبلغ" مقرر کیا اور وہ ۲۸ جون ۱۹۱۳ء کو لندن روانہ ہو گیا۔ دوسرا مشن سکاٹ لینڈ یارڈ کے حسب ہدایت افریقہ کے جزیرہ مارشیس میں قائم کیا گیا اس کا انچارج صوفی غلام محمد بی اے کو بنایا گیا جو فروری ۱۹۱۵ء میں روانہ ہو گیا اور پہلی جنگ عظیم کے دوران سکاٹ لینڈ یارڈ کے حسب ہدایت خدمات انجام دیتا رہا ——————

—— دمشق میں مرزا محمود کا سالا ولی اللہ زین العابدین ترکوں کی پانچویں ڈویژن کے انچارج جمال پاشا کی معرفت قدس یونیورسٹی کا لیکچرار لگ گیا۔ لیکن جس روز انگریزی فوج دمشق میں داخل ہوئی وہ انگریزی کمانڈر کے تحت ہو گیا۔ کئی معتمد ترکوں کے قتل کرانے میں حصہ لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی میجر حبیب اللہ شاہ فوج میں ڈاکٹر تھا اس کو بغداد فتح ہونے پر عارضی گورنر مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۲۴ء میں عراق حکومت کو مرزائیوں کے خدوخال کا پتہ چلا تو ان کی غدارانہ سرگرمیوں کے باعث ان سب کو وہاں سے نکال دیا۔ مرزا محمود نے جمعہ کے خطبہ (مطبوعہ الفضل ۳۱ اگست ۱۹۲۳ء) میں اعتراف کیا:

"عراق فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں لوگ

بھرتی ہو کر گئے۔"

مرزا محمود نے مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کے لیے اپنے ایک معتمد نوجوان مصطفیٰ صغیر کا انتخاب کیا۔ اس کو انگریزی حکومت نے میرزا معراج الدین سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی کے ہمراہ ترکی روانہ کیا لیکن وہ اقدامِ قتل سے پہلے پکڑا گیا، اور پھانسی پا گیا۔ میر محمد سعید حیدرآبادی مکہ مکرمہ میں قادیانی مشن کا انچارج تھا اور وہاں برطانوی محکمۂ جاسوسی کے اہم عہدیدار کرنل ٹی ڈبلیو لارنس کی ہدایت پر کام کرتا تھا لیکن جب عربوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گیا۔ شام میں جلال الدین شمس کو مقرر کیا گیا لیکن جب اہلِ شام کو پتہ چلا کہ برطانوی جاسوس ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۷ء کو اُس پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن وہ بچ گیا۔ آخر عراق میں برطانوی گرنٹ ڈھیلی پڑنے پر ۱۷ مارچ ۱۹۲۷ء کو حیفہ آ گیا۔ اس کے بعد برطانوی ہدایت کے مطابق فلسطین کو قادیانی کارندوں کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا اور یہی احمدیت اور یہودیت کے درمیان گٹھ جوڑ کا آغاز تھا۔ لائیڈ جارج وزیرِ اعظم انگلستان نے فلسطین میں قادیانی خدمات کا کھُلم کھُلا اعتراف کیا۔ ۱۹۲۲ء میں مرزا محمود خود فلسطین گیا اور اعلان کیا کہ یہودی اس خطہ کے مالک ہو جائیں گے۔ میرزا محمود نے برطانوی ہائی کمشنر سے ملاقات کی اور آئندہ خدمات کا نقشہ تیار کیا۔ جلال الدین شمس کے ساتھ دو یہودی نژاد محمد المغربی الطرابلسی اور عبدالقادر عودہ صالح منسلک کیے گئے۔

روس سے برطانیہ کو ہندوستان میں ابتداء ہی سے خطرہ تھا۔ یہ ذکر آ چکا ہے کہ ایک چار رکنی وفد جس میں مولانا محمد حسین آزاد بھی شامل تھا۔ اس غرض سے وسطِ ایشیا بھجوایا گیا تھا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیا جائے۔ لیکن پھر یہ کام قادیانیوں کو سونپا گیا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں ایک قادیانی محمد امین خان ایران کے راستہ روس میں داخل ہوا اور روسی حکومت نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔ وہ برطانوی حکومت کی مداخلت سے رہا ہوا۔ واپس آیا تو مرزا محمود سے ہدایات لے کر دوبارہ ایک دوسرے شخص ظہور حسین کے ہمراہ لوٹ گیا۔ ظہور حسین بھی روسی حکومت کے ہاتھ

آگیا اور دو سال ماسکو جیل میں رہا۔ بالآخر برطانوی سفیر مقیم ماسکو کی تگ و دو سے رہا ہوا۔[۱]

یہی ریشہ دوانیاں تھیں جن سے قادیانیت کو پروان چڑھایا گیا۔ یہ لوگ آج بھی دنیا کے ... یہی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں مردود و مقہور ہو گئے ... پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ... بھر کے مسلمان اس حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں۔ یہ ٹولہ مسلمان نہیں۔ بلکہ انگریزوں نے اپنے ... اور مذموم مقاصد کے حصول کے لیے انہیں تیار کیا اور اس کا مقصد اقوام عالم میں برطانوی ... امریکی سامراج کی جاسوسی کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قادیانیت نے اسلام کی کونسی خدمت کی ہے جس پہ یہ لوگ اتراتے ... ہیں۔ تاریخ کا جائزہ پیش کر کے ہم نے یہ بتایا ہے کہ یہ تحریک جو نصف صدی تک ... پر رہی ہے سوائے انگریزوں کی خدمت کے اور کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکی۔ قا... کے بانی مرزا غلام احمد جس نے اپنے نظریات و اعتقادات کا ایک وسیع پلندا چھوڑا ہے۔ ... کے کس کام آیا؟ سوائے اس کے کہ اہلِ اسلام سے ایک حصہ الگ کر کے انہیں انگریزو... خوشنودی کے لیے تیار کیا گیا۔ اسلام کو ضعف پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ مستقل طور پر ... ایسا فتنہ پیدا کیا جو خلافِ اسلام عقاید کو اسلام کے نام پر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ... لوگوں کو گمراہ کر کے اپنی مطلب براریوں کے لیے استعمال میں لاتا ہے۔ برطانوی نظام تعلیم ... وجہ سے جو الحاد کی فضا پیدا ہوئی۔ نفس پرستی کا جس طرح دور دورہ ہوا قادیانیوں نے اس ... پورا پورا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی نوخیز نسل کو نوکری اور شادی کے لالچ میں پھنسا کر اپنی طاقت ... اضافہ کیا اور یوں اسلام کے مدمقابل انگریزوں کی اعانت سے ایک منظم گروہ تیار کر لیا اور ... یہی چاہتے تھے کہ مذہب کے نام پر ایک طاقتور منظم گروہ تیار کر کے مسلمانوں کے اندر فتنہ ... کیا جائے تاکہ ان کے جذبۂ جہاد کو بآسانی زائل کیا جا سکے۔ انگریز کے سامنے ایک لمبا تجرباتی

---

[۱] تحریک ختم نبوت مصنفہ شورش کاشمیری ص ۲۷ تا ۲۹

...ورنا اُس نے سلطان ٹیپو شہید کو لڑتے ہوئے دیکھا پھر اس کے بعد سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل
...شہید کی تحریک بھی ان کے سامنے تھی۔ بالاکوٹ کے ان شہیدوں نے اگرچہ مئی ۱۸۳۱ء میں حیاتِ
...دواں حاصل کر لی لیکن انگریزوں کے لیے ایک مشکل پیدا کر گئے۔ شاہ اسمٰعیل اور سید احمد شہید
...کے پیروکاروں نے ایک لمبے عرصے تک انگریزوں کو ناکوں چنے چبائے اور انگریز ہمیشہ اس
...سے خائف رہے۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک کے بعد ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی میں شامل
...لوگوں نے اس جانفشانی سے جنگ لڑی کہ انگریز حیران و ششدر رہ گئے۔ جنرل احمد اللہ
...اور جنرل بخت کے مجاہدانہ کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہ سب کچھ
...انگریزوں کو جہاد سے خائف کر دینے کے لیے کافی سے زیادہ تھا۔ انگریز در پردہ مسلمانوں سے
...اور خوف زدہ تھے جس کا عملی ثبوت پانچ مقدمہ ہائے سازش میں انگریزوں کا طرزِ عمل ہے
...علمائے کرام کو سزائے موت دی گئی۔ اور علمائے حق نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس سزا کا
...استقبال کیا۔ مقدمہ انبالہ (۱۸۶۴) میں مولانا یحییٰ علی صادق پوری کو سزائے موت ملی۔ جن کے بارے
...فیصلہ دیتے ہوئے کہا گیا۔ کہ " یہ شخص ایک موروثی باغی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاد کی
...تبلیغ کرتا ہے اور اپنی سازش سے برطانوی ہند کو ایک خطرناک سرحدی جنگ میں دھکیل دینا
...چاہتا ہے۔"

...مولانا یحییٰ علی اسلام کی وہ نامور شخصیت ہے جن کی سزائے موت اس لیے عمر قید میں تبدیل
...کی گئی کہ وہ موت کو عزیز رکھتے تھے۔ جن کی داڑھی کے بال کمرۂ عدالت میں اہانتاً کتر دیئے گئے
...کترے ہوئے بال اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ " تو مجھ بد نصیب سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے کہ مجھ سے
...پہلے خدا میں کتری گئی ہے " اسی سازش کیس میں مولانا عبدالرحیم صادق پوری اور میاں عبدالغفار کو
...عمر قید کی سزائیں دی گئیں۔ ان دونوں حضرات نے ۲۸، ۲۸ برس کی قید کاٹی

...دوسرے ہی برس یعنی ۱۸۶۵ میں " پٹنہ سازش کیس " نے انگریزوں کو پریشان کر دیا جس میں
...شہید کے خلیفہ مولانا احمد اللہ صادق پوری کو سزائے موت دی گئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل
...کالے پانی میں ہی آپ نے موت کو خوش آمدید کہا۔ پٹنہ سازش کیس کے بعد پھر ۱۸۷۰ء میں
...سازش راج محل میں ابراہیم منڈل کو عمر قید کے علاوہ ضبطی جائیداد کی سزا ملی۔ ۱۸۷۰ء میں مالوہ

سازش کیس میں مولوی امیر دین کو مجاہدین کی اعانت کی بنا پر عمر قید کی سزا ملی۔ پانچواں مقدمہ پٹنہ سازش کیس ۱۸۷۱ء میں ہوا اس مقدمے میں سات افراد ملزم تھے۔ امیر خان اور اس کے پانچ ساتھیوں کو ... کے خلاف سازش کرنے کی پاداش میں عمر قید کی سزا ملی۔

ان سازشوں نے انگریزوں کی آنکھیں کھول دیں اور وہ اس کا توڑ سوچنے لگے۔ بالآخر یہ توڑ مرزا غلام احمد اور اُن کی اُمت کی شکل میں ملا۔ جسے انہوں نے اپنے مفاد کے لیے استعمال کر کے تمام کارناموں کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو ہندوستان کے غیور مسلمانوں نے انگریزی اقتدار کا اتارنے میں سرانجام دیئے تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سچ فرمایا کرتے تھے کہ

"انگریز سے بڑھ کر اسلام اور اہل اسلام کا دشمن اس دھرتی نے آج تک پیدا نہیں کیا۔ یہ ظالم کم گہرے پانی سے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتا ہے۔ احسان جتاتا ہے۔ دوست ہونے کا یقین دلاتا ہے اعتماد بحال کرتا ہے اور پھر ایسے گہرے پانی میں دھکیل دیتا ہے جہاں سے بچ کر نکلنا محال ہو جائے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم اگر کوئی شخص فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر آسمان سے زمین پر نازل ہو۔ آبِ زمزم سے ہر روز غسل کرے اور غلافِ کعبہ کا لباس زیب تن کرے لیکن انگریزوں کی اطاعت کا دم بھرے تو اس کی مخالفت کرنا میں جزوِ ایمان سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انگریز سب سے بڑا دشمنِ اسلام ہے۔" جس کے فوراً بعد آپ کا قلندرانہ نعرہ فضا میں گونجتا۔ دشمن اسلام

"لعنت بر پدرِ فرنگ"

نواں باب

چند تاریخی دستاویزات

- مرزا صاحب کا ایک عدالتی بیان
- تاریخی فیصلہ ۸ راکتوبر (۱۹۰۴ء)
- حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ (۱۹۰۳ء)
- مرزا صاحب کے صحابی کا ایک تاریخی خط
- حضرت مولانا محمد حسن کا عربی میں وہ بے نقط قصیدہ جو مرزا صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا جسے نہ وہ پڑھ سکے اور نہ ترجمہ کر سکے۔

"یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ جنگِ آزادی میں میرا حصہ کیا ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں نے لاکھوں ہندوستانیوں کے ذہن سے انگریز کو نکال پھینکا ہے۔ میں نے کلکتہ سے خیبر تک اور سری نگر سے راس کماری تک دوڑ لگائی ہے۔ وہاں پہنچا ہوں جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی۔ رہا یہ سوال کہ آزادی کا کون سا تصوّر ہے جس کے لیے لڑتا رہا، تو سمجھ لیجیے کہ "اپنے ملک میں اپنا راج، فی الحال جو مسئلہ درپیش ہے وہ کسی مُثبت تصوّر کا نہیں، منفی تصوّر کا ہے۔ ہمارا پہلا کام ہے کہ غیر ملکی طاقت سے گلو خلاصی ہو۔ اس ملک سے انگریز نکلیں۔ نکلیں کیا نکالے جائیں، تب دیکھا جائے گا کہ آزادی کے خطوط کیا ہوں گے۔ آپ تو نکاح سے پہلے چھوہارے بانٹنا چاہتے ہیں پھر میں کوئی دستوری نہیں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا۔ اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سوّر بھی میری مدد کریں تو میں اُن کا مُنہ چُوم لُونگا۔ میں تو اُن چیونٹوں کو شکر کھلانے کو تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں۔ خدا کی قسم میرا ایک ہی دُشمن ہے۔ "انگریز" اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی، ہمیں غلام رکھا۔ مقبوضات پیدا کیے۔ خیرہ چشمی کی حد ہو گئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لیے جعلی نبی پیدا کیا۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بیٹے کی طرح پال رہا ہے۔"

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

مرزا غلام احمد کا عدالتی بیان

مقدمے بازی کے باب میں آپ حکیم نوردین کا عدالتی بیان پڑھ چکے ہیں ذیل میں ہم مرزا صاحب کا وہ تاریخی عدالتی بیان پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار "الحکم" کی طرف سے بطور گواہ صفائی عدالت میں پیش ہو کر دیا تھا۔ یعقوب علی تراب مرزا صاحب کا خاص مرید تھا جس نے خود مرزا صاحب کے ایماء پر یہ مقدمہ مولانا کرم دین دبیرؒ اور اُن کے ساتھی مولوی فقیر محمدؒ مالک اخبار سراج الاخبار کے خلاف دائر کیا تھا۔ مقدمہ کا ذکر پہلے آچکا ہے

جواب مولوی کرم الدین

مقدمہ یعقوب علی تراب ایڈیٹر و مالک اخبار "الحکم"
بنام ابوالفضل مولوی کرم دین و مولوی فقیر محمد مالک اخبار "سراج الاخبار"
بیان مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضیٰ مغل عمر ۶۵ سال پیشہ زمینداری سکنہ قادیان

میں مستغیث کو دس گیارہ سال سے جانتا ہوں وہ میرا مُرید ہے۔ "الحکم" اخبار مستغیث کی ہے اس کے اپنے پریس سے نکلتا ہے۔ اس پریس کا نام معلوم نہیں ہے (الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۴ء دکھایا گیا) یہ اخبار مطبع انوار احمدیہ سے نکلتا ہے[1] یہ مطبع میرے نام سے منسوب ہے۔ بحیثیت مسیح و مہدی کے میرا لقب حکم بھی ہے۔ نام اخبار میں وہی لفظ ہیں (روئیداد جلسہ مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء والے نمبر ۱۳ مقدمہ دفعہ ۴۲۰ کا صفحہ ۳ دکھایا گیا۔) اس کی سطر ۱۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی اخبار جاری کرنے کی تجویز ہوئی تھی۔ نیز مطبع کے صفحہ ۲۰ سے

---

[1] مرزا صاحب نے حالانکہ پہلے یہ کہا کہ وہ نہیں جانتے کہ کس مطبع سے اخبار شائع ہوتا ہے۔

سے ظاہر ہے کہ ایک پرچہ اخبار بھی شائع ہوا کرے گا۔ اس تجویز کے بعد پہلے الحکم قادیان سے شائع ہوا۔ اور بعدہٗ "البدر" یاد نہیں کتنا عرصہ بعد "الحکم" کے البدر جاری ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ "البدر" کو جاری ہوئے کتنا عرصہ گذرتا ہے (نوٹ۔ پہلے گواہ نے کہا تھا کہ شاید آج سے دو سال پیشتر "البدر" شائع ہوا تھا) معلوم نہیں الحکم کا مطبع کبھی میرے مکان میں رہا ہو۔ کسی پریس واقع قادیان سے میرا ذاتی تعلق نہیں ہے[1]۔ میں "الحکم" میں الہامات شائع نہیں کراتا۔ عام طور پر لوگ شائع کر دیتے ہیں۔ شاذ و نادر کوئی مضمون میں کبھی کبھی شائع کر دیتا ہوں (مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۹ دکھایا گیا) سطر نمبر ۷ میں درج ہے کہ میں نے شائع کیا جو مجھ پر خواب آئی اور مجھے الہام ہوا۔ اس کے ظہور سے پہلے اخبار الحکم میں میں اخبار نویسی کو معزز اور راست بازی کا پیشہ سمجھتا ہوں۔ کسی ایڈیٹر کی نسبت جس نے کوئی خلاف واقعہ امر نہیں لکھا۔ یہ کہنا کہ اس نے جھوٹ لکھا ہے اس سے اس کی توہین ہوتی ہے۔ اور اگر خلاف واقعہ لکھا ہے۔ تو اس کی کوئی توہین نہیں۔ جو ایڈیٹر سچے واقعات لکھتا ہے اور دوسرا جھوٹے واقعات لکھتا ہے، دونوں کی حیثیت میں فرق ہوگا۔ اول الذکر قابل عزت ہوگا۔ آخر الذکر قابل عزت نہیں ہے۔ جو ایڈیٹر جھوٹے واقعات عمداً لکھنے میں شہرت پا چکا ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ تو نے جھوٹے واقعات لکھے ہیں اس کی توہین نہیں ہوتی ہے۔ یہ مقدمہ غالباً میرے مشورہ سے دائر ہوا ہوگا[2]۔ گو اچھی طرح سے یاد نہیں ہے۔ دینی امور میں میرے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ خانگی امور میں اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ میں نے اس مقدمے میں کوئی چندہ اپنی طرف سے نہیں دیا۔ لیکن جو چندہ اس سلسلہ میں وصول ہوتا ہے اس میں سے کسی نے دے

---

[1] عدالت کے اس نوٹ سے مرزا صاحب کی راست بازی آشکارا ہوتی ہے۔

[2] سبحان اللہ! کیا واضح فقرہ ہے۔ پیغمبر کی بجائے کسی سیاست دان کا انداز معلوم ہوتا ہے۔

دیا ہو تو مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس امید پر کہ مستغیث میرا مُرید ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ وہ مقدمہ داخل دفتر کرانے کی بابت میرا کہنا مان لے گا۔ اشتہار ۱۴ر جون ۱۹۰۴ء مدخلہ ملزم میری طرف سے ہے۔ اس نے میرے اوپر جہلم میں مقدمہ کیا تھا۔ اس میں مستغیث حال بھی ملزم تھا۔ میں نے سُنا تھا کہ غلام حیدر تحصیلدار واسطے انتظام کے بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر آیا تھا۔ میری دانست میں دس ہزار آدمی جمع ہوئے تھے۔ کئی سو آدمی مرد و عورت جہلم میں میرے مُرید ہو گئے تھے۔ غلام حیدر نہیں ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ غلام حیدر نے عدالت کو میرے مُرید دکھلائے تھے یا نہیں۔ (اخبار عام ۲ر فروری ۱۹۰۲ء دکھایا گیا) اس کے صفحہ ۴-۵ پر مضمون "جہلم کی غلط فہمی" میرا ہے۔ اس میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ "پھر تحصیلدار غلام حیدر نے حاکم عدالت کو وہ ہزارہا آدمی دکھلائے جو میرے دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ تقریباً ۲۰ ہزار آدمی ہوں گے اس وقت میرے مرید دو لاکھ سے زائد ہوں گے۔ (تحفہ غزنویہ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۰۲ء دکھایا گیا۔) اس کے صفحہ ۷ اپر درج ہے۔ ۳۰ ہزار آدمیوں کی جماعت

٭ مرزا صاحب اپنے مریدوں کی تعداد کے بارے میں کسی ایک بات پر قائم نہیں رہے۔ یہ کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ جب منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار انکم ٹیکس کے مقدمے کی تحقیقات کے لیے قادیان گیا۔ تو اس وقت میں مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کی تعداد صرف ۳۱۸ بتائی تھی لیکن جب مرزا صاحب کی کتاب تحفہ الندوہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تو مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی۔ پھر ۱۹۰۲ میں مواہب الرحمٰن شائع کی گئی تو ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء میں تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی۔ پھر ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء کو اخبار الحکم میں تعداد دو لاکھ بتائی گئی۔ گویا تین ماہ میں تعداد ایک لاکھ بڑھ گئی۔ لیکن ۱۰ر جولائی ۱۹۰۳ء کے دن الحکم میں جب مرزا جی کی تقریر چھپی تو اس میں مریدوں کی تعداد تین لاکھ بتائی گئی۔ لیکن پھر ۶ر جولائی ۱۹۰۴ء کو اپنے بیان حلفی میں مرزا صاحب مریدوں کی تعداد پھر ۲ لاکھ بتاتے ہیں۔ اگر یہ بیان درست ہے تو اس سے پہلے الحکم والی تعداد جو تین لاکھ بتائی گئی تھی کیا تھا۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔

اب میرے ساتھ ہے۔ یہ کتاب میری تصنیف ہے (تحفہ گولڑویہ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء دکھایا گیا) اس میں لکھا گیا ہے کہ میری امت میں سے تیس ہزار کا نام خود دجّال رکھا ہے۔ اس وقت تیس ہزار آدمی میرے مرید تھے (تحفہ الندوہ مطبوعہ ۶ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کا صفحہ دکھایا گیا) اس میں لکھا گیا ہے کہ تعداد مریدین ایک لاکھ سے زیادہ ہے مختلف مقامات میں۔ یہ کتاب میری تصنیف ہے نیز تحفہ گولڑویہ (مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۰ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے کہ جماعت ہماری ان تین برسوں میں ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ کتاب ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کی ہے اور میری تصنیف ہے (الحکم ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کا صفحہ ۱۰ دکھایا گیا) اس میں بڑے مردم شماری کے کاغذات کے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت تین سو تیرہ ہیں یا ایک لاکھ کے قریب ہے۔ میں نے کاغذات نہیں دیکھے میں نے اندازاً کہا ہے (الحکم ۱۷۔ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱ دکھایا گیا) اس میں لکھا ہے کہ ۱۰ فی صد بھی الحکم لینے والے ہوں تو دو لاکھ کی جماعت میں الحکم کی اشاعت بیس ہزار ہونی چاہیئے (الحکم ۱۰۔ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۸ دکھایا گیا) اس میں تعداد ہماری جماعت کی تقریباً تین لاکھ لکھی ہے (الحکم مذکور دکھایا گیا۔ اس میں بطور تقریر میری کے لکھا ہے ایک واقعہ کا اظہار دکھایا گیا ہے۔) اس میں تعداد مریدان دو لاکھ سے زیادہ لکھی ہے۔ یہ ۱۴ر جون ۱۹۰۴ء کی تصنیف میری ہے۔ میرے پاس کوئی رجسٹر مریدان[1] نہیں۔ لیکن مولوی عبدالکریم نے ایک ایسا رجسٹر چند ماہ سے بنوایا تھا۔ شاید ۱۰ ماہ سے بنوایا ہے۔ مریدان آمدہ سے تعداد معلوم ہوتی ہے مسمی شہاب الدّین موضع بھین میں میری مریدی ظاہر کرتا ہے وہ ملزم کا شاگرد ہے۔ میں نے صرف سنا ہے کہ شہاب الدّین مریدی کے خط بنام مولوی عبدالکریم بھیجتا رہا ہے۔ شہاب الدّین قادیان میں ہرگز نہیں آیا نہ اُس نے مجھے مریدی کا خط لکھا

---

[1] اگر رجسٹر نہیں تو پھر یہ تعداد کہاں سے اخذ کی جاتی ہے۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہے (الحکم مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ دکھایا گیا) اس میں شہاب الدین سکنہ بھین کا نام زیر بیعت درج (الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء دکھایا گیا) اس میں چند نام سکنہ بھین کے درج ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔ دستخط حاکم ۶ رجولائی ۱۹۰۴ء الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱ کالم اول پر جس خط کا ذکر ہے معلوم نہیں کہ یہ خط میرے نام آیا تھا۔ یا مولوی عبدالکریم کے نام۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ میں نے کہا یا نہیں کہ اس کو کہہ دو کہ تمہاری دھمکی تم پر ہی پڑے گی یا دوسرے مولویوں پر۔ جو دوسرے مولویوں پر پڑا ہے وہی تم پر پڑے گا۔ الحکم ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے اخبار سراج الاخبار کے پرچے یعقوب علی کے نام پہنچے تھے اور میرے روبرو ہی پڑھے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے کرم دین نے ایک خط میرے نام لکھا تھا جو ۲۱ جولائی ۱۹۰۲ء کا تھا کہ پیر مہر علی شاہ نے جو کتاب "سیف چشتیائی" بنائی ہے وہ مولوی محمد حسن بھین کے نوٹ چرا کر بنائی گئی ہے۔ اب ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا مضمون جو کرم دین نے شائع کیا ایسا ہی ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا اس میں لکھا گیا تھا کہ وہ خطوط جعلی ہیں میری طرف سے نہیں ہیں۔ جب کرم دین کے نام سے وہ مضمون تھا تو یقین کیوں نہ ہوتا۔ مجھے کوئی نظیر یاد نہیں ہے کہ ایک اخبار کا ایک شخص نامہ نگار بھی اور ہفتہ دار اخبار بھی پہنچتی ہو۔ پھر دوسرا شخص اس نام سے مضمون چھپوائے اور وہ اس حال تک خاموش رہے کتاب "حقیقت المہدی" میری بنائی ہوئی ہے۔ صفحہ ۱۵ اس کا میں نے دیکھ لیا ہے۔ عبارت ذیل اس میں درج ہے اور گندی گالیوں کے مضمون اپنے ہاتھ سے لکھے اور محمد بخش جعفر زٹلی لاہوری اور ابوالحسن تبتی کے نام سے چھپوا دیئے۔ ایسا کرنے والا محمد حسین تھا۔ "نزول المسیح" صفحہ ۶۷ پر عبارت ذیل حاشیہ پر درج ہے۔ میں نے بھی اسی قدر مضمون لکھا تھا کہ مجھے آج ۲۶ رجولائی ۱۹۰۲ء کو موضع بھین سے میاں شہاب الدین دوست مولوی محمد حسن بھین کا خط ملا اس خط کا لفافہ مولوی عبدالکریم کے نام تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ خط مولوی

عبدالکریم نے مجھے دیا یا نہیں پڑھا گیا تھا۔ نزول المسیح صـ۷۲ پر درج ہے کہ شہاب الدّین کچھ ارادت رکھتا ہے اس لیے پیر مہر علی کے سرقہ کے برآمد کرانے کی کچھ کی۔ اس خط کے علاوہ میرے نام اور کوئی خط نہیں آیا۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ ملزم کرم دین کا خط میرے نام آیا تھا اور اس کا لفافہ میرے نام تھا۔ وہ خط پڑھ کر میں نے مولوی کرم دین کو دے دیا۔ "سراج الاخبار" مورخہ ۶ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶ کالم اوّل میں راقم مضمون لکھتا ہے کہ "الحکم" کا پرچہ ایڈیٹر نے اس کے پاس نہیں بھیجا۔ اس بات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جھوٹے اور فرضی خط میرے اور میرے شاگرد میاں شہاب الدّین کے نام سے اس اخبار میں درج کیے ہیں۔ اس اخبار کے صفحہ ۶ سطر ۳ میں لفظ 'اور' کا کلمہ ابتدائیے کے واسطے سے ہے عطف کے واسطے نہیں۔ پچھلے فقرے کے ساتھ اور کسی بعد کے فقرے کا تعلق ہے' میں نہیں جانتا کہ اور کس قسم کا ہے۔ اگر اور کا کلمہ عطف کا ہو تو اس کے مابعد کا جملہ معطوف اور یہ جملہ معطوف علیہ ہوگا۔ ہر حال میں معطوف تابع معطوف علیہ کا نہیں ہوتا۔ سطر تین میں 'اور' کے لفظ کے مابعد کا جملہ پہلے جملہ کا تابع نہیں ہے۔ مابعد والے میں زیادہ بیان ہے ماقبل میں کم جھوٹ اور افتراء کلام کے مفہوم سے تعلق رکھتا ہے' جو انہیں الفاظ سے نکالا جاتا ہے۔ اخبار "سراج الاخبار" ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵ میں یہ شعر ہے

کچھ جھوٹے خطوط گھڑ کے خود ہی
یہ خبر ہے ملک میں اُڑائی
پہنچے ہیں خطوط مجھ کو جہلم سے
فیضیؔ کی ہے ہتک جن میں پائی

اُن خطوط کا ذکر ہے جن میں فیضی کی ہتک پائی گئی ہے۔ ان دو شعروں میں انہیں دو خطوط کا گھڑنا لکھا ہے۔ صفحہ ۵ میں جو اشعار ہیں ان میں صرف انہیں خطوط کا ذکر ہے جن میں فیضی کی ہتک پائی جاتی ہے۔

۔ جو خط شہاب الدین کا ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کے "سراج الاخبار" صفحہ ۶ پر چھپا ہوا ہے کہ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ کسی فتنہ باز نے محض شرارت سے یہ چالبازی کی تھی کہ خداوند کریم کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اس قسم کی عادت سے بیزار ہوں۔ میں نے کوئی خط نہیں لکھا جس میں یہ لکھا گیا کہ مولوی صاحب مرحوم کی موت ایسی ہوئی۔ تو اس عبارت میں راقم خط اس خط کو چالبازی قرار دیتا ہے اور اس کے لکھنے سے انکار کر دیتا ہے جو "الحکم" میں فیضی کی ہتک کے بارے میں چھپا یا نہیں (وکیل استغاثہ اس سوال کے بارے میں اعتراض کرتا ہے مگر جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی تائید میں وہ قطعی مخالفت نہیں کرتا۔ اس لیے سوال پوچھنے کی اجازت دی گئی۔ حوالہ جلد ۶ الہ آباد صہ ۲۲)

۔ اس خط میں شہاب الدین اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کوئی خط میرا بھیجا گیا ہو جو 'الحکم' میں درج کیا گیا ہو جس میں مولوی محمد حسن کی ہتک لکھی گئی ہو۔ یاد نہیں کہ جس وقت مضمون نظم سنایا گیا تھا اس وقت خط بھی سنایا گیا تھا کہ نہیں میں نے شہاب الدین کو ملزم گردانے جانے کا مشورہ نہیں دیا۔

دستخط حاکم

اس پر عدالت کے وقت ختم ہونے کی وجہ سے مقدمہ کی کاروائی ۱۸ر جولائی سے ۲۰ر جولائی پر ختم ہو گئی۔ جس کے بعد ۲۰ر جولائی کو مرزا صاحب کا بیان جاری رہا جو درج ذیل ہے۔

ہماری آنکھوں میں درد ہے اس لیے بواجہ اور سماعت خود مسل خواں سے بیان تحریر کرایا۔ دستخط حاکم ۲۰ جولائی ۱۹۰۴ء

فریقین حاضر۔ مولوی کمال الدین و منشی محمد علی وکلاء استغاثہ

گواہ صفائی نمبرا۔ باقرار صالح۔ مرزا غلام احمد

میں نے کرم الدین ملزم کو کبھی لکھتے ہوئے نہیں دیکھا جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے اس سے پہلے کوئی خط و کتابت ملزم کے ساتھ میری نہیں ہوئی۔ میں ملزم

کے خط کو پہچان بھی سکتا۔ بیان مورخہ ۱۹ر اگست ۱۹۰۲ء بمقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین روبرو رلائے چند و لعل صاحب میں نے سُن لیا۔ وہ بیان میرا ہے اور دُرست ہے۔ ای نمبر ۳ میں نے پڑھ لیا ہے اس میں پہلا خط میرے نام ہے اور دوسرا مولوی عبدالکریم کے نام۔ میں نے کوئی خط مشمولہ خط اوّل ہاتھ سے نہیں لکھا، لکھوا دیا تھا۔ مولوی عبدالکریم نے لکھا۔ اس واسطے میں نے کہا ہے کہ میرا قاعدہ ہے کہ انہیں سے یعنی مولوی عبدالکریم سے ہر خط لکھوا دیا کرتا ہوں مجھے یاد نہیں کہ میں نے پہلے کوئی خط مولوی عبدالکریم سے لکھوایا ہو اگر لکھا ہوگا تو میری اجازت سے لکھا ہوگا۔ مجھے کوئی یاد نہیں کہ کوئی خط میرے سے آیا کہ نہیں۔ کارڈ پی نمبر ۵ وہ کارڈ ہے جو مولوی کرم دین کے خط میں مجھ کو ملا جو ۲۱ر جولائی ۱۹۰۲ء کو لکھا ہے (پہلے یہ کہا تھا کہ یہ کارڈ پی نمبر ۵ پیر مہر علی شاہ کے خط میں پہنچا) نزول مسیح صہ ۶۸ سطر ۱ پر یہ عبارت درج ہے اور بلکہ اس خود پیر مہر علی شاہ کا دستخطی ایک کارڈ بھیج دیا تھا"۔ اس فقرہ سے مُراد شہاب دین ہے۔ اس کارڈ سے مراد پی نمبر ۵ ہے۔ ضلع جہلم میں میرے مُرید ہیں مجھے زبانی یاد نہیں کہ تحصیل چکوال میں میرے مُرید ہیں یا نہیں۔ کتاب ضمیمہ رسالہ انجام آتھم میری کتاب ہے یعنی میری تصنیف ہے۔ مضمون اس کا درست۔ پیسہ اخبار مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۱ء میں جو مضمون عبدالعزیز نمبردار کی طرف سے ہے یہ عبدالعزیز میرا مرید تھا۔ پھر برگشتہ ہو گیا۔ جو اس کی طرف سے مضمون[1] ہے میری توہین ہے

---

[1] یہ مضمون جو منشی نبی بخش یا عبدالعزیز نے پیسہ اخبار میں مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۰-۱۱ پر ہے۔ تازیانہ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین صفحہ ۳۸ تا ۴۰ سے قارئین کی دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ملاحظہ فرمائیں:۔ "منشی عبدالعزیز یا نبی بخش نمبردار بٹالہ مرزا صاحب کے وہ مقرب مرید ہیں جن کا انجام آتھم" میں بزمرۂ ۳۱۳ مریدوں میں درج ۱ کیا ہے جن کو بمنزلہ اصحاب بدر قرار دیا گیا ہے بدری صحابی نے جو پوست کندہ حالات مرزا جی اور اُن کے درباریوں کے لکھے ہیں اس سے مسیحیت کی قلعی کھلتی ہے۔ اس لیے اس مرید خاص کا وہ مضمون جو پیسہ اخبار مطبوعہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۱ پر درج ہے باصلہا ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ پرچہ شامل مِسل ہو چکا ہے"۔
یہ خط اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

بقیہ بیان مرزا صاحب

بجواب وکیل استغاثہ خواجہ کمال الدّین

پی نمبر۴ وہی خط ہے جو ڈاک میں میرے نام آیا اور مجھے ملا تھا۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ یہ جعل میں نے نہیں کیا۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ پیر صاحب کا ایک کارڈ جو مجھے پرسوں ہی پہنچا ہے باصلہا جناب کے ملاحظہ کے لیے روانہ کر دیا۔ جس میں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولوی محمد حسن کے نوٹ اُنہوں نے چرا کر "سیف چشتیائی" کی رونق بڑھائی ہے۔ لفافہ اس کا میرے پاس نہیں ہے۔ خط پی نمبر۴ میں لکھا ہے کہ کل میرے عزیز دوست میاں شہاب الدّین طالب علم نے مجھے ایک خط رجسٹری شدہ مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے دیا۔ جس میں پیر صاحب گولڑوی کی "سیف چشتیائی" کا ذکر تھا۔ میاں شہاب الدّین کو خاکسار نے ہی اس امر کی اطلاع دی تھی اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ میاں شہاب الدّین کی طرف سے بعد السّلام علیکم مضمون واحد ہے پی نمبر۳ میں درج ہے دُوسرے خط میں گولڑوی کا کارڈ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مولوی کرم دین صاحب کو روانہ کیا ہے ملاحظہ ہو۔ پیر مہر علی شاہ سے براہِ راست میری خط و کتابت نہیں۔ جو دو لاکھ یا زیادہ میں نے مُرید لکھائے ہیں ان میں سے بہت تھوڑے یعنی دو سو یا تین سو سے کم ایسے مُریدین ہوں گے جن کو پوری طرح سے شناخت کرتا ہوں۔ کتاب "تحفہ گولڑویہ" میں نے سنہ۱۹۰۰ء میں لکھنی شروع کی اور اکثر حصہ اُس سن میں چھپ گیا۔ یاد نہیں کس ماہ میں۔ کتاب واقعاتِ ضمیمہ مطبوعہ نومبر سنہ۱۹۰۰ء کا مؤلف منشی محمد صادق میرا مرید ہے۔ اشتہار جو صفحہ ۵ — ۵۲ پر درج ہے وہ میں نے دیا ہے۔ اُنہی دنوں میں یعنی ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء میں۔ اس میں یہ درج ہے کہ میں نے پیر مہر علی شاہ کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام میں "تحفہ"

گولڑویہ" رکھا ہے۔ اخبار "الحکم" ۳۱ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۵ کالم ۳ پر فقرہ ذیل درج ہے۔" امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے رسالہ" تحفہ گولڑویہ" نے ہمیشہ کے لیے پورا کر دیا ہے۔ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۵ پر ۳۰ ہزار آدمی کا ذکر کیا ہے۔" الحکم" ۱۰ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ پر ذیل کی عبارت درج ہے۔ حضرت اقدس وغیرہ وغیرہ اور تحفہ گولڑویہ کی تصنیف کے کام میں مصروف ہیں۔ تحفہ مذکور ۴۶ صفحہ پریس میں جا چکا ہے۔" الحکم" مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۳ پر درج ہے۔ تحفہ گولڑویہ عنقریب تیار ہوا چاہتا ہے۔ اب خاتمہ لکھا جا رہا ہے امید کی جاتی ہے کہ ۱۵ نومبر تک ختم ہو کر شایع ہو گا۔ الحکم ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۶ کالم ۳ پر درج ہے۔ تحفہ گولڑویہ کا کام آج کل چند روز کے لیے ملتوی ہے۔ اس کے بعد بند پڑا رہا۔ اور پھر ۱۹۰۲ء میں شایع ہوا۔ "تحفہ غزنویہ" بھی ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی اور ۱۹۰۲ء میں شایع ہوئی۔ "الحکم" ۱۶ جولائی ۱۹۰۰ء صفحہ ۸ کالم اوّل میں لکھا ہے۔ عبد الحق غزنوی کے اشتہار کی حقیقت کھولنے کے لیے حضرت اقدس نے تحفہ غزنویہ نام ایک رسالہ چھاپنا شروع فرمایا۔ الحکم، ۱۰ ستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ میں لکھا ہے۔ تحفہ غزنویہ عبد الحق غزنوی امرتسری کے جواب میں لکھا گیا۔ ایک بے نظیر رسالہ ہو گا۔ اس رسالے کا بھی بہت بڑا حصہ طبع ہو چکا ہے۔" تریاق القلوب" میری تصنیف ہے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شایع ہوا۔ اس کے صفحہ ۱۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفحہ ۱۸۹۹ میں لکھا گیا۔ الحکم" ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۳ کالم ۳ پر ایک مضمون شروع ہوتا ہے جس کا عنوان یہ ہے' ۱۸۹۹ میں ایک نذیر' اس کے نیچے ایک عنوان ہے۔ تصنیف و تالیفات۔ اس میں یہ درج ہے۔ ایسا ہی کتاب تریاق القلوب وغیرہ وغیرہ چھپنی شروع ہوئی۔ میرے مریدوں کی تعداد ۱۸۹۸ میں بڑھنی شروع ہوئی اور کثرت خاص کر ۱۹۰۳ء - ۱۹۰۴ء میں ہوئی اور اعلان مریدوں کو بیعت میں داخل کرنے کا ۸۹-۸۸ میں کیا تھا۔ کتاب براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے جس کو عرصہ ۲۲ یا ۲۳ کا ہو گیا ہے۔" دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے

قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔" حملوں سے مُراد طاعون کا زمانہ ہے۔ "الحکم" نمبر ۱ جلد ۱ مورخہ ۸ ر اکتوبر ۱۸[illegible]۷ء اوّل مرتبہ امرتسر سے شائع ہوا۔ اس کا ساتواں دستور العمل یہ ہے "جملہ خط و کتابت و ترسیل زر ڈاک خانہ کے قواعد کے مطابق شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر و پروپرائیٹر 'الحکم' امرتسر کے نام ہونی چاہیئے اور اُن کی دستخطی رسید وغیرہ مصدقہ ہوگی۔" البدر نمبر ۱ جلد ۱ - ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ پیسہ اخبار میری ہمیشہ مخالفت کرتا ہے۔ ضمیمہ سحنہ ہند میں میری مخالفت ہوتی ہے۔ جعفر زٹلی ہمیشہ ہمیشہ کا مخالف ہے۔ ان اخباروں میں جو 'الحکم' کی مخالفت ہوتی ہے وہ میری مخالفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ 'الحکم' ۳۱ ر اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ کالم ۲، ۳ میں جو اعلان نسبت خارج ہونے نبی بخش نمبردار بٹالہ کا ہے وہ درست ہے۔ 'پیسہ اخبار' مورخہ ۱۹ ر نومبر ۱۹۰۱ء میں نبی بخش المعروف عبد العزیز نے میری مخالفت میں لکھا ہے۔ 'الحکم' ۱۳ ر ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۳ کالم ۳ پر جو جلی قلم سے جو اخبار 'الحکم' کے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت خواہ وہ ترسیل زر کے متعلق ہو یا کسی قسم کی شکایت پر مبنی ہو خواہ کسی اصلاح کاری کے لیے ہو وہ خاکسار ایڈیٹر کے نام آنی چاہیئے حضرت اقدس کے نام مطلق نہ ہو۔ کیونکہ حضرت اقدس کو بحیثیت مالک یا منیجر ہونے کے اخبار سے تعلق نہیں ہے

بجواب مولوی کرم دین ملزم

پی نمبر ۴ کو میں مضمون کے لحاظ سے شناخت کرتا ہوں کہ یہ وہی خط ہے جو کرم دین نے میرے نام بھیجا اور جو نزولِ مسیح کے صفحہ ۷۵ پر درج ہے۔ لفافہ اس خط کا ضائع ہو گیا ہے۔ یہ خط ۲۱ ر جولائی ۱۹۰۴ء کا لکھا ہوا تھا اور ۲۵، ۲۶ ر جولائی ۱۹۰۴ء کو پہنچا ہوگا۔ جتنے پرچے 'الحکم' پیش ہوئے ہیں وہ میرے سامنے طبع نہیں ہوئے۔ ۱۸۹۸ء سے پہلے تعداد مریدان ایک ہزار سے بھی

کم تھی اور پھر ۱۸۹۹ میں دس ہزار ہوئی اور ۱۹۰۰ء میں تیس ہزار کے قریب ہوئی۔ کتاب ضرورۃ الامام صفحہ ۴۳ سطر ۱۲ پر عبارت ذیل درج ہے۔" اس فرقہ میں حسب فہرست منسلکہ ہذا تعداد تین سو اٹھارہ آدمی ہے"۔ یہ کتاب میری تصنیف ہے یہ نقل رپورٹ منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور کا مقدمہ عذرداری انکم ٹیکس تاریخ فیصلہ ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء ہے۔ ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ ۳۲ سطر ۸ پر میرے مریدوں کی تعداد ۸ ہزار لکھی ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو یہ تعداد درج ہوئی مجھے ذاتی علم ہے نسبت تحفہ گولڑویہ اور تحفہ غزنویہ کے لکھے جانے اور اکثر حصہ چھپ جانے کے جو ۱۹۰۰ء میں واقعہ ہوا۔ طاعون کا واقعہ قریب ۶ سال سے شروع ہوا ہے۔" مواہب الرحمٰن، صفحہ ۱۲۰ سطر ۳ کا ترجمہ ذیل ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ جماعت ابتدائی دنوں میں ۳۰۰ کے قریب تھی اسی پر درج ہے کہ ہماری جماعت انہیں سالوں میں ۱۹۰۰ء ۱۹۰۱ء ۱۹۰۲ء میں ایک لاکھ سے بڑھ گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

دستخط حاکم

(یہ بیان خود گواہ نے پڑھ لیا اور پڑھ کر درست تسلیم کرلیا)

تاریخی فیصلہ

(۸- اکتوبر ۱۹۰۴ء)

یہ عدالت کا وہ تاریخی فیصلہ ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو ۵۰۰/- روپے جرمانہ یا چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ مرزا غلام احمد نے بعد میں رحم کی اپیل کی جس کے نتیجہ میں سزا منسوخ ہو گئی لیکن عدالتی فیصلے میں بعض اہم باتیں منظرِ عام پر آئیں جو اس تحریک کفر و الحاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں اس لیے یہ فیصلہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

یہ تاریخی فیصلہ مولانا کرم دین دبیرؒ کی کتاب "تازیانۂ عبرت" سے لیا گیا ہے۔ مولانا مقدمات میں مرزا غلام احمد کے مدمقابل تھے

مرزا صاحب کے عدالتی بیان کا نمونہ آپ نے پڑھ لیا۔ اب اُس تاریخی مقدمے کا فیصلہ قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل آپ نے کتاب کے گذشتہ اوراق میں پڑھی اور جو مولوی کرم دین نے ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو لالہ سنسار چند کی عدالت میں دائر کیا اور جس کے نتیجہ میں اکتوبر ۱۹۰۴ء میں لالہ آتمارام مہتہ بی اے اکسٹرا اسسٹنٹ مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور کی عدالت سے مرزا صاحب کو سزا کے لائق قرار دیا گیا۔

فیصلہ

بعدالت لالہ آتمارام مہتہ بی اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور

مولوی کرم دین ولد مولوی صدرالدین آوان ساکن موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم

مستغیث

بنام

مرزا[1] غلام احمد و حکیم[2] فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ مستغاث علیہم

جرم زیر دفعہ $\frac{500}{501}$ ۵۰۲ تعزیرات ہند

یہ مقدمہ ۲۶ر جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں دائر کیا گیا اور اس ضلع میں بموجب حکم چیف کورٹ ۲۹ر جون ۱۹۰۳ء کو منتقل ہوا۔ اس مقدمہ میں ایک غیر معمولی عرصہ تک طول کھینچا۔ کسی قدر تو مجسٹریٹوں کی تبدیلیوں کی وجہ سے طوالت ہوئی اور زیادہ تر فریقین کی کارروائی کی طوالت کے باعث یہ مقدمہ ازالۂ عرفی کا زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ملزم نمبر۱ پر ہے اور زیر دفعہ ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیراتِ ہند ملزم ۲ پر۔ فریقین مسلمان[1] ہیں اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے شمشیر بکف ہیں مستغیث اس فرقے سے ہے جس کا سرپرست پیر مہر علی شاہ (صاحب) ساکن گولڑہ ضلع راولپنڈی ایک مشہور آدمی ہے۔ یہ فرقہ اپنے پرانے مذہبی اعتقادات کا پورا معتقد ہے۔ ملزم نمبر۱ ایک نئے فرقے جس کا نام احمدی یا مرزائی ہے، بانی اور مذہبی پیشوا ہے اور اس کے بہت سے مرید ہیں اس کا دعویٰ ہے کہ میں پیغمبر مسیح موعود ہوں اور خدا تعالیٰ سے مجھے مکالمہ حاصل ہے اور مجھے الہام یا وحی اُس کی طرف سے اُترتی ہے[2]۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ وقتاً فوقتاً پیش گوئیاں کرتا رہتا ہے۔ ملزم ۲ ملزم ۱ کے خاص مُریدوں میں سے ہے۔ نیز مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع گورداسپور کا مالک ہے۔ دوسرا فریق ملزم نمبر۱ اور اُس کے معاونین کے دعاوی کی تردید کرتا رہتا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں ملزم نمبر۱ یعنی مرزا غلام احمد نے ایک کتاب عربی زبان میں جس کا نام اعجاز المسیح (مسیح کا معجزہ) ہے طبع کی ہے

---

[1] زمانہ انگریز کا تھا اور حکومت مرزائیوں کو مسلمان سمجھتی تھی ورنہ قادیانیوں کا اسلام سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ ستمبر۷۴ ۱۹ء کی آئینی ترمیم سے حکومت پاکستان نے واضح کردیا ہے

[2] اب اس فیصلہ کے بعد لاہوری مرزائیوں کے پلے کیا رہ جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا نہیں صرف مجددیت کا دعویٰ کیا ہے کیا یہ الفاظ اُن کے اس دعویٰ کی تکذیب نہیں کرتے۔

اس میں اُس نے کل دنیا کو مخاطب کیا کہ اس کی فصاحت کے برابر کوئی شخص کتاب لکھ دے اور ساتھ ہی بطور پیش گوئی کے یہ دھمکی بھی دی کہ جو شخص ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ کریگا وہ زندہ نہیں رہے گا۔ مگر اس کے مقابلے میں پیر مہر علی شاہ ساکن گولڑہ نے ایک کتاب مسمیٰ بہ "سیف چشتیائی" چشتی کی تلوار تالیف کی اور شائع کی۔ اس کی تردید میں مرزا غلام احمد ملزم نمبرا نے ایک کتاب لکھنی شروع کی جس کا نام نزولِ مسیح (مسیح کا اترنا) رکھا۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد ملزم نے ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام "مواہب الرحمٰن" ہے جو ملزم نمبر ۲ کے مطبع ضیاء الاسلام واقع قادیان میں چھپی۔ یہ کتاب مقدمے کی اصل بنیاد ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے اور بین السطور فارسی میں ترجمہ کیا ہوا ہے مضمون بناء استغاثہ صفحہ ۱۲۹ پر درج ہے اور ذیل کا اقتباس جو لیا گیا ہے بناء استغاثہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں ملزم ا اس طرح سے لکھتا ہے۔

"میری نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک لئیم آدمی اور اس کے بہتانِ عظیم سے اطلاع دی ہے اور مجھے الہام کیا ہے کہ مذکورہ بالا آدمی میری عزت کو نقصان پہنچائے گا اور مجھے یہ خوشخبری بھی دی گئی تھی کہ وہ بدی لوٹ کر میرے دشمن پر پڑے گی جو کہ الکذاب المہین"

لئیم اور بہتانِ عظیم کے الفاظ اس عربی کتاب کی پانچویں اور آٹھویں سطر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مستغیث کی ازالہ عرفی کرتے ہیں اور ملزم نے مستغیث کی عزت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے چھاپے ہیں۔ ملزم نمبرا نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کتاب کا مصنف ہے اور یہ کہ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو چھاپی گئی اور ۱۷ر جنوری کو جہلم میں تقسیم کی گئی۔ اور یہ بھی اقرار کیا ہے کہ الفاظ زیر بحث مستغیث کی نسبت استعمال کیے گئے ہیں اور یہ الفاظ بنفسہٖ مزیل حیثیت ہیں۔ ملزم نمبر ۲

تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتاب اس کے مطبع میں اور اس کے زیر اہتمام چھاپی گئی ہے اور اس نے اس کی جلدیں فروخت کیں۔ فرد اقرار جرم برخلاف ملزمان زیر دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند مرتب کی گئی۔ ہر دو ملزم ارتکاب جُرم سے انکاری ہیں اور حسب ذیل صفائی پیش کرتے ہیں۔

"(الف) یہ کہ مستغیث نے اپنے آپ کو جھوٹا اور دھوکہ باز جعلساز اور بہتان گو وغیرہ "سراج الاخبار" جہلم کے مضمونوں میں جو اس نے ۶ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اخبار میں دیئے مشہور کرنے سے اپنی عزت ضائع کر دی اور یہ کہ جب اس کی عزت باقی نہیں رہی تو مستغیث کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ کہتا کہ عوام میں اس کی عزّت کم ہو گئی ہے کیونکہ کوئی عزت باقی نہ رہی تھی جو کم ہوتی۔

(ب) بفرض محال اگر مستغیث کی کوئی عزّت ہے تو بھی اس کا ازالہ ہو سکتا ہے تاہم زیر مستثنیات نمبر ۱، ۳، ۶، ۹، دفعہ ۹۹ تعزیرات ہند ملزم کا یہ کام درست اور حق بجانب ہے۔

(ج) الفاظ زیر بحث ان الفاظ کے جواب میں کہے گئے ہیں جو مستغیث نے خود 'سراج الاخبار' میں استعمال کئے ہیں۔"

آئندہ واقعات کے انکشاف اور مقدمہ کو آسان کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک مختصر بیان اُن واقعات کا لکھا جائے جو فریقین کے درمیان ہوئے۔ نزول مسیح تصنیف کے اثنا میں مرزا اور اُس کے دو مریدوں کو بھیں سے چند خطوط پہنچے جو مستغیث کی جائے سکونت ہے جو خطوط ایک دوسرے مقدمہ کی مسل میں شامل ہیں (فضل دین بنام کرم دین جرم زیر دفعہ ۴۲۰، تعزیرات ہند) اور جو بظاہر ثابت ہُوا کہ بعض تو اسی مستغیث کے لکھے ہوئے تھے اور کچھ مستغیث کے شاگرد شہاب الدین کے لکھے ہوئے تھے۔ (دیکھو فیصلہ عدالت ہذا بمقدمہ یعقوب علی بنام کرم دین و فقیر محمد) یہ خطوط حقیقت میں

ایک بڑی حکمت عملی پر مبنی تھے جو مرزا کی پیش گوئیوں اور الہاموں کے دعاوی کو آزمانے کے لیے برتی گئی۔[1] گو بظاہر ان سے یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ پیر مہر علی شاہ کی تصنیف "سیفِ چشتیائی" کے علمی سرقہ کے ظاہر کرنے میں معاون

---

[1] اس پر مصنف "تازیانہ عبرت" مولوی کرم دین نے حاشیہ پہ نوٹ تحریر کیا ہے جو یہاں تحریر کیا جاتا ہے :۔ "عدالت کا یہ نوٹ قابلِ غور ہے۔ مرزا جی کا مقدمہ بازی کا سوانگ کھڑا کرنے سے اصل منصوبہ یہ تھا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی مدظلہٗ کی نسبت یہ اتہام ثابت ہو کہ انہوں نے کتاب "سیفِ چشتیائی" میں مضامین فیضی کا سرقہ کیا ہے۔ مقدمہ بازی کی ساری تکالیف برداشت کرنے اور اخراجاتِ کثیر کا زیر بار ہونے کو مرزائی پارٹی نے صرف اس غرض کے لیے گوارا کیا تھا کہ عدالت میں اس امر کا فیصلہ کروانا مطلوب تھا اور اس امر کے ثبوت میں وہ خطوط شاملِ مسل کرائے گئے تھے جو مولوی محمد کرم دین صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے تھے (گو مولوی صاحب موصوف کو ان کے لکھنے سے انکار تھا) لیکن ہمیں سخت افسوس ہے کہ مرزا جی اور ان کی اُمت نے اس مدعا میں سخت ناکامی حاصل کی۔ عدالت نے تو یہ فیصلہ کیا کہ خطوط مولوی صاحب کے لکھے ہوئے ہیں گو عدالت کا ایسا قرار دینا بھی محض قیاسات پر مبنی تھا لیکن ساتھ ہی اس امر کا فیصلہ بھی فرما دیا کہ ان خطوط میں یہ لکھا جانا کہ پیر صاحب نے فیضی کے کسی مضمون کو "سیفِ چشتیائی" میں نقل کیا ہے محض مرزا کے الہام اور پیشگوئیوں کے امتحان کی غرض سے تھا کہ اس کے الہام اس کو اصلیت کا بھی کچھ پتہ دیتے ہیں یا نہیں۔ اب مرزائی دوست خود ہی اس امر کا فیصلہ کر لیں کہ ان کے پیر و مُرشد اس مقدمہ بازی میں جیتے یا ہارے۔ فیصلہ عدالت سے پیر صاحب کا سرقہ ثابت نہ ہوا اور مرزا جی طرح طرح کے مصائب میں دو سال تک مارے مارے پھرے۔ آخر عدالت نے پیر صاحب کو اتہام سرقہ سے پاک قرار دیا اور خطوط میں سرقہ کی شکایت محض بغرض امتحان قرار دی۔ عدالت اپیل نے بھی اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ بلکہ اپنے فیصلے میں واقعات کی نسبت تفصیل فیصلہ ماتحت عدالت کو ہی صحیح سمجھ کر اس کا حوالہ دینا کافی سمجھا اور مرزا جی اپنے حلفی بیان میں مان چکے ہیں کہ حق الیقین عدالت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے اب ان کو پیرو

ہوں۔ یہ خطوط مرزا اس وجہ سے اپنی کتاب نزول المسیح میں شائع کیے اور یعقوب علی جو مرزا کا مرید ہے اور ایڈیٹر بھی ہے اپنے اخبار الحکم، مورخہ ۱۷ار ستمبر ۱۹۰۲ء میں کاتبوں کے نام پر شائع کر دئیے۔ اس اخبار میں ایک مضمون بھی تھا جس میں محمد حسن فیضی کی وفات پر جو مستغیث کا بہنوئی اور تایا زاد بھائی ہے رنجیدہ لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اس کے بعد "سراج الاخبار" جہلم میں ۶ اور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دو مضمون مستغیث کے دستخطوں سے چھاپے گئے ایک نثر میں تھا دوسرا نظم میں جو ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء کے "الحکم" کی تردید میں تھے انہوں نے فریقین کے درمیان مقدمات کرا دئیے۔ اس کے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یعنی ۲۶ر اگست ۱۹۰۲ء کو بمقام جہلم ان دو مخالف فریقوں میں جن کا اوپر ذکر گیا ہے ایک مذہبی مباحثہ ہوا ہے اس مباحثے میں ایک طرف مستغیث اور ایک اور آدمی تھا اور دوسرا طرف مبارک علی اور ایک اور کوئی تھا معلوم ہوتا تھا کہ اس علمی جھگڑا میں آخر الذکر کو شکست ہوئی[1]۔ اس شکست نے جلتی آگ پر

فیصلہ عدالت قائل ہونا چاہیئے کہ پیر صاحب کی نسبت اتہام سرقہ لگانے میں وہ جھوٹے تھے۔ اور ان کو اس امر کی معافی پیر صاحب سے مانگنا چاہیئے۔ الغرض یہ ناکامی مرزا صاحب اور اُن کی جماعت کو ایسی حاصل ہوئی کہ جس کی حسرت گور میں بھی ان کے ساتھ جائے گی۔ اور حضرت پیر صاحب چشتی کی کرامت شمس النہار کی طرح روشن ہو گئی۔ مخالف نے منصوبہ تو اٹھایا تھا آپ کو عدالت کے ذریعے تکلیف پہنچانے کا لیکن خیر الحافظین نے حضرت والا کو ہر طرح سے محفوظ رکھا اور اُن کے مخالفین کو اس طرح سے مصائب میں گرفتار کر دیا۔ سچ ہے وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر

[1] صفحہ ہذا، لیجیے مرزائی صاحبان آپ کے پیر و مرشد (مرزا جی) نے مقدمہ بازی کر کے عدالت سے اس امر کا ناطق فیصلہ کرا لیا کہ مباحثہ جہلم میں مرزائی جماعت کو شکست ہوئی۔ جہلم کے اہل سنت والجماعت بھائیوں کو یہ فتح مبارک ہو جہلم کے مرزائی فرمائیں ان کو علمائے اہل سنت وجماعت کی اس فتح یابی میں

اور لکڑیاں ڈالیں اکتوبر ۱۹۰۲ء میں مستغیث نے ملزم نمبر ۲ یا یعقوب علی ایڈیٹر "الحکم" کے نام ایک گمنام کارڈ بھیجا جس میں ان کو دھمکی دی کہ میں تم کو اس مضمون کی وجہ سے جو تم نے اپنے اخبار میں لکھا ہے عدالت میں گھسیٹوں گا۔ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء کو فضل دین نے جو ملزم نمبر ۲ ہے ایک استغاثہ بنام مستغیث زیر دفعہ $\frac{417}{420}$ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر کیا۔ ۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو مستغیث نے دو استغاثے زیر دفعہ ۵۰۰ - ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند بنام موجودہ مستغیث و فقیر محمد جو کہ ایڈیٹر و مالک "سراج الاخبار" جہلم ہے دائر کیا۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۲ کو مستغیث کے مقدمات جہلم میں پیش ہوئے جہاں کہ ملزم ۱ نے "مواہب الرحمٰن" کی اشاعت کی۔ اس سے پہلے کہ ان عذرات پر جو صفائی کی طرف سے پیش ہوئے ہیں بحث کی جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ استغاثہ کردہ کے معنے صاف کیے جائیں تمام الفاظ جو استغاثہ کردہ ہیں وہ بُرے معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں اس بات کو فریقین مانتے ہیں اختلاف صرف اس میں ہے کہ کس درجہ کی برائی کی حد کو وہ پہنچتے ہیں مستغیث تو ان کے معنوں کی تعبیر مبالغہ آمیز طرز میں کرتا ہے اور ملزم اُن کے معمولی معنے بیان کرتا ہے۔ مثلاً لئیم کا لفظ ایک فریق بیان کرتا ہے کہ اس کے معنے کمینہ اور پیدائشی کمینہ کے ہیں اور دوسرا فریق اس کے معنے صرف کمینہ کرتا ہے۔ بہتان عظیم کے معنے بڑا اور حیران کرنے والا جھوٹ ہے اور ایک بڑا بہتان لگانے والا یا افترا کرنے والا ہے اور کذاب المہین کے معنے ایک بڑا اور عادی جھوٹا اور بہتان باندھنے والا ہے اور جھوٹا اور اعانت کرنے والا ہے۔ دونوں طرف سے سندات پیش ہوئی ہیں جو ہر ایک فریق کے معنے کی تائید کرتے ہیں۔ ہم ان الفاظ کو

کسی قسم کے کلام کی گنجائش باقی ہے کیونکہ یہ عدالت کا فیصلہ ہے اور مرشد جی حلفاً اقرار کر چکے ہیں کہ حق الیقین عدالت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے (مصنف مولوی کرم الدین "تازیانہ عبرت")

سخت معنوں میں لینے کی طرف مائل ہیں اور یہ صرف دیسی عربی سندات کی بنا پر ہی نہیں (ڈکشنریاں اور قواعد کی کتابیں جن کا حوالہ مستغیث نے دیا ہے) بلکہ اُن معنوں کی بنا پر بھی جن میں خود مصنف کتاب ان الفاظ کو اور جگہ بھی استعمال کیا ہے اور مصنف کے دل کی اس حالت کی بنیاد پر بھی جس وقت مصنف اس کتاب کو لکھ رہا تھا۔ لفظ لیئم بڑی حقارت کا لفظ ہے۔ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس میں تمام برائیاں مستقل طور پر پائی جاتی ہوں اور یہ لفظ ملزم نمبرا نے مصر کے فرعون کی بابت بھی استعمال کیا ہے جس نے اپنے آپ کو خدا مشتہر کیا۔ اور شیطان اور گدھے کی نسبت بھی۔ بہتانِ عظیم بلحاظ اپنے ماخذ کے اس آدمی کو کہتے ہیں جو جھوٹے اور سخت قسم کے الزام لگانے کا عادی ہو۔ کذّاب کا لفظ مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ بڑے عادی جھوٹے کے معنے ظاہر کرتا ہے المہین کے معنے اہانت کنندہ یعنی توہین کرنے والا ہے۔ مضمون مندرجہ صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ مصنف نے جب ان دونوں صفحوں کو لکھا اُس وقت سخت رنج و غصہ اور کینہ میں مبتلا تھا جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا، فریقین میں اس وقت سخت دشمنی تھی اور کوشش کرتے تھے کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ ڈالیں ایسے حالات میں یہ اُمید نہیں ہوسکتی کہ مصنف اعتدال اور صفائی کو برتتا۔

اب صفائی کے عذرات وغیرہ اس امر کے فرض کر لینے پر مبنی ہیں کہ سراج الاخبار، کی ۶ اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ کے مضامین اور صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ "مذاہب الرحمٰن" کے متن کو باہم تعلّق ہے۔ دراصل یہ عذر اٹھایا گیا ہے کہ الفاظ استغاثہ کردہ جو مذاہب الرحمٰن میں ہیں اُن الفاظ پر مبنی ہیں جو مستغیث نے اپنے مضمونوں میں لکھ کر ملزم نمبرا اور اُس کی جماعت پر حملے کیے ہیں لیکن واقعہ میں یہ بات نہیں ہے۔ ذیل کے دلائل ان عذرات کی تردید کرتے ہیں۔

اوّل ـــــ ذرا سا بھی حوالہ صریحاً یا کنایۃً قریبی یا بعیدی ان مضامین کی

طرف نہیں ہے جو سراج الاخبار ۶ اور ۱۳ اکتوبر میں ہیں اُن کے مدعا کی طرف

دوم — مضامین کے سخت معنوں کے لحاظ سے اور بنظر اس مدّعا کے جو اپنی جماعت کو بچانے کے لیے یا اپنے چال چلن کو اُن الزاموں سے پاک کرنے کے لیے ضروری تھی یہ بہت غیر اغلب ہے اگر غیر ممکن نہ ہو کہ مصنّف بالکل کوئی اشارہ صریحاً یا معناً اُن کی طرف یا اُن خطوط کی طرف نہ کرتا جو "الحکم" میں شائع ہوئے۔ غیر اغلب

سوم — اس کتاب کے ۱۲۶ اور ۱۲۷ صفحہ پر (مذاہب الرحمٰن) مصنّف نے محمد حسن فیضی کی موت کو بطور پیشگوئی کے بیان کیا ہے۔ لیکن ایسا بیان ممکن نہیں ہے کہ وہ لکھتا۔ اگر "سراج الاخبار" والا مضمون اس کے دل میں ہوتا۔ کیونکہ سراج الاخبار کے مضمون میں اس بیان کی تردید کر دی گئی تھی۔ دیکھو ملزم کا بیان جو اُس نے ۲۹ اگست ۱۹۰۳ء کو دیا ہے جو اِس مقدمے کی مسل میں شامل ہے جو زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیراتِ ہند ہے۔

چہارم — ملزم کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ خطوط کے مضمون جو 'الحکم' میں چھپے تھے اور وہ مضامین جو "سراج الاخبار" میں چھپے ہیں درست ہیں اپنے دل کی ایسی حالت میں ممکن نہ تھا کہ مصنّف ایسے خیالات کے ظاہر کرنے کی جرأت کرتا جو اس کتاب کے ۱۲۹-۱۳۰ صفحہ میں ہیں۔ جیسا کہ اس نے ظاہر کیے۔

پنجم — ملزم نمبر ا "سراج الاخبار" کے مضمونوں کی بناء پر کس طرح الزام لگا سکتا تھا جبکہ ان مضمونوں کے مصنف کا قرار دینا زیر بحث تھا اور یہ امر عدالت نے فیصلہ کرنا تھا جو ابھی عدالت نے نہ کیا تھا۔

ششم — "سراج الاخبار" کے مضمون ماہ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے آغاز میں لکھے گئے وہ صفحات جن میں مزیل حیثیت عبارت ہے قریباً چار ماہ کے بعد

نکلے۔ اگر یہ صفحے ان مضامین کے جواب میں لکھے گئے تھے تو یہ ضروری تھا کہ اس سے بہت پہلے لکھے جاتے۔

ہفتم۔ اب کتاب پر غور کرو اور دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے۔ یہ ملزم کے بیان کی تردید کرتی ہے صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ کے متن سے اس امر کی کافی شہادت ہے کہ یہ سراج الاخبار کے خطوط کے جواب میں نہیں لکھی گئی۔ کیونکہ اس عبارت میں اُن کی بابت کوئی ذرہ بھر بھی اشارہ نہیں ہے بلکہ ان مقدمات کی طرف اشارہ ہے جو مستغیث نے جہلم میں دائر کیے سطر نمبر۶ صفحہ ۱۲۹ میں مقدمات کا صاف حوالہ ہے۔ (عربی یا فارسی) جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں (ملزم ۱) ایک عدالت میں گرفتاروں کی طرح حاضر ہوں گا کیونکہ ملزم کے نام وارنٹ جاری ہوا تھا۔ اور سطر ۱۲ اور ۸ صفحہ ۱۳۰ میں مستغیث نے جو مقدمہ دائر کیا تھا اس کا صاف ذکر ہے اور مستغیث کا نام صفحہ ۱۲۹ کی سطر ۱۰ میں لکھ دیا ہے اور ۱۲۹ صفحہ کی سطر ۵ میں ان تین وکلاء کا حوالہ دیا ہے جو مستغیث نے کیے تھے اور سطر ۲ صفحہ ۱۳۰ میں بھی ذکر ہے۔ اور صفحہ ۱۳۰ میں بھی ذکر ہے۔ اور صفحہ ۱۲۹ کی سطر ۴ میں مقدمات دائر کرنے کی غرض منجانب مستغیث لکھی ہے اور اس صفحہ کی سطر ۵ میں وکلار کرنے کی غرض مندرج ہے اور استغاثوں کی فتح یابی سے جو نتائج ہونے ممکن تھے ان کی طرف اشارہ صفحہ ۱۲۹ کی آخیر سطر میں اور صفحہ ۱۳۰ کی پہلی سطر میں ہے۔ مقدمہ کا نتیجہ (یعنی اپنی آخری فتح) صفحہ ۱۲۹ سطر ۷ میں بیان کی گئی ہے کیونکہ مقدمے خارج ہو چکے تھے صفحہ ۱۲۹ کے سطر ۱۰ میں استغاثہ دائر کرنے کا وقت ایک سال بعد اس پیش گوئی کے بیان کیا گیا ہے۔ یہ پیش گوئی ۱۳ر نومبر ۱۹۰۱ء کو شائع کی گئی اور یہ مقدمات ۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو دائر کیے گئے۔ صفحہ ۱۳۰ کی سطر ۷ میں مصنف بڑی خوشی

سے شائع کرتا ہے کہ وہ جیل خانہ میں نہیں جائے گا اور نہ ہی کالے پانی کو بھیجا جائے گا۔ اور آخری سطر میں وہ تسلیم کرتا ہے کہ مستغیث کی اس حرکت سے اس کو غصہ آگیا تھا۔

ہشتم:۔ ایک اور امر بھی ہے جو میرے نتیجے کی تائید کرتا ہے۔ مستغیث نے اپنے مقدمات جہلم میں ۹؍ دسمبر ۱۹۰۲ء کو دائر کیے اور ملزم نمبر ۱ نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۲۹، ۱۳۰۔ ۱۲؍۱۳؍ یا ۱۴؍ جنوری ۱۹۰۳ء کو تالیف کی اور یہ کتاب ۱۴؍ تاریخ کو شائع کی اور ۱۷؍ ماہ مذکور کو جہلم میں تقسیم کی۔ یعنی اس دن جب مقدمات کی پیشی تھی۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ اُن مقدمات اور اُس کتاب میں باہمی تعلق ہے۔ مستغیث کے مقدمات برخلاف ملزم دائر تھے۔ وارنٹ کے ذریعے گرفتار ہو کر عدالت جہلم میں حاضر ہوا اور یہ توہین، تکلّف، تردّد، بے عزتی، ذلّت وغیرہ کے موجبات موجود تھے ان سب امور کی شکایت کی گئی ہے۔

نہم:۔ مستغیث کے استغاثہ جات جہلم کے جواب میں ملزم مضحکہ خیز اور سفلہ جرأت کرتا ہے کہ کتاب کے ان صفحات اور سراج الاخبار ۶؍ اور ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے درمیان تعلق ثابت کیا جائے اور اس غرض کے لیے دھینگا زوری کی دُور از قیاس تاویلات پیش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گواہوں کے بیانات کے اختلاف سے بہت قابلِ ذلّت ناکامی کا منہ ملزم نے دیکھا۔ "مواہب الرحمٰن" کی مزیل حیثیت عبارت اور سراج الاخبار کے مضامین یا خطوط میں مطلقاً تعلق نہ ہونے کی وجہ سے صفائی کا پہلا عذر بالکل خاک میں مل جاتا ہے اب دوسرے عذر کی بابت ذکر ہوتا ہے۔

جن مستثنیات پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ ایک، تین، چھ اور نو ہیں

الف - ان تمام مستثنیات پر اعتبار کرنے سے یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ ملزم کا فعل سراج الاخبار کے مضامین کی بنیاد پر ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن صفائی سے یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(ب) پہلی استثناء کی بابت یہ ضروری ہے کہ وہ عبارت جس میں الزام لگایا گیا ہے وہ سچی ہونی چاہیئے اور اس سے پبلک کا فایدہ ہو۔ اس امر کو صفائی سے ملزم ثابت نہیں کر سکا جہلم کے اخبار کے علاوہ کوئی دوسرا امر نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ مستغیث کسی ایسی بدحرکت کا مرتکب ہوا ہے جس کی رُو سے اس کی بطور شریف اور راست باز آدمی کے اب عزت نہیں رہی اور وہ ان خطابات کا مستحق ہو گیا ہے جو اس پر لگائے گئے ہیں اور یہ خیال کرنا ایک امر محال ہے کہ ایسی مزیل حیثیت اشاعت سے کونسا پبلک فایدہ نکلا ہے۔

(ج) سراج الاخبار کے علاوہ کوئی دیگر حوالہ نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے عوام کو مستغیث کی نسبت رائے لگانے (قائم کرنے) کا حق حاصل ہو گیا ہے۔

(د) پہلی استثناء کے علاوہ دیگر مستثنیات میں نیک نیتی ایک بڑی ضروری جز ہے۔ ذیل کے واقعات سے نیک نیتی کا نمونہ اور بدنیتی کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مستغیث کی ملزم کے ساتھ دوستی تھی اور اُس نے اس کو چند خطوط مدد کا وعدہ کرتے ہوئے لکھے لیکن اس کا یہ وعدہ اُلٹا نکلا۔ ۲۶ اگست ۱۹۰۲ء کو مستغیث اور ملزم نمبر ۱ کے مریدوں کے درمیان ایک مذہبی مباحثہ جہلم میں واقع ہو گیا جس میں آخر الذکر غالباً شکست یاب ہوئے۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۲ء کے "الحکم" میں جو ملزم کا ایک آرگن ہے۔ اس میں چند خطوط مستغیث کی طرف سے چھپے۔ نیز ایک مضمون رنجیدہ الفاظ میں جس میں رشتہ دار مستغیث مسمّی فیضی کی موت کا ذکر تھا نکلا۔ ملزم نمبر ۱ نے یہ خطوط

"نزولِ مسیح" میں مستغیث کے نام پر چھاپ دیئے یہ سب کچھ مستغیث کی ہدایت کے برخلاف کیا گیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا نام ظاہر کیا جائے۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں مستغیث نے دو مضمون سراج الاخبار جہلم کی تردید میں دیئے یہ مضامین مرزا اور اُس کی جماعت کو بڑے ناپسند اور رنج دہ ثابت ہوئے مستغیث نے ایک گمنام خط بھی قادیان میں بھیجا کہ جس میں ملزم کو عدالت میں کھینچنے کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء کو ملزم نمبر ۲ نے ایک مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیراتِ ہند دائر کیا۔ ۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو مستغیث نے دو مقدمے جہلم میں زیر دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱ تعزیراتِ ہند ملزم اور دیگران پر دائر کیے۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو یعقوب علی ایڈیٹر الحکم نے ایک مقدمہ مستغیث اور فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار پر دائر کیا۔ فریقین کے درمیان مقدمہ بازی کی نوعیت یہاں تک پہنچ چکی تھی، جبکہ "مواہب الرحمٰن" تالیف کی گئی اور دنیا کے سامنے پیش کی گئی۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء کو مستغیث کے مقدمات کی پیشی مقرر کی گئی۔ اور ملزم کو بذریعہ وارنٹ حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وہ مستغیث کی اِن حرکات پر نہایت مایوس اور آزردہ ہوئے جس کو انہوں نے پہلے غلطی سے بڑا مفید اور معاون دوست خیال کیا تھا لیکن آخر کار اس کو خوفناک دشمن کا بھیس بدلے ہوئے پایا۔ یہ سب باتیں مصنف کے دل میں کھٹک رہی تھیں جبکہ اُس نے مزیل حیثیت مضمون لکھا۔ اور چھاپا۔ وہ جلدی جو مصنف نے تالیف کی تکمیل میں ۱۴ر جنوری کو دکھائی، اس غرض کے واسطے کہ وہ ۱۷ر جنوری کو جہلم میں لوگوں کو اُن گروہوں کے درمیان تقسیم کرے جو ان مقدمات کو دیکھنے آئے ہوئے تھے، اس کی اصل منشاء کا پتہ ملتا ہے جس نے اُس کو کام پہ آمادہ کیا تھا۔ مذکورہ بالا مقدمات کے بعد مقدمہ بازی بڑھی۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۰۳ء کو مستغیث نے یہ مقدمہ دائر کیا اور جون ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ۲ نے ایک استغاثہ زیر دفعہ ۲۱۱ تعزیراتِ ہند مستغیث کے برخلاف دائر

کیا ملزم کے دل کی حالت اس امر سے معلوم کی جاسکتی ہے کہ اُس نے مستغیث کے وکلاء کو "ٹٹوؤں" سے اور اُن کے محنتانہ کو گھاس سے "مواہب الرحمٰن" کے ۱۳۰ صفحے میں نسبت دی ہے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین ایک دوسرے کا گلا گھوٹنے کو دوڑ رہے تھے۔ نیک نیتی کہاں تھی۔ تی تمام مقدمے ڈسمس ہوچکے ہیں یہ ملزم کا کام تھا کہ نیک نیتی ثابت کرتا۔ قانون میں نیک نیتی کے معنے مناسب احتیاط و توجہ لکھے ہیں۔ لیکن نیک نیتی کی بابت کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ سوائے سراج الاخبار کے حوالے کے جو کہ یہی رنج دینے کی وجہ سے تھی۔ فریقین کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے لحاظ سے اس امر کی توقع کرنا غیر ممکن اور دُور از قیاس تھا۔ تحت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملزم نمبر ا سراج الاخبار کے مضمونوں کو سچا سمجھتا تھا کیونکہ دیر تک مستغیث نے اس کی تردید نہیں کی اور یہ کہ اسی یقین پر مستغیث کے بارے میں اُس نے مزیل حیثیت الفاظ کو استعمال کیا۔ یہ حُجت بالکل غلط ہے۔ ملزم نمبر ا کے اپنے بیان سے جو اس نے ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء کو دیا جو کہ مقدمہ ۴۲۰ تعزیرات ہند کی مسل میں ہے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس بیان میں اُس نے تسلیم کرلیا ہے کہ سراج الاخبار ۶-۱۳ اگست ۱۹۰۲ء کے مضامین شائع ہونے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ میرا وہ اعتبار و یقین غلط تھا۔ پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک سمجھ دار آدمی مزیل حیثیت عبارت اس اعتبار پر لکھے جو کہ چار ماہ پہلے ہی غلط ثابت ہوچکا ہو۔ پھر وہ آدمی کس طرح نیک نیتی کا دعویٰ کرسکتا ہے جس نے انہیں الفاظ پر جو زیر استغاثہ ہیں اکتفا کر کے اپنی دُشمنی کو صاف طور پر ظاہر کردیا ہے اور تین جگہوں پر کہتا ہے کہ وہ میرا سخت دُشمن ہے اور اس کے علاوہ صفحہ ۱۳۰ "مواہب الرحمٰن" میں اور الفاظ بھی جو مزیل حیثیت ہیں استعمال کرتا ہے مثلاً شریر، جاہل، غبی، شقی۔ ملزم نمبر ا اسی صفحہ کی آخر سطر میں تسلیم کرتا ہے کہ مستغیث نے مجھے غصہ دلایا۔ علاوہ ازیں ملزم نمبر ا نے شہادت کے اثناء

میں مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند میں بیان کیا کہ میں مستغیث کو صرف اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ اس کو کمرۂ عدالت میں دیکھا۔ یہ موقعہ پہلی دفعہ ۱۷ ار جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام جہلم ہوا۔ اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ ملزم مستغیث سے اس تاریخ سے پہلے کوئی ذاتی واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو جو اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ ہے اس کو کیونکر معلوم ہوا کہ مستغیث لئیم بہتانِ عظیم، الکذّاب المہین تھا، البتہ نبوّت اور وحی کی طاقت سے وہ اس بات کی واقفیت کا دعویٰ کر سکتا تھا لیکن ایسا بیان تک نہیں کیا گیا۔ ثابت کرنا تو کجا رہا جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ باہم دُشمنی ہے اور ملزم زیر دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند کی مستثنیات کے مفاد سے محروم ہوتا ہے۔ صفائی کا تیسرا عذر بھی پہلے عذر کے ساتھ خاک میں مل جاتا ہے۔ حسب تجویز بالا۔ علاوہ ازیں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ الفاظ زیرِ استغاثہ سراج الاخبار کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ وہاں واقع ہی نہیں ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مستغیث اپنے علاقے میں ایک معزز آدمی ہے اور یہ کہ مولوی ہے۔ عربی علم وادب اور علوم دینیّہ کا فاضل ہے۔ اور جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک ہے۔ اور حکّام اُس کی عزّت کرتے ہیں۔ ایک مذہبی کتاب میں جو مسلمانوں کے استعمال کے واسطے چھاپی گئی ہے اس کو ایک ایسے آدمی کے طور پر ظاہر کرنا جو پیدائشی کمینہ ہو، بڑا ہی عادی جھوٹا، بڑا بہتان لگانے والا ہو، یہ ایک سخت قسم کا الزام ہے جس سے اس پر ہمیشہ کے لیے دھبّہ لگتا ہے کہ وہ کمینہ بدچلن آدمی ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں الفاظ مزیل حیثیت استعمال کیے گئے ہیں اور جن سے ظاہراً جُرم ثابت ہو سکتا ہو اُن کا چھاپنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ باہمی دُشمنی تھی۔ جو اصول استثناء نمبر ۴ میں قائم کیا گیا ہے وہ مقدمہ ہٰذا کے متعلق نہیں بلکہ ایسے موقعہ پر عائد ہو سکتا ہے جہاں کے الفاظ کے معنوں میں شک ہو۔ (جلد ۹ الہ آباد صفحہ ۴۲۰) تعزیرات ہند نیلین صفحہ ۵۸۸۔ لیکن اس مقدمہ میں الفاظ

استغاثہ کردہ کے معنوں میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ دفعہ ۴۹۹ کی بموجب صریح مزیل حیثیت ہیں اور یہ کہ جلدی یا غصے میں لکھے گئے ہیں۔ ملزمان اس کے بالکل جواب دہ ہیں۔ پھر ضابطہ فوجداری کے صفحہ ۶۷۲-۶۷۳ میں لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی تحریر چھاپے جو کہ درست نہ ہو جیسا کہ اس مقدمہ میں ہے، تو قانون یہ خیال کریگا کہ اس نے دشمنی سے ایسا کیا ہے اور یہ جرم ہوگا۔ یہ غیر ضروری ہے کہ اس بارہ میں زیادہ ثبوت نیت کا دیا جاوے۔ تعزیرات ہند کے بموجب یہ خیال کیا جاوے گا کہ اس نے نقصان پہنچانے کے ارادے سے یا جان بوجھ کر یا اس بات کا یقین کر کے کہ یہ مستغیث کی عزت کو ضرور نقصان پہنچائے گا ایسا کیا۔ "مین صاحب" اپنی تعزیرات ہند کے صفحہ ۸۷۶ پر بیان کرتا ہے کہ ہر ایک آدمی قیاس کیا گیا ہے کہ اپنے قدرتی اور معمولی کاموں کے نتیجہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر تشہیر کا میلان مستغیث کو نقصان دہ ہوا تو قانون خیال کریگا کہ ملزم نے اس کے چھاپنے سے ارادہ کیا ہے کہ اس سے مستغیث کو نقصان پہنچے۔ پھر یہی مصنف صفحہ ۹۰۱ پر لکھتا ہے کہ اگر کسی کی ذاتیات اور پرائیویٹ رائے رفاہ عام میں داخل نہیں۔ پبلک میں ثابت شدہ افعال پر رائے زنی کرنا، سرکاری ملازم کی کاروائی پر سختی سے نکتہ چینی ایک اور بات ہے اور بد چلنی کے افعال کا اسے مجرم بیان کرنا ایک دوسری شے ہے۔ پھر رتن لعل رام چند داس اپنے قانون میں جو اس نے "ٹائٹیس" پر لکھا ہے۔ اس کے صفحہ ۲۰۴ میں ذیل کے فقروں میں یہی لکھتا ہے کہ کوئی اشارہ کمینگی یا شریر منشار کا یا نامعقول یا بد چلن کا بغیر کسی بنیاد کے نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کوئی صفائی نہیں ہے کہ ملزم ایمانداری سے سچے طور پر یقین کرتا تھا کہ یہ الزام سچا ہے ایک نکتہ چین کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ کسی آدمی کے چال چلن پر ہتک آمیز ریمارک کرے۔ لعل چند اپنی تعزیرات ہند میں اس طور پر ذیل کی سطور میں لکھتا ہے کہ کسی آدمی کے افعال اچھے ہوں یا برے اپنی ذات سے تعلق

رکھتے ہیں جب تک کہ وہ اس پر وارد ہوں۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ اُن کو لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ ہر ایک آدمی قانونی حق رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کے متعلق ہے اُسی کے متعلق ہے خواہ وہ روپے ہوں یا خیالات ہوں خواہ اخلاقی افعال ہوں آجر اپنے لائبل اور سلنڈر میں صفحہ ۵۶ پر لکھتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مستغیث کے ذاتیات پر بلا ضرورت حملہ کرے تو وہ جواب دہ نہیں ہو سکتا" کو نہ ڈسچارج" ہو جاتا ہے اور اگر مزیل حیثیت ہو تو لائبل ہو جاتا ہے۔ ایک اخبار میں تشہیر کرنے کی طرز سے نیک نیتی کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ملزم کو ان مستثنیات کی حفاظت کے مفاد سے محروم کر سکتا ہے۔ ذیل کے اقتباس میں بیان کیا گیا ہے۔ "نیلسن" اپنی تعزیرات ہند کے صفحہ ۵۹۱ میں لکھتا ہے کہ ایک سچا الزام یا جھوٹا الزام لگایا جاوے یا چھاپ دیا جاوے جو پبلک کے فایدے کے واسطے ہو تو وہ بھی بوجہ طرزِ تشہیر اور اخبارات لکھنے والے کو مفاد مستثنیات سے محروم کر سکتا ہے۔ اس صورت میں بھی کہ جبکہ یہ تشہیر مفادِ عام کے لیے ہو، یعنی یہ کہ عوام الناس کے ایک طبقے کے مفاد کے لیے تو بھی مستثنیات اوّل کی رعایت کالعدم ہو جاتی ہے۔ اگر واقعاتِ مذکورہ کو متعلقین کی نسبت زیادہ وسیع دائرہ ناظرین تک وہ واقعات پہنچائے جائیں۔ ایسے رویّے سے یہ تجویز قرار پا سکتی ہے کہ بیان مذکور عوام النّاس کے فائدہ کے لیے نہ تھا جن کے روبرو بیان مذکور پیش کرنا مطلوب تھا۔ لعل چند اپنی تعزیراتِ ہند کے صفحہ ۶۳۶ میں اسی رائے کی تائید کرتا ہے جو حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے:-

"مثلاً اگر کوئی فرد اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے بیان مزیل حیثیت عرفی کسی اخبار میں چھپوائے جیسا کہ مقدمات مدراس میں ہوا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بیان مذکور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے نیک نیتی سے مشتہر کیا گیا تھا جس سے مستغیث کی حیثیت کو نقصان پہنچانا بے احتیاطی یا لاپرواہی سے نہ از روئے کینہ کے لکھا گیا تھا۔"

مقدمات مدراس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جو طرز تشہیر کی اختیار کی گئی ہے وہ غیر ضروری ہے اور اپنی رعایت قانونی سے بڑھ کر اقدام کیا گیا ہے اس لیے ملزم محفوظ نہیں (دیکھو مدراس جلد ۵ صفحہ ۲۱۴ و جلد ۶ صفحہ ۳۸۱) اس رائے کی تائید جلد ۱۹ بمبیٔ صفحہ ۷۰۳ سے ہوتی ہے جہاں کہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ تشہیر سے مفاد عامہ منظور نہ تھا کیونکہ اخبار میں تشہیر کی گئی تھی۔

مقدمہ ہذا میں جملہ ضروری اجزاء جرم ازالہ حیثیت عرفی موجود ہیں، اتہام سخت قسم کے لگا کر مستغیث کے چال چلن پر مشتہر بایں ارادہ کیئے گئے ہیں کہ اس کی حیثیت عرفی کو نقصان پہنچے۔ کھلے طور پر وہ بیانات مزیل حیثیت عرفی ہیں اور ہموطنوں کی نگاہ میں مستغیث کی قدر و منزلت کو اُن سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور از روئے کینہ لگائے گئے ہیں اور ایک مذہبی کتاب میں جو عام مسلمانوں کے لیے ہے مشتہر کیئے گئے ہیں۔ نیک نیتی ان میں بالکل نام کو نہیں۔ القصہ ۱۴ ر جنوری ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ا نے ایک کتاب "مواہب الرحمن" تصنیف کی اور اُسے مشتہر کیا۔ ملزم نمبر ۲ نے اُسے چھاپ کر فروخت کیا۔ ۱۷ ر جنوری ۱۹۰۳ء کو کتاب مذکور بمقام جہلم تقسیم کی گئی جہاں کہ مستغیث نے ملزمان کے برخلاف مقدمات کیے ہوئے تھے اور اُن کی سماعت ہو رہی تھی۔ ملزمان بذریعہ وارنٹ وہاں حاضر ہوئے تھے۔ اس کتاب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن کو سادہ معنوں میں اگر لیا جاوے تو بھی مزیل حیثیت عرفی ہیں۔ کیونکہ سخت قسم کے اتہام چال چلن مستغیث پر ان میں لگائے گئے ہیں بر دئے رعایات تشریح و مستثنیات دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند جو صفائی پیش کی گئی ہے وہ بالکل ناکام رہتی ہے بموجب سند کتاب آجر "بارہ لائبل صفحہ ۵ ایسے الفاظ قابل مواخذہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر وہ الفاظ جھوٹے اور مزیل حیثیت ہوں خواہ سہواً یا اتفاقیہ طور پر ان کی تشہیر ہو جائے یا خواہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سچا سمجھ کر

ان کی تشہیر کی جاوے صفحہ ۱۸۴ کتاب مذکور میں مندرج ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک خط بدیں اختیار ملے کہ اس کی تشہیر کی جاوے تو تشہیر کنندہ بری از ذمہ نہ ہوگا۔ اگر اُسے کسی اخبار میں مشتہر کرتے جبکہ الفاظ "لائبل" والے اس میں ہوں پس ثابت ہوا کہ ملزم نمبرا مجرم زیر دفعہ ۵۰۰ اور ملزم ۲ زیر دفعہ ۵۰۱-۵۰۲ تعزیرات ہند ہے اور ان کو جرائم کا مجرم تحریر ہذا کی رُو سے دیا جاتا ہے۔ اب فیصلہ کرنا نسبت سزا کے رہا۔ مدعا سزا سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ مجرم کو بدلہ اس کے فعل کا دیا جائے بلکہ اس کو آئیندہ کے لیے جرم سے روکنے کا منشاء ہوتا ہے۔ صورت ہذا میں ایک خفیف جرمانہ سے مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ خفیف رقم جرمانہ کی مؤثر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی نہ ہوگی اور غالباً ملزم اُسے محسوس نہ کرے گا ہر روز اُسے بے شمار چندہ پیرؤوں سے آتا ہے جو ملزم نمبرا کے لیے ہر قسم کے ایثار کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں تھوڑا سا جرمانہ کرنے سے ایک خاص گروہ کو جو بیگناہ ہونے کا ہے سزا ہوگی دراصل اصلی مجرمان پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑیگا۔ ملزم نمبرا کی عمر اور حیثیت کا خیال کر کے ہم اس کے ساتھ رعایت برتیں گے۔ ملزم نمبر ایک اس امر میں مشہور ہے کہ وہ سخت اشتعال انگیز تحریرات اپنے مخالفوں کے برخلاف لکھا کرتا ہے اگر اس کے اس میلانِ طبع کو برمحل نہ روکا گیا تو غالباً امن عامہ میں نقص پیدا ہوگا۔ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈگلس صاحب نے ملزم کو ہیچ قسم تحریرات سے باز رہنے کے لیے فہمائش کی تھی پھر ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس سے اقرار نامہ لیا کہ ہیچ قسم نقص امن والے فعلوں سے باز رہے گا۔ نظر برحالات بالا ایک معقول تعداد جرمانہ کی ملزم نمبرا پر ہونی چاہیے اور ملزم نمبر ۲ پر اس سے کچھ کم۔ لہذا حکم ہوا کہ ملزم نمبرا ۵۰۰ر جرمانہ دے اور ملزم ۲ ۳۰۰ر ورنہ اول الذکر چھ ماہ اور آخر الذکر ۵ ماہ قید میں رہیں۔ حکم سنایا گیا۔ ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء"

دستخط حاکم

اس مقدمے کے فیصلے کے دن قادیانیوں کی کیا حالت تھی وہ کس قدر پریشان اور خائف تھے اور کس طرح انہوں نے مرزا صاحب کو ہتھکڑی سے بچانے کے لیے انتظام کیے وہ تاریخ احمدیت جلد سوم پر یوں مرقوم ہے۔

"۸ ر اکتوبر کو ہفتہ کا دن تھا اور یہ دن مجسٹریٹ نے ایک خاص منصوبے کے تحت مقرر کیا تھا اور وہ یہ کہ اگلے دن تعطیل تھی اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ فیصلہ برخاست عدالت سے صرف چند منٹ پیشتر سنایا جائے تاکہ حضرت اقدس کی جانب سے فوری ادائیگی نہ ہونے پائے اور آپ کو کم از کم ہفتہ اتوار دو روز کو جیل خانہ میں رکھا جاسکے۔

منشی احمد دین صاحب لدھیانوی ملازم نواب محمد علی خاں کا بیان ہے کہ میں ان دنوں گورداسپور آیا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور چند اور احباب مل کر مشورہ کر رہے تھے کہ اگر مجسٹریٹ نے قید کا حکم سُنایا تو ہم اپیل کریں گے۔ مجھ سے انہوں نے دریافت کیا تو میں نے کہا یہ مشورہ فضول ہے۔ جب ایک دفعہ ہتھکڑی لگ جائے اور قید خانے میں چلے جائیں تو ہماری عزت کہاں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ میں نے مشورہ دیا کہ ایک آدمی تلاش کرو اور چار ہزار یا بیس؟ ہزار جتنی ضمانت مانگنے کا احتمال ہو سکتا ہے اتنی جائیداد کا وہ مالک ہو اور بر وقت ضمانت دے سکے اور ایک درخواست اپیل لکھ کر اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستخط کرائے جائیں اور اپیل چونکہ سیشن کورٹ امرتسر کی عدالت میں ہو گی اس لیے ایک بیرسٹر کو ایک دن کی پوری فیس دی جائے اور وہ عدالت کے دروازے پر موجود رہے اور ایک موٹر اپنے قبضہ میں رکھنی چاہیے۔ حکم سنتے ہی فوراً تار دیا جائے اور وہ بیرسٹر جو امرتسر سیشن جج کی عدالت کے دروازے پر کھڑا ہو اپیل داخل کر کے منظوری بذریعہ فوری تار اطلاع دیدے۔ یہ رائے سن کر سب عش عش کر اُٹھے کہ یہ رائے بہت اچھی ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ آپ ہی حضرت کے پاس

جا کر اس رائے کو پیش کریں۔ چنانچہ میں گیا۔ حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے میں حضور کے پاؤں دابنے لگا۔ باتوں باتوں میں میں نے ذکر کیا۔ معلوم ہوتا ہے جج دشمن ہے اور اس کی نیت نیک نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے تو دشمن ہی۔ تو میں نے عرض کیا کوئی تدبیر کرنی چاہیئے اور پھر خود ہی اپنی پوری سکیم حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ "منشی صاحب یہ تو انتہائی تدبیر ہے اگر یہ کی جائے تو اس طرح خدا کا نشان مٹتا ہے۔" یہ سن کر میں خاموش ہو گیا۔"[1]

قادیانیوں کو ایسے مرحلے سے پہلی دفعہ سامنا تھا اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آتے تھے ورنہ اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جرمانہ کی فوری ادائیگی معاملہ کو کسی طور پر بھی سنگین نہ ہونے دیتی جیسا کہ بعد میں ہوا۔ لیکن یہاں پر ہم خود مرزا صاحب کو حفظ ماتقدم کی تدابیر میں دلچسپی لیتے دیکھ رہے ہیں اور پھر مرزا صاحب کے اس فقرے کی تو ہمیں کچھ سمجھ نہیں آئی کہ مرزا صاحب کے بچاؤ کی سکیم لگ کی جائے تو خدا کا نشان مٹنے کے مترادف ہے ؏

ہے یہ وہ جامہ کہ نہیں جس کا الٹا سیدھا

مجسٹریٹ کے بچے مر گئے!

جس مجسٹریٹ نے مرزا صاحب کو سزا دی اس کے بچے مر گئے اور یہ خدا کی طرف سے بقول قادیانیوں کے عذاب تھا جس میں وہ مبتلا ہو کر رسوا ہوا۔ یہ واقعہ بھی تاریخ احمدیت میں درج ہے۔

"لالہ آتما رام بھی اپنے پیش رو رائے چندو لال کی طرح قہر الٰہی کی زد سے نہ بچ سکے۔ خدا کے مامور سے جو ظالمانہ اور انسانیت سوز سلوک انہوں نے روا رکھا اس کی پاداش میں دوران مقدمہ میں ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملی کہ ان کے دو لڑکے حضرت اقدس مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق صرف بیس ۲۰ پچیس ۲۵ دن کے مختصر سے وقفہ سے مر گئے اور ان کے گھر میں صف ماتم

---

[1] تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۰۶-۳۰۷ مصنفہ دوست محمد شاہد

بچ گئی۔ حضور پر بذریعہ کشف ظاہر کیا گیا تھا کہ آتما رام صاحب اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہوں گے آپ نے یہ کشف پہلے سے اپنی جماعت کو سنا بھی دیا تھا۔" [1]

رحم کی اپیل

اس سزا کے بعد مرزا صاحب ۵ رنومبر ۱۹۰۴ء کو سیشن جج امرتسر کی عدالت میں اس فیصلے کے خلاف رحم کی اپیل دائر کی جس میں آپ نے دورانِ مقدمہ مصائب و مشکلات اور اپنی کبر سنی کا حوالہ دے کر سیشن جج سے سزا معاف کرنے کی درخواست کی۔ ۷ رجنوری ۱۹۰۵ء اپیل کے فیصلہ کے لیے آخری تاریخ مقرر ہوئی جس دن ملزمان کی طرف سے مسٹر بیچی ایڈووکیٹ اور خواجہ کمال الدین ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ چونکہ اس روز مستغیث بھی اصالتاً موجود تھا۔ اس لیے جانبین کی بحث کے بعد سیشن جج امرتسر نے ملزمان کی اپیل کو منظور کرتے ہوئے سزا اور جرمانے کی معافی کا اعلان کیا اور یوں مرزا صاحب کی خلاصی ہوئی لیکن ان مقدمات میں جو ذلت و رسوائی [2] مرزا صاحب کے مقدر میں لکھی تھی وہ مل کر رہی اور اس کے بعد انہیں اپنی زندگی میں کسی کے خلاف مقدمہ بازی کی جرأت نہ ہوئی۔

اس مقدمے کی جملہ کاروائی مولوی کرم دین دبیر کی کتاب "تازیانہ عبرت" سے منقول ہے جو ان مقدمات میں براہِ راست شریک تھے۔ اور جنہوں نے انتہائی محنت اور ایثار کے ساتھ مرزا صاحب کے مقدمات کا وار نہ صرف برداشت کیا بلکہ جوابی مقدمہ کر کے مرزا صاحب کا شوقِ مقدمہ بازی پورا کرتے ہوئے انہیں یہ سبق بھی دیا کہ نبوت اور مقدمہ بازی دو الگ الگ شوق ہیں جو بیک وقت اختیار نہیں کیے جا سکتے۔

اِن مقدمات کے دوران جن لوگوں نے مولانا کرم دین دبیر کی اعانت کی اُن کے

---

[1] تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۰۸ مصنفہ مولوی دوست محمد شاہد

[2] مثلاً کرسی کا عدالت میں نہ ملنا۔ پانی پینے کی اجازت نہ دینا۔ نزدیک نزدیک تاریخوں کا ملنا۔ مرزا صاحب کا دو ماہ تک گورداسپور قیام کرنا۔ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ مانگنا۔ عدالتِ عالیہ میں رحم کی اپیل کبر سنی کا واسطہ دینا وغیرہ

اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں خصوصیت کے ساتھ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کی خصوصی دُعائیں اُن کے لیے ہر مشکل وقت میں کامیابی و تسلّی کا باعث بنتی تھیں جس کا ذکر مولانا موصوف نے اپنی کتاب میں اس طرح سے کیا ہے۔

" ہمارے اصل معاون و مددگار ہمارے حضرات مشائخ عظام تھے۔ حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کی خاص توجہ ہمارے شاملِ حال تھی اور آپ ہی کی دُعا و برکت سے ہمارے جملہ مراحل کامیابی سے طے ہوتے رہے۔ ابتدا میں جب مقدمات شروع ہوئے تو میں حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ اب دُعا کا وقت ہے۔ دوسری طرف سے ہر قسم کے منصوبے طے ہو رہے ہیں اور اُدھر مرزا جی کو یہ دعوٰی ہے کہ اُن کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور اُن کے مخالف تکالیف میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات سے تم بے فکر رہو۔ انشاءاللہ تم کامیاب ہو گے اور مرزا جس قدر زور خرچ کرے گا اس مقابلے میں ہزیمت ہی اٹھائے گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک یہ مقابلہ رہے ایک خاص وقت دُعا کے لیے مخصوص رہے گا اور حق تعالیٰ سے نصرت اور کامیابی کی دعا کی جایا کرے گی چنانچہ ایسا ہی ہُوا ایسے ایسے مشکل معرکے پیش آئے کہ ہر طرح سے مایوسی کا سامنا تھا لیکن حضرت پیر چشتی مدظلہٗ کی کرامت ایسا کرشمہ دکھاتی تھی کہ عقل حیران رہ جاتی "[1]

اسی طرح اپنی کتاب میں اپنے دوسرے رفقاء کا ذکر مولانا اس طرح سے کرتے ہیں۔

" دورانِ مقدمہ میں چند مخلص ہم وطن احباب گورداسپور میں میرے رفیق و ہمدم رہے ان میں مولانا مولوی غلام محمد صاحب قاضی تحصیل چکوال اور مولوی محمد حسن جی صاحب قاضی تحصیل جہلم بطور گواہان استغاثہ اور مولوی پیر منور شاہ صاحب ساکن نلہ پیراں تحصیل جہلم و مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب ساکن دیالی (سرگودھا) بطور گواہ صفائی طلب کرائے گئے "[2]

مقدمے کی کاروائی چونکہ زیادہ گورداسپور میں ہوئی اس لیے مولانا کرم الدین دبیر

---

[1] تازیانہ عبرت مصنفہ مولوی کرم الدین دبیر ص ۱۶۵ [2] ایضاً ص ۱۶۴

نے اپنی کتاب میں گورداسپور کے اُن دوستوں کا نام بھی لکھا ہے جو دوران مقدمہ اُن کے ممدو معاون ثابت ہوئے۔ یہ کتاب چونکہ اپنے نفسِ مضمون کے اعتبار سے اُن لوگوں کے کارنامے بیان کرنے کے لیے ہے جو محاسبۂ قادیانیت میں سرگرمِ کار رہے اس لیے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے نام بھی شریک ہوں۔ چنانچہ مولانا کی کتاب کا حوالہ پیشِ خدمت ہے،

"اہلِ گورداسپور کا شکریہ"

" ہم گورداسپور کے مسلمانوں کی مہربانی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ہم سے بڑا اچھا سلوک کیا اور ہم باوجود مسافرت کے گورداسپور میں وطن سے زیادہ باآرام رہے۔ ابتداء میں جب مقدمات جہلم سے منتقل ہو کر گورداسپور میں گئے تو ہمارے دلوں کو سخت تشویش تھی کہ اس قدر دُور دراز مسافت پر جانا ایک سخت مصیبت ہے اور ہمارے فریقِ مخالف کو ہر طرح سے وہاں امن و آرام حاصل ہوگا لیکن گورداسپوریوں نے ہم سے وہ حسنِ سلوک کیا کہ ہم کو گھر سے بڑھ کر وہاں راحت و آرام معلوم ہوتی تھی اور مرزائی جماعت کو وہاں اس قدر تکالیف کی شکایت تھی۔ کہ "الحکم" کو اخبار میں لکھنا پڑا کہ مکان تک انہیں دقت سے کرایہ پر ملا۔ جناب میر احمد شاہ صاحب وکیل بٹالہ اور شیخ نبی بخش صاحب وکیل گورداسپور نے اسلامی اخوت کا وہ نمونہ دکھایا کہ مدت العمر ہمیں یاد رہے گا۔ ایک اور صاحب لالہ مولامل صاحب وکیل نے بھی ہماری بڑی مدد کی اور صرف برائے نام فیس پر پیروی مقدمات میں انہوں نے کمال سرگرمی دکھائی خدا ان کو خوش رکھے۔ ایک صاحب خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ایجنٹ شیخ علی احمد صاحب وکیل نے جو کچھ ہم سے ہمدردی کی اُس کا شکریہ ہم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہماری جماعت کے جس قدر آدمی ہوتے تھے سب کے لیے کھانا پکانے کی تکلیف آپ کے ذمہ ہوتی تھی۔ چارپائیاں اور بستر وغیرہ کا سارا انتظام اُن کے ذمے تھا۔ اور بھی کئی تکالیف اُن کے ذمے تھیں۔ لیکن اس جواں مرد نے اس کام کو ایسی خوبی سے آخر تک نبھایا

کہ بایدوشاید خواجہ صاحب کا ایک فرزندِ رشید خواجہ عبدالحئی صاحب جو اُس وقت اسلامیہ سکول میں تعلیم پاتا تھا اب تکمیل علوم عربیہ کے بعد جامعہ ملیہ دہلی میں شیخ التفسیر ہے۔ ہم عزیز خواجہ کی ترقی عزّت اور ترقیٔ مراتب کے لیے دست بدعا ہیں ــــ

اور دو صاحبان مولوی اللہ دتّہ وعلی محمد خیاط سوہل ضلع گورداسپور کی ہمدردی کے بھی ہم مشکور ہیں جتنا عرصہ مقدمہ رہا آپ اپنا سب کام چھوڑ کر وہاں ہی رہے اور حتیٰ الوسع ہمارے ممد ومعاون بنے رہے،

ایک مولوی صاحب مولوی عبدالسبحان صاحب ساکن گلیانہ ضلع گجرات جو مسانیاں تحصیل بٹالہ میں معلّم سادات کرام ہیں اُن کی مہربانیوں کا شکریہ ہم ہرگز ادا نہیں کر سکتے سب کاروبار چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہے اور آخر وقت تک رفاقت کو نبھایا۔ ہم عمر بھر اُن کو یاد رکھیں گے۔ علاوہ ازیں گورداسپور کے تمام ہندو اور مسلمان اصحاب نے ہم سے پوری ہمدردی دکھائی۔ تمام ادنیٰ واعلیٰ ہمارے خیرخواہ تھے اور سب کی زبان پر یہی دُعا تھی کہ خدا تم کو کامیاب کرے۔ اگرچہ وہ زمانہ گذر گیا لیکن گورداسپور کی محبت کا اثر ہمارے دلوں سے کبھی زائل نہ ہوگا"[1]

مولانا کرم الدین دبیر نے جن شاندار الفاظ میں اہلِ گورداسپور کا شکریہ ادا کیا ہے واقعی یہ سب لوگ اس شکریہ کے مستحق تھے نہ صرف ان مقدمات کے دوران بلکہ آخر وقت تک گورداسپور کے لوگوں نے قادیانیت کے محاسبہ کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کی جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

---

[1] تازیانۂ عبرت صفحہ ۱۶۵ مصنفہ مولوی کرم دین دبیر

مرزا کے کفر کا فتویٰ

مولانا احمد رضا بریلویؒ کے نامِ نامی سے کون واقف نہیں انہیں علم و فضل اور تقویٰ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ذیل میں ان کا ایک فتویٰ پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے مرزا صاحب کے کفر کو بدلائل عقلیہ و نقلیہ ثابت کیا ہے۔ اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمال علم کا احساس ہوتا ہے وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء

مولوی احمد رضا خان بریلوی ہندوستان کے علماء میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ اپنی علمی تصانیف اور نعت گوئی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بالعموم اور بریلوی مدرسۂ فکر میں خصوصاً انتہائی مقبول و معروف ہیں۔ آپ کا خاندان ایک علمی خاندان ہے جس میں آپ کے والدِ محترم نقی علی خان اور جدِ امجد رضا علی خان بڑے عالم اور صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (اتر پردیش بھارت) میں ہوئی۔ جدِ امجد نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ مولوی احمد رضا عبد المصطفیٰ کا اضافہ مولوی صاحب نے خود کیا۔ بڑے اچھے شاعر تھے رضاؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے معتقدین حضرات انہیں اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

جہاں تک مولوی صاحب کی تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے آپ کا شمار ہندوستان کے بڑے اجل اور مستند علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے علوم و فنون معاصرین علماء سے حاصل کیے لیکن بعض علوم میں آپ نے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے بھی کمال حاصل کیا۔ اکثر علوم جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی بیان وغیرہ شامل ہیں اپنے والدِ محترم نقی علی خان سے حاصل کیے۔ آپ کے اساتذہ میں بعض دوسرے علماء و فقہا کے نام نامی بھی آتے ہیں مثلاً شاہ آل رسول۔ شیخ احمد بن زینی مکی۔ شیخ عبد الرحمٰن مکی۔ شیخ حسین بن صالح مکی۔ شیخ احمد الحسین نوری۔ علوم ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، ریاضی، مناظر و مرایا، زیجات مثلث کردی، مثلث مسطح، ھیاۃ الجدیدہ، مربعات، جفر وغیرہ ذاتی مطالعہ سے حاصل کیے۔

علوم و فنون سے فراغت کے بعد آپ نے ساری عمر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں بسر کر دی۔ مولوی صاحب نے تقریباً پچاس علوم و فنون میں کتب و رسائل تحریر کیے ہیں جو ان کی علمی استعداد کی منہ بولتی تصویر ہے۔ درس و تدریس کے میدان میں بھی بے شمار تلامذہ ان سے مستفید ہوئے جن میں بعض بڑے متبحر عالم تھے مثلاً مولانا حامد رضا خان۔ مولانا

ظفر الدین بہاری: مولانا سید احمد اشرف گیلانی مبلغ اسلام مولوی عبدالعلیم میرٹھی۔ مولوی برہان الحق جبل پوری۔ مولوی حسنین رضا خان مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی، شیخ محمد سعید شافعی مفتی مکہ مکرمہ۔ مولوی امجد علی مؤلف "بہار شریعت"۔ مولوی امام الدین سیالکوٹی، سید غلام جان جام جودھ پوری، وغیرہ

مولوی احمد رضا خان نے ۱۸۷۷ء بمطابق ۱۲۹۴ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ شاہ آل رسول مارہروی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ اس بیعت کے بعد آپ نے بہت جلد مختلف سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت حاصل کر لی۔ حضرت شاہ آل رسول کے علاوہ آپ کو دوسرے مشائخ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ جن سلسلوں میں آپ کو بیعت کی اجازت تھی اُن میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، بدلیعہ۔ علویہ کا شمار کیا جاتا ہے

آپ کو حج بیت اللہ کا شرف دو بار حاصل ہوا۔ پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۷۸ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران مشہور شافعی عالم شیخ حسین بن صالح جمیل الیل مولوی احمد رضا کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنی تالیف کی عربی شرح لکھنے کی استدعا کی۔ مولوی احمد رضا خان بریلوی نے صرف دو دن میں اس کی عربی شرح تحریر فرما دی۔ دوسری مرتبہ آپ ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بھی حرم پاک کے علماء نے آپ کی بڑی قدر و تعظیم کی۔ علماء مکہ نے "کرنسی نوٹ" کے متعلق ایک استفتا پیش کیا جو ان کے لیے ایک اہم مسئلہ بنا ہوا تھا۔ مولوی احمد رضا خانؒ نے محض حافظہ کی بنا پر قلم برداشتہ عربی میں اس کا جواب تحریر فرما دیا۔

فن شعر گوئی پر بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ خصوصاً نعت گوئی میں آپ کا شمار صف اوّل کے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا اپنا ایک مصرعہ ہے: "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی"۔ یوں تو آپ نے ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن جو رنگ اور جو لطف نعت گوئی میں ہے وہ کسی دوسری صنف میں نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عام شاعری میں بھی ہر جگہ نعت کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کا دیوان "حدائق بخشش" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف اردو میں ہی نہیں بلکہ عربی۔ فارسی اور ہندی میں بھی شعر کہے ہیں۔

سلام کا مشہور شعر ہے

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جو پورے پاک و ہند میں دُور و نزدیک پڑھا جاتا ہے آپ ہی کا شعر ہے۔ افتخار اعظمی صاحب نے آپ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔ "کہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ اسے طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیئے" جو لوگ آپ کے ہم مسلک نہیں وہ بھی آپ کی عظمت شاعری کے معترف ہیں۔

ملکی سیاست میں بھی آپ اور آپ کے ہم عقیدہ علمائے کرام کا اچھا خاصہ حصہ ہے: ۱۹۲۰ میں تحریک خلافت کے بعد جب تحریک ترک موالات کا آغاز ہوا۔ تو مولوی احمد رضا خان نے اس کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک کفار و مشرکین کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ مولوی صاحب کے معتقدین حضرات نے "رضائے مصطفےٰ" کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کی جس کے کچھ عرصہ بعد "آل انڈیا سُنی کانفرنس" کے نام سے دوسری تنظیم قائم ہوئی جس کا دوسرا نام "جمہوریہ اسلامیہ مرکزیہ" بھی تھا۔ جماعت رضائے مصطفےٰ نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اچھا خاصا کام کیا۔ اس جماعت کے ایک بانی اور مولوی احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے مطالبۂ پاکستان کے ساتھ ہی تحریک پاکستان کے لیے اپنی جماعت کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ۱۹۴۶ء میں ۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل بمقام بنارس آل انڈیا سُنی کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں متفقہ طور پر مطالبۂ پاکستان کی پُر زور حمایت کی

یہ بات بھی بہت حد تک درست ہے کہ آج پاک و ہند میں علماء کی ایک جماعت کو مولوی رضا خان بریلوی سے عقیدت کی بنا پر "بریلوی" کہا جاتا ہے۔ جنہیں اہل سنت والجماعت میں اپنی اکثریت کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برِ صغیر پاک و ہند میں آج بھی کئی ایسی دینی درسگاہیں موجود ہیں جن کا نام یا تو آپ کے نام سے یا پھر آپ کے خلفاء کے ناموں سے منسوب ہے۔ مثلاً جامعہ رضویہ منظر الاسلام بریلی (بھارت) جامعہ رضویہ لائلپور (پاکستان) جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان) جامعہ نعیمیہ رضویہ مراد آباد (بھارت) جامعہ نعیمیہ لاہور (پاکستان) دار العلوم امجدیہ کراچی

(پاکستان) اس کے علاوہ انجمن حزب الاحناف لاہور" اور "انجمن نعمانیہ" جیسے قدیم ادارے بھی مولوی احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء اور اُن کے ہم خیال احباب کے قائم کردہ ہیں

مولوی احمد رضا بریلویؒ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء بوقت نماز جمعہ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر وفات پائی۔ آپ کے دو بیٹے مولانا حامد رضا اور مولانا مصطفےٰ رضا ہیں۔ لیکن برِّ صغیر پاک و ہند میں آپ کے خلفاء کی تعداد اچھی خاصی ہے بلکہ پاک و ہند کے علاوہ حرمین شریف میں بھی آپ کے خلفاء موجود ہیں، جن کی تعداد ۳۲ تک پہنچتی ہے۔ جن میں سے بعض مشہور حضرات کے نام یہ ہیں :-

۱۔ سید عبدالحی فاسی (افریقی)

۲۔ شیخ حسین جمال مکّی

۳۔ شیخ صالح کمال مکّی

۴۔ سید اسمٰعیل خلیلی مکّی

۵۔ سیّد ابوبکر سالم

۶۔ شیخ محمد عثمان دحلان

۷۔ شیخ محمد یوسف

۸۔ ضیاء الدّین احمد مدنی

پاک و ہند میں بھی آپ کے بیسیوں خلفاء ہیں جن میں سے چند مشہور کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حامد رضا خان

۲۔ سیّد محمد عبدالسّلام

۳۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری

۴۔ محمد امجد علی اعظمی

۵۔ سیّد نعیم الدین مُراد آبادی

۶۔ سیّد محمد اشرف گیلانی

۷۔ محمد دیدار علی الوری

مولوی احمد رضا خان صاحب کے تصانیف کا سلسلہ کافی وسیع ہے۔ آپ کی تصانیف ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔ صرف ۳۱ برس کی عمر تک آپ کی تصانیف پچھتر (۷۵) تک پہنچ چکی تھیں فتویٰ کی کتاب بڑی تقطیع کے بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ نویسی میں آپ کو خصوصی دسترس اور خصوصی کمال حاصل تھا۔ علامہ اقبال جیسی شخصیت آپ کی فقیہانہ قابلیت کی معترف ہے۔ بقول ڈاکٹر احمد علی " احمد رضا کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک مجلس میں کہا کہ " ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ اور پاک ہند کے نابغہ روزگار فقیہہ تھے[1]"

ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت فقہی دانش اور دینی بصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے جس میں آپ نے مرزا غلام احمد کے کفر کو خود اُن کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے۔ یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی و تحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

مراسلت حامی سنت جناب مولانا مولوی محمد عبد الغنی صاحب بإسم سامی حضرت عالم سنت دام ظلہم العالی

بخدمت شریف جناب فیض مآب قامع فساد و بدعات دافع جہالت و ضلالات مفخر العلماء الحنفیہ قاطع اصول الفرقۃ الضالۃ النجدیۃ مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب متعنا اللہ بعلمہ تحفہ تحیات و تسلیمات مسنونہ رسانیدہ مکشوف ضمیر مہر انجلا آنکہ چوں دریں بلاد از مدت مدیدہ بظہور دجال کذاب قادیانی فتور و فساد برخاست است بموجب حکم آزادگی بہ ہیچ صورتے در چنگ علماء آں دہری راہزن دین اسلام نمی آید اکنوں ایں واقعہ در خانہ یک شخص حنفی شد کہ زنے مسلمہ در عقد شخصے بودہ آں مرد مرزائی گردید زن مذکورہ از شے ایں کفریات شنیدہ گریز نمودہ بخانہ پدر رسید لہذا برائے آں و برائے سد آئندہ و تنبیہ مرزائیاں فتویٰ ہذا طبع کردہ

---

[1] معارف اسلامیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۸

آئید امید کہ آں حضرت ہم بہرہ دستخط شریف خود مزین فرمایند کہ باعث افتخار باشد سفیر از ندوہ کدام مولوی غلام محمد ہوشیارپوری دارد امرتسر از مدت دوماہ شدہ است فتوئے ہذا نزد وے فرستادم مشارالیہ دستخط نمود وگفت اگر دریں فتوئے دستخط کنم ندوہ از من بیزار شود خاکش بدہن ازیںجہت مردمان بلدہ را بسیار بدظنی درحق ندوہ میشود زیادہ چہ نوشتہ آید جزاکم اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

الملتمس بندہ کثیر المعاصی واعظ محمد عبد الغنی از امرتسر کٹڑہ گربا سنگھ کوچہ ٹنڈا شدہ

فتوائے حضرت مجدد المأۃ الحاضرہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہ وصحبہ المکرمین عندہ رب انی اعوذ بک من ھمزات الشیطین واعوذ بک رب ان یحضرون۔ اللہ عزوجل دین حق پر استقامت عطا فرمائے اور ہر ضلال ووبال ونکال سے بچائے۔ قادیانی مرزا کو اپنے آپ کو مسیح ومثل مسیح کہنا تو شہرہ آفاق ہے۔ اور بحکم آنکہ ع

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

فقیر کو بھی اس دعوے سے اتفاق ہے۔ مرزا کے مسیح ومثل مسیح ہونے میں اصلاً شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوات اللہ بلکہ مسیح دجال علیہ اللعن والنکال پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارنپور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خان محمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اور بنام تاریخی الصارم الربانی علی اسراف القادیانی مسمی کیا یہ رسالہ حامی سنن ماحی فتن ندوہ شکن ندوی فگن مکرمنا قاضی عبد الوحید

صاحب حنفی فردوسی حین عن الفتن نے اپنے رسالہ مبارکہ تحفہ حنفیہ میں کہ عظیم آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے طبع فرما دیا بحمد اللہ تعالیٰ اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا اور عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں مجیب مفتم نے جو اقوال ملعونہ اس کی کتابوں سے بہ نشان صفحات نقل کیے مثیل مسیح ہونے کے ادعا کو شناعت و نجاست میں ان سے کچھ نسبت نہیں اُن میں صاف صاف انکار ضروریات دین اور بوجوہ کثیرہ کفر و ارتداد مبین ہے۔ فقیر اُن میں سے بعض کی اجمالی تفصیل کرے۔

کفر اوّل مرزا کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ازالہ اوہام ہے، اس کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتا ہے میں احمد ہوں جو آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد میں مراد ہے۔ آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا مسیح ربانی عیسیٰ بن مریم روح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے توریت کی تصدیق کرتا اور اُس رسول کی خوشخبری سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک احمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازالہ کے قول ملعون مذکور میں صراحۃً ادعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے۔

کفر دوم توضیح مرام طبع ثانی ص ۹ پر لکھتا ہے کہ میں محدث ہوں اور محدث[1] بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔

---

[1] لا الٰہ الا اللہ لقد کذب عدو اللہ ایہا المسلمون۔ سیدالمحدثین امیرالمؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انہیں کے واسطے حدیث محدثین آئی انہیں کے صدقے میں ہم نے اُس پر اطلاع پائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قد کان فیما مضی قبلکم من الامم اناس محدثون فان یکن

کفر سوم دافع البلا مطبوعہ ریاض ہند ص ۹ پر لکھتا ہے: سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

کفر چہارم مجیب پنجم نے نقل کیا و نیز میگوید کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔ ان اقوال خبیثہ میں اولاً کلام الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ معاذ اللہ آیہ کریمہ میں شخص مراد ہے نہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ثانیاً نبی اللہ و رسول اللہ و کلمۃ اللہ عیسٰی روح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام پر افترا کیا کہ وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔ ثالثاً اللہ عزوجل پر افترا کیا کہ اس نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لیے بھیجا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اِنَّ الذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یُفلحون ٥

(بیشک جو لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے)

اور فرماتا ہے:

فی اُمتی منھم احد فانہ عمر بن الخطاب اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی فراست صادقہ و الہام حق والے اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا تو وہ ضرور عمر ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواہ احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ واحمد ومسلم والترمذی والنسائی عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نبوت کے کوئی معنی نہ پائے صرف ارشاد آیا لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا رواہ احمد والترمذی والحاکم عن عقبہ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما مگر پنجاب کا محدث حادث کہ حقیقۃً نہ محدث ہے نہ محدَّث ہے۔ یہ ضرور ایک معنی پر مبنی ہو گیا الا لعنۃ اللہ علی الکذبین والعیاذ باللہ رب العلمین ٥

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون ہ

(ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں)

رابعاً اپنی گھڑی ہوئی کتاب براہین غلامیہ کو اللہ عزوجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں یوں فرمایا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے

فویل الذین یکتبون الکتب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله لیشتروا به ثمناً قلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم و ویل لهم لهم مما یکسبون ہ

(خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں سو خرابی ہے ان کے لیے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے اُن کے لیے اس کمائی سے)

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحۃً اپنے لیے نبوت و رسالت کا ادعائے قبیح ہے اور وہ باجماع قطعی کفر صریح ہے فقیر نے رسالہ جزاء اللہ عدوہ[17] باباۂ[13] ختم النبوت خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیت قرآن عظیم اور اور ایک سو دس حدیثوں اور تیس[30] نصوں کو جلوہ دیا اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا اُن کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کو بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزء ایقان ہے۔

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین نص قطعی قرآن ہے اس کا منکر نہ منکر بلکہ شک کرنے والا نہ شاک کہ ادنیٰ ضعیف احتمال خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النیران ہے نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے اس عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے وہ بھی کافر بین الکفر جلی الکفران ہے۔ قول دوم و سوم میں شاید وہ یا اس کے اذناب آجکل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں کہ یہاں نبی و رسول سے معنی لغوی مراد ہیں یعنی خبردار یا خبر دہندہ اور فرستادہ مگر یہ ہوس ہے

اولاً صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی۔ فتاویٰ خلاصہ و فصول عمادیہ و جامع الفصولین و فتاویٰ ہندیہ وغیرہا میں ہے واللفظ للعمادی قال قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے یا کہے میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں کافر ہو جائے گا۔ امام قاضی عیاض کتاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں قال احمد بن ابی سلیمن صاحب سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ فی رجل قیل لہ لا وحق رسول اللہ قال فعل اللہ برسول اللہ کذا وکذا وذکر کلاما قبیحا فقیل لہ ما تقول یا عدو اللہ فی حق رسول اللہ قال فعل اللہ برسول اللہ کذا وکذا وذکر کلاما قبیحا فقیل لہ ما تقول یا عدو اللہ فی حق رسول اللہ فقال اشد من کلامہ الاول ثم قال انما اردت برسول اللہ العقرب فقال ابن ابی سلیمن للذی سألہ اشہد علیہ وانا شریکک یرید فی قتلہ وثواب ذلک قال حبیب بن الربیع لان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل

یعنی امام احمد بن ابی سلیمان تلمیذ و رفیق امام سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک مرد کی نسبت کسی نے پوچھا کہ اُس سے کہا گیا تھا رسول اللہ کے حق کی قسم اس نے کہا اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور ایک بد کلام ذکر کیا کہا گیا اے دشمنِ خدا تو رسول اللہ کے بارے میں کیا بکتا ہے تو اس سے بھی سخت تر لفظ بکا پھر بولا میں نے تو رسول اللہ سے بچھو مراد لیا تھا۔ امام ابن ابی سلیمن نے مستفتی سے فرمایا تم اس پر گواہ ہو جاؤ اور اُسے سزائے موت دلانے اور اس پر جو ثواب ملے گا اس میں میں تمہارا شریک ہوں یعنی تم حاکم شرع کے حضور اس پر شہادت دو اور میں بھی سعی کروں گا کہ ہم تم دونوں بحکم حاکم اسے سزائے موت دلانے کا ثواب عظیم پائیں۔ امام حبیب بن ربیع نے فرمایا یہ اس لیے کہ کھلے لفظ میں تاویل کا

دعویٰ مسموع نہیں ہوتا۔ مولانا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں :۔

ثم قال انما اردت برسول اللہ العقرب فانہ ارسل من عند الحق وسلط علی الخلق تاویلا للرسالۃ العرفیۃ بالارادۃ اللغویۃ وھو مردود عند القواعد الشرعیہ

(یعنی وہ جو اس مردک نے کہا کہ میں نے بچھو مراد لیا اس میں اس نے رسالت عرفی کو معنی لغوی کی طرف ڈھالا کہ بچھو کو بھی خدا ہی نے بھیجا اور خلق پر مسلّط کیا ہے اور ایسی تاویل قواعد شرع کے نزدیک مردود ہے)

علّامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں :

ھذا حقیقۃ معنی الارسال وھذا مما لاشک فی معناہ وانکارہ مکابرۃ لکنہ لایقبل من قائلہ ادعاؤہ انہ مرادہ لبعدہ غایۃ البعد وصرف اللفظ عن ظاھرہ لایقبل کما لوقال انت طالق وقال اردت محلولۃ غیر مربوطۃ لا یلتفت لمثلہ ولیعد ھذیانا اھ ملتقطا

یعنی یہ لغوی معنی جن کی طرف اُس نے ڈھالا ضرور بلا شک حقیقی معنی ہیں اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے باایں ہمہ قائل کا یہ ادعا مقبول نہیں کہ اس نے یہ معنی لغوی مراد لیے تھے اس لیے کہ یہ تاویل نہایت دُور از کار ہے۔ اور لفظ کا اس کے معنی ظاہر سے پھیرنا مسموع نہیں ہوتا جیسے کوئی اپنی عورت کو کہے تو طالق ہے۔ اور کہے میں نے یہ مراد لیا تھا کہ تو کھلی ہوئی ہے بندھی نہیں (کہ لغت میں طالق کشادہ کو کہتے ہیں) تو ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور اُسے ہذیان سمجھا جائے گا

ثانیاً وہ بالیقین ان الفاظ کو اپنے لیے مدح و فضل جانتا ہے نہ ایک ایسی عام بات کہ ؎

دندان تو جملہ در دہانند
چشمان تو زیر ابروانند

کوئی عاقل بلکہ نیم پاگل بھی ایسی بات کو جو ہر انسان ہر بھنگی چمار بلکہ ہر جانور بلکہ ہر کافر مرتد میں موجود ہو محل مدح میں ذکر نہ کرے گا نہ اس میں اپنے لیے فضل و شرف جاننے لگا بھلا کہیں براہین غلامیہ میں یہ بھی لکھا کہ سچا خدا وہی ہے جس نے مرزا کی ناک میں دو نتھنے رکھے۔ مرزا کے کان میں ڈو گھونگے بنائے یا خدا نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی ناک ہونٹوں سے اوپر اور بھوؤں کے نیچے ہے کیا ایسی بات لکھنے والا پورا مجنون پکا پاگل نہ کہلایا جائے گا اور شک نہیں کہ وہ معنی لغوی یعنی کسی چیز کی خبر رکھنا یا دینا یا بھیجا ہوا ہونا ان مثالوں سے بھی زیادہ عام ہیں بہت جانوروں کے ناک، کان، بھویں اصلاً نہیں ہوتیں مگر خدا کے بھیجے ہوئے وہ بھی ہیں اللہ نے انھیں عدم سے وجود نر کی پیٹھ سے مادہ کے پیٹ سے دُنیا کے میدان میں بھیجا جس طرح اس مردک خبیث نے بچھو کو رسول بمعنی لغوی بنایا۔

مولوی معنوی قدس سرہ القوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

کل یوم ھو فی شان بخوان
مرد را بے کار و بے فعلے مداں
کمترین کارش کہ آں رب احد
روز سہ لشکر روانہ میکند
لشکرے ز اصلاب سوئے امہات
تا بروید در رحمہا شان نبات
لشکرے از ارحام سوئے خاکداں
تا ز نر و مادہ پر گردد جہاں
لشکرے از خاکداں سوئے اجل
تا بہ بیند ہر کسے حسن عمل

حق عزوجل فرماتا ہے:

فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم

(ہم نے فرعونیوں پر بھیجے طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون)

کیا مرزا ایسی ہی رسالت پر فخر رکھتا ہے جیسے ٹڈی اور مینڈک اور جوں اور کتے اور سؤر سب کو شامل ماننے لگا۔ ہر جانور بلکہ ہر حجر و شجر بہت علوم سے خبردار رہے۔ اور ایک دوسرے کو خبر دینا بھی صحاح احادیث سے ثابت

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی اُن کی طرف سے فرماتے ہیں:

ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم
با شما نا محرماں ما خاشیم

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

(کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر ان کی تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آتی)۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من شیءٍ الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس

(کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے اللہ کا رسول نہ جانتی ہو سوا کافر جن اور آدمیوں کے)

رواہ الطبرانی فی الکبیر عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصححہ خاتم الحفاظ۔

حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا یقین ۝ (کچھ دیر ٹھہر کر ہدہد بارگاہِ سلیمانی میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے ایک بات وہ معلوم ہوئی ہے جس پر حضور کو اطلاع نہیں اور میں خدمتِ عالی میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن صباح والارواح الا ویقاع الارض ینادی بعضها بعضا یاجارۃ ھل مربک الیوم عبد صالح صلی علیک او ذکر اللہ فان قالت نعم رأت ان لھا بذلک فضلا

(کوئی صبح اور کوئی شام ایسی نہیں ہوتی کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کو پکار کر نہ کہتے ہوں کہ اے ہمسائے آج تیری طرف کوئی نیک بندہ ہو کر نکلا جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکرِ الٰہی کیا اگر وہ ٹکڑا جواب دیتا ہے کہ ہاں تو وہ پوچھنے والا ٹکڑا اعتقاد کرتا ہے کہ اسے مجھ پر فضیلت ہے)

رواہ الطبرانی فی الاوسط وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تو خبر رکھنا خبر دینا سب کچھ ثابت ہے کیا مرزا ہر اینٹ پتھر ہر بُت پرست کافر ریچھ، بندر، سُور کتے، سوئر کو بھی اپنی طرح نبی و رسول کہے گا ہرگز نہیں تو صاف روشن ہوا کہ معنی لغوی ہرگز مراد نہیں بلکہ یقیناً وہی شرعی و عرفی رسالت و نبوت مقصود اور کفر و ارتداد یقینی قطعی موجود۔ وبعبارۃ اخرے معنی چار ہی قسم ہیں لغوی۔ شرعی، عرفی عام یا خاص۔ یہاں عرف عام تو بعینہٖ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعاً حاصل اور ارادۂ لغوی کا ادعا یقینا باطل اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یُوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی و رسول کے معنی اور رکھے ہیں جن میں مجھے سگ و خوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے وصفِ نبوت میں اشتراک بھی نہیں۔ مگر حاشَ للہ ایسا باطل ادعا اصلاً شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح بادِ شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ایسی جگہ لغت و شرع و عرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہو سکے کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید توہین کر کے مجرم نہ ٹھہر سکے کہ ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنی کسی اصطلاحِ خاص کا دعویٰ کر دے جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو۔ کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں۔ جب اس پر اعتراض ہو کہہ دے میری اصطلاح

ہیں ایک کو دُو کہتے ہیں۔ کیا عمرو جنگل میں سوئر کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے جب کوئی مرزائی گرفت چاہے کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں۔ اگر کہیئے کوئی مناسبت بھی تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں۔ لامشاحۃ فی الاصطلاح آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے جس میں معنی اوّل سے مناسبت اصلا منظور نہیں معہذا قادی بمعنی جلدی کنندہ ہے یا جنگل سے آنے والا قاموس میں ہے قدت قادیۃ جاء قوم قد اقحموا من البادیۃ والفرس قدیانا اسرع قادیان اس کی جمع اور قادیانی اُس کی طرف منسوب یعنی جلدی کرنے والوں میں یا جنگل سے آنے والوں کا ایک اس مناسبت سے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے جنگلی کا نام قادیانی ہُوا کیا زید کی وہ تقریر کسی مسلمان یا عمرو کی یہ توجیہ کسی مرزائی کو مقبول ہو سکتی ہے حاشا وکلّا کوئی عاقل ایسی بناوٹوں کو نہ ماننے گا بلکہ اسی پر کیا موقوف یوں اصطلاح خاص کا ادعا مسموع ہوجائے تو دین و دنیا کے تمام کارخانے درہم و برہم ہوں عورتیں شوہروں کے پاس سے نکل کر جس سے چاہیں نکاح کرلیں کہ ہم نے تو ایجاب و قبول نہ کیا تھا اجازت لیتے وقت ہاں کہا تھا ہماری اصطلاح (ہاں) بمعنی (نہوں) یعنی کلمۂ زجر و انکار ہے۔ لوگ بیع نامے لکھ کر رجسٹری کرا کر جائدادیں چھین لیں کہ ہم نے تو بیع نہ کی تھی بیچنا لکھا تھا ہماری اصطلاح میں عاریت یا اجارے کو بیچنا کہتے ہیں الی غیر ذلک من فسادات لاتحصٰی تو ایسی جھوٹی تاویل والا خود اپنے معاملات میں اُسے نہ ماننے گا کیا مسلمانوں کو زن و مال اللہ[1] و رسول سے زیادہ پیارے ہیں کہ جورو اور جائداد کے باب میں تاویل و سنیں اور اللہ و رسول کے معاملے میں ایسی ناپاک بناوٹیں قبول کرلیں۔ لا الٰہ

---

[1] جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

الا اللہ مسلمان ہرگز ایسے مردود بہانوں پر التفات بھی نہ کریں گے انھیں اللہ ورسول اپنی جان اور تمام جہان سے زیادہ عزیز ہیں وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم خود ان کا رب جل وعلا قرآن عظیم میں ایسے بیہودہ عذروں کا دربار جلا چکا ہے فرماتا ہے۔

قل لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم

اُن سے کہہ دو بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد والعیاذ باللہ رب العٰلمین

ثالثاً کفر چہارم میں اُمتی و نبی کا مقابلہ صاف اُسی معنی شرعی و عرفی کی تعیین کررہا ہے

رابعاً کفر اوّل میں تو کسی چھوٹے ادعائے تاویل کی بھی گنجائش نہیں آیت میں قطعاً معنی شرعی ہی مراد ہیں نہ لغوی نہ اس شخص کی کوئی اصطلاح خاص اور اسی کو اس نے اپنے نفس کے لیے مانا تو قطعاً یقیناً بمعنی شرعی ہی اپنے نبی اللہ و رسول اللہ ہونے کا مدعی اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کا منکر اور باجماع قطعی جمیع اُمّت مرحومہ مرتد و کافر ہوا سچ فرمایا سچے خدا کے سچّے رسُول سچے خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے کہ عنقریب میرے بعد آئیں گے ثلٰثون دجالون کذابون کلھم یزعم انہ نبی تیس دجال کذاب کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی حالانکہ میں خاتم النبیین ہُوں میرے بعد کوئی نبی نہیں امنت امنت صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم اسی لیے فقیر نے عرض کیا تھا۔ کہ مرزا ضرور مثیل مسیح ہے صدق بلکہ مسیح دجّال کا کہ ایسے مدعیوں کو یہ لقب خود بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین

دافع البلاص ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے۔

کفر ششم

اسی رسالہ کے صفحہ ۷ اپر لکھا ہے

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

کفر ہفتم

اشتہار معیار الاخیار میں لکھا ہے میں بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ یہ ادعا بھی باجماع قطعی کفر وارتداد یقینی ہیں۔ فقیر نے اپنے فتوے مسمی بہ زذالہ فضۃ ۱۳۲۰ھ میں شفا شریف امام قاضی عیاض وروضہ امام نووی وارشاد الساری امام قسطلانی وشرح عقائد نسفی وشرح مقاصد امام تفتازانی واعلام ابن حجر مکی ومنح الروض علامہ قاری وطریقۂ محمدیہ علامہ برکوی وحدیقہ ندیہ مولی نابلسی وغیرہا کتب کثیرہ کے نصوص سے ثابت کیا ہے کہ باجماع مسلمین کوئی ولی کوئی غوث کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا جو ایسا کہے قطعاً اجماعاً کافر ملحد ہے ازانجملہ شرح صحیح بخاری شریف میں ہے:

النبی افضل من الولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر لانہ معلوم من الشرع بالضرورۃ

(یعنی ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ یہ ضروریات دین سے ہے)

کفر ہفتم میں اسے ایک لطیف تاویل کی گنجائش تھی کہ یہ لفظ (نبیوں) بتقدیم نون نہیں بلکہ (بنیوں) بتقدیم با ہے۔ یعنی بھنگی درکنار کہ خود اُن کے تو لال گرو کا بھائی ہوں اُن سے تو افضل ہوا ہی چاہوں میں تو بعض بنیوں سے بھی افضل ہوں کہ انہوں نے صرف آٹے دال میں ڈنڈی ماری اور یہاں وہ ہتھ پھیری کی کہ بیسیوں کا دین ہی اُڑ گیا۔ مگر افسوس کہ دیگر تصریحات نے اس تاویل کی جگہ نہ رکھی۔

کفر ہشتم

ازالہ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو جن کا ذکر خداوند تعالیٰ بطور احسان فرماتا ہے

مسمریزم لکھ کر کہتا ہے اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ یہ کفر متعدد کفروں کا خمیرہ ہے معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر کہ اس تقدیر پر وہ معجزہ نہ ہوئے بلکہ معاذ اللہ ایک کسبی کرشمے ٹھہرے۔ اگلے کافروں نے بھی ایسا ہی کہا تھا حق عزوجل فرماتا ہے :

اذ قال اللّٰہ یعیسی بن مریم اذکر نعمتی علیك وعلی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا واذ علمتك الکتٰب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتٰی باذنی واذ کففت بنی اسرائیل عنك اذ جئتھم بالبینٰت فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین ۝

جب فرمایا اللہ سبحانہٗ نے اے مریم کے بیٹے یاد کر میری نعمتیں اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک رُوح سے تجھے قوّت بخشی لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکّی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھایا لکھنا اور علم کی تحقیق باتیں اور توریت و انجیل اور جب تو بناتا مٹّی سے پرند کی سی شکل میری پروانگی سے پھر تو اس میں پھونکتا تو وہ پرند ہو جاتی میرے حکم سے اور تو چنگا کرتا مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میری اجازت سے اور جب تو قبروں سے جیتا نکالتا مُردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے یہود کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس یہ روشن معجزے لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

مسمریزم بتایا یا جادو کہا بات ایک ہی ہوئی یعنی الٰہی معجزے نہیں کسبی ڈھکوسلے ہیں ایسے ہی منکروں کے خیال ضلال کو حضرت مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدہ و علیہ وسلم نے باربار بتاکید رد فرمایا تھا اپنے معجزات مذکورہ ارشاد کرنے سے پہلے فرمایا :

اِنّی قد جئتکم بآیۃ من ربّکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر الآیۃ

میں تمہارے پاس رب کی طرف سے معجزے لایا کہ میں مٹی سے پرند بناتا اور پھونک مار کر اُسے جلاتا اور اندھے اور بدن بگڑے کو شفا دیتا اور خدا کے حکم سے مُردے جلاتا اور جو کچھ گھر سے کھا کر آؤ اور جو کچھ گھر میں اٹھا رکھو وہ سب تمہیں بتاتا ہوں اور اس کے بعد فرمایا:

ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مومنین

بے شک ان میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لاؤ

پھر مکرر فرمایا:

جئتکم بآیۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون ۝

(میں تمہارے رب کے پاس سے معجزہ لایا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا حکم مانو)
مگر جو عیسٰی کے رب کی نہ مانے وہ عیسٰی کی کیوں ماننے لگا یہاں تو اسے صاف گنجائش ہے کہ اپنی بڑائی سبھی کرتے ہیں۔ ع

کس نگوید کہ دوغ من ترش است

پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفر یہ کہ کراہت اگر اس بناء پر ہے کہ وہ فی نفسہٖ مذموم کام تھے جب تو کفر ظاہر ہے قال اللہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اُسی فضیلت کے بیان میں ارشاد ہوا:

وآتینا عیسی بن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس

اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو معجزے دیئے اور جبرئیل سے اس کی تائید فرمائی۔
اور اگر اس بنا پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے مگر میرے منصب اعلیٰ کے لائق نہیں تو یہ وہی نبی پر اپنی تفضیل ہے ہر طرح کفر وارتداد قطعی سے مفر نہیں، پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علی سیدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا

کفر ہے اور ایسی ہی تکفیر اس کلام ملعون کفر ششم میں تھی اور سب سے بڑھ کر اس کفر نہم میں ہے کہ ازالہ ص ۱۶۱ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لکھا بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویر باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر بلکہ قریب ناکام رہے انا للہ وانا الیہ راجعون الا لعنۃ اللہ علیٰ اعداء انبیاء اللہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ انبیائہ وبارک وسلم ہر نبی کی تحقیر مطلقاً کفر قطعی ہے جس کی تفصیل سے شفا شریف وشروح شفا وسیف مسلول امام تقی الملۃ والدین سبکی وروضہ امام نووی ووجیز امام کردری واعلام امام ابن حجر مکی وغیرہا تصانیف ائمہ کرام کے دفتر گونج رہے ہیں نہ کہ نبی بھی کون نبی مرسل نہ کہ مرسل بھی کیسا رسل اولوالعزم نہ کہ تحقیر بھی کتنی کہ مسمریزم کے سبب نور باطن نہ نور باطن بلکہ دینی استقامت نہ دینی استقامت بلکہ نفس توحید میں نہ کم درجہ بلکہ قریب ناکام رہے اس ملعون قول لعن اللہ قائلہ وقایلہ نے اولوالعزمی ورسالت ونبوت درکنار اس عبد اللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ علیہ صلوٰت اللہ وسلام وتحیات اللہ کے نفس ایمان میں کلام کردیا اس کا جواب ہمارے ہاتھ میں کیا ہے سوا اس کے کہ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا مھینا ہ بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اُن پر اللہ نے لعنت کی دنیا واٰخرت میں اور اُن کے لیے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

کفر دہم ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھتا ہے ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط[1] ہوئی اور وہ جھوٹے یہ صراحۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ہے۔ عام اقوام کفار لعنہم اللہ کا کفر حضرت عز جلالہ نے یوں ہی تو بیان فرمایا: کذبت قوم

---

[1] یہ اس کی پیش بندی ہے کہ یہ کذاب اپنی بڑھیں ہمیشہ پیشین گوئیاں ہانکتا رہتا ہے اور بہ غیبت الٰہی وہ آئے دن جھوٹی پڑا کرتی ہیں۔ تو یہاں یہ بتانا چاہتا ہے کہ پیشگوئی غلط پڑنی کچھ شان نبوت کے خلاف نہیں معاذ اللہ اگلے انبیاء میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ اینم بر علم ۱۲۔

نوح المرسلین ٥ کذبت عاد المرسلین ٥ کذبت ثمود المرسلین ٥
کذبت قوم لوط المرسلین ٥ کذب اصحٰب الئیکۃ المرسلین
ائمہ کرام فرماتے ہیں جو نبی پر اس کی لائی ہوئی بات میں کذب جائز ہی نہ مانے اگرچہ وقوع نہ جانتے باجماع کافر ہے نہ کہ معاذ اللہ چار سو انبیاء کا اپنے اخبار بالغیب میں کہ وہ ضرور اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے واقع میں جھوٹا ہو جانا شفا شریف میں ہے:

من دان بالوحدانیہ وصحۃ النبوۃ ونبوہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوا بہ ادعی فی ذلک المصلحۃ بزعمۃ اولم یدعھا فھو کافر باجماع۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت نبوت کی حقانیت ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو باایں ہمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اُن کی باتوں میں کذب جائز ملنے خواہ بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے ظالم نے چار سو کہہ کر گمان کیا کہ اُس نے باقی انبیاء کو تکذیب سے بچالیا حالانکہ یہی آیتیں جو ابھی تلاوت کی گئی ہیں شہادت دے رہی ہیں کہ اُس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک تمام انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو کاذب کہہ دیا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام مرسلین کی تکذیب ہے۔ دیکھو قوم نوح و ہود و صالح و لوط و شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہی ایک نبی کی تکذیب کی تھی مگر قرآن نے فرمایا۔ قوم نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی۔ عاد نے کل پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ثمود نے جمیع انبیاء کو کاذب کہا۔ قوم لوط نے تمام رسل کو جھوٹا بتایا۔ ایکہ والوں نے سارے نبیوں کو دروغ گو کہا یونہیں واللہ اس قائل نے نہ صرف چار سو بلکہ جملہ انبیاء و مرسلین کو کذاب مانا۔ فلعن اللہ من کذب احدا من انبیائہ و صلی اللہ تعالیٰ علی انبیائہ ورسلہ والمومنین بھم اجمعین وجعلنا منھم وحشرنا فیھم وادخلنا معھم دار النعیم

یجاھھم عندہ وبرحمتہ بھم ورحمتھم بنا انہ ارحم الراحمین والحمدللہ رب العٰلمین۔ طبرانی معجم کبیر میں دیر حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی اشھد عدد تراب الدنیا ان مسیلمۃ کذاب۔

بیشک میں ذرۂ خاک تمام دنیا کی برابر گواہیاں دیتا ہوں کہ مسیلمہ (جس نے زمانہ اقدس میں ادعائے نبوت کیا تھا) کذاب ہے۔ وانا اشھد معک یارسول اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالم پناہ کا بے ادنیٰ کتا بعدد دوانہائے ریگ وستارہائے آسمان گواہی دیتا ہے اور میرے ساتھ تمام ملائکہ سمٰوات والارض وحاملان عرش گواہ ہیں اور خود عرش عظیم کا مالک ہے وکفیٰ باللہ شھیدا کہ ان اقوال مذکورہ کا قائل بیباک کافر مرتد کذاب ناپاک ہے۔ اگر یہ[1] اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقیناً کافر اور جو اس کے ان اقوال یا ان کے امثال پر مطلع ہو کر اُسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر ندوۂ مخذولہ اور اس کے ارکین کہ صرف توتے کی طرح کلمہ گوئی پر مدار اسلام رکھتے اور تمام بددینوں گمراہوں کو حق پر جانتے خدا کو سب سے یکساں راضی مانتے سب مسلمانوں پہ مذہب سے لا دعوے دینا لازم کرتے ہیں جیسا کہ ندوہ کی رو داد اوّل و دوم ورسالہ اتفاق وغیرہا میں مصرح ہے ان اقوال پہ بھی اپنا دُہی قاعدہ ملعونہ مجرد کلمہ گوئی نیچریت کا اعلیٰ نمونہ جاری رکھیں اس کی تکفیر میں چون وچرا کریں تو وہ بھی کافر وہ ارکین بھی کفار مرزا کے پیرو اگرچہ خود ان اقوال انجس الابوال کے معتقد بھی نہ ہوں مگر جب کہ صریح کفر وہ کھلے ارتداد دیکھتے سُنتے پھر مرزا کو امام وپیشوا ومقبول خدا کہتے ہیں قطعاً یقیناً سب مرتد ہیں۔ سب مستحق نار۔

---

[1] یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے اس فتوے کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریریں خود نظر سے گزریں جن میں قطعی کفر بھرے ہیں۔ بلاشبہ وہ یقیناً کافر مرتد ہے ۱۲

شفا شریف میں ہے

نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل او وقف فیھم او شك۔

یعنی ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو کافر کو کافر نہ کہے یا اس کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے۔

شفا شریف نیز بزازیہ و درر و غرر و فتاویٰ خیریہ و درمختار و مجمع الانہر وغیرہ میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر

جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے یقیناً خود کافر ہے۔

اور جو شخص باوصف کلمہ گوئی وادعائے اسلام کفر کرے وہ کافروں کی سب سے بدتر قسم مرتد کے حکم میں ہے۔ ہدایہ و درمختار و عالمگیری و غرر و ملتقی الابحر و مجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

صاحب الھوی ان کان یکفر فھو بمنزلة المرتد

فتاویٰ ظہیریہ و طریقۂ محمدیہ و حدیقۂ ندیہ و برجندی شرح نقایہ و فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامھم احکام المرتدین

یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں۔ اور شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے۔ اب اگر بے اسلام لائے اپنے اُس قول و مذہب سے بغیر توبہ کیے یا بعد اسلام و توبہ عورت سے بغیر نکاح جدید کیے اُس سے قربت کرے زنائے محض ہو جو اولاد ہو یقیناً ولد الزنا ہو یہ احکام سب ظاہر اور تمام کتب میں دائر و سائر ہیں فی الدر المختار عن غنیة ذوی الاحکام مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا اور عورت کا کل مہر اس کے ذمے عائد ہونے میں بھی شک نہیں جب کہ خلوت صحیحہ

ہو چکی ہو کہ ارتداد کسی دین کو ساقط نہیں کرتا۔ فی التنویر وارث کسب اسلامہ وارثہ المسلم بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فی بعد قضاء دین ردتہ اور معجل تو فی الحال آپ ہی واجب الادا ہے رہا موجل وہ ہنوز اپنی اجل پر رہے گا مگر یہ کہ مرتد بحال ارتداد ہی مرجائے یا دار الحرب کو چلا جائے اور حاکم شرع حکم فرمادے کہ وہ دار الحرب سے ملتحق ہوگیا اس وقت موجل بھی فی الحال واجب الادا ہو جائے گا اگرچہ اجل موعود میں دس بیس برس باقی ہوں۔ فی الدر ان حکم القاضی بلحاقہ حل دینہ فی ردالمختار لانہ باللحاق صار من اہل الحرب وہم اموات فی حق احکام الاسلام فصار کالموت الا انہ لایستقر لحاقہ الا بالقضاء لاحتمال العود واذا تقرر موتہ تثبت الاحکام المتعلقۃ بہ کما ذکرنا۔ اور اولاد صغار ضرور اس کے قبضے سے نکال لی جائے گی۔ حذرا علی دینہم الا تری انہم صرحوا بنزع الولد من الام الشفیقۃ المسلمۃ ان کانت فاسقۃ والولد یعقل یخشی علیہ التخلق بسیرہا الذمیمۃ فما ظنک بالاب المرتد والعیاذ باللہ تعالٰی قال فی ردالمختار الفاجرۃ بمنزلۃ الکتابیۃ فان الولد یبقی عندہا الی ان یعقل الادیان کما سیأتی خوفا علیہ من تعلمہ منہا ما تفعلہ فکذا الفاجرۃ الخ وانت العلم ان الولد لایحضنہ الاب الا بعد ما بلغ سبعا او تسعا وذلک عمر العقل قطعا فیحرم الدفع الیہ ویجب النزع منہ وانما اخرجنا الی ہذا ان الملک لیس بید الاسلام والا لسلطان[1] این یبقی لمرتد حتی یبحث عن حضانتہ

---

[1] فان سلطان الاسلام مامور بقتلہ لا یجوز لہ انفاذہ بعد ثلثۃ ایام ۱۲ منہ

الا ترى الى قولهم لاحضانة لمرتدة لانها تضرب وتحبس كا اليوم فانى تتفرغ للحضانة فاذا كان هذا فى المحبوس فما ظنك بالمقتول ولكن انا لله وانا اليه راجعون ولاحول ولاقوة الّا بالله العلى العظيم مگر ان کے نفس یا مال میں بدعوے ولایت اس کے تصرفات موقوف رہیں گے اگر پھر اسلام لے آیا اور اس مذہب ملعون سے توبہ کی تو وہ تصرف سب صحیح ہو جائیں گے اور اگر مرتد ہی مر گیا یا دار الحرب چلا گیا اور حکم لحوق ہو گیا تو باطل ہو جائیں گے۔ فی الدر المختار یبطل منه اتفاقا ما یعتمد المساواة وهو المفاوضة او ولایة متعدية وهو التصرف على ولده الصغير ان اسلم نفذ وان هلك او لحق بدار الحرب وحكم بلحاقه بطل اھ مختصرا اسأل الله الثبات على الايمان وحسبنا الله ونعم الوكيل وعليه التكلان ولاحول ولاقوة الّا بالله العلى العظيم وصلى الله تعالىٰ على سيدنا ومولينا واٰله وصحبه اجمعين اٰمين والله تعالىٰ اعلم

کتبہ

محمدی سنی حنفی قادری
عبد المصطفیٰ احمد رضا خان

عبده المذنب احمد رضا خان البریلوی
عفی عنه بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

وصی احمد
محمد
ناصر دین

ایک اہم خط

یہ خط مولوی عبدالعزیز (نبی بخش) کی طرف سے لاہور کے مشہور اخبار "پیسہ اخبار" میں چھپا جو مرزا صاحب کی زندگی کے بعض اہم پہلو اُجاگر کرتا ہے۔ یہ خط اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ مولوی عبدالعزیز مرزا صاحب کے حلقۂ احباب میں ایک اہم مقام رکھتے تھے "ضمیمہ انجام آتھم" میں اُن احبابِ خاص کا نام ایک فہرست کی صورت میں چھپا ہے جن کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ ان ۳۱۳ خاص مریدوں میں مرید مذکور کا نام ۷۶ نمبر پہ آتا ہے۔ خط پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ یہ گھر کا بھیدی کس طرح لنکا ڈھاتا ہے۔

یہ خط "تازیانہ عبرت" سے لیا گیا ہے جو مولانا کرم دین دبیرؒ کی تصنیف ہے۔

عبدالعزیز کا دوسرا نام نبی بخش ہے۔ ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ ۴۲ پر فہرست مریدان میں ۲۷۰ پر وہی منشی نبی بخش صاحب مع اہل بیت درج ہے۔ تھوڑے سے دنوں سے اس نبی بخش پھر توبہ نامہ شائع کیا تھا۔ اب اس وقت باہر آیا ہوا ہے۔

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار لاہور

السلام علیکم۔ "الحکم" کے ایڈیٹر نے آپ کے ریمارکس "حقیقت المہدی" پر ناراض ہو کر بہت زہر اگلا ہے اور آپ سے بعض باتوں کے مطالبہ کے لیے زور دیا ہے چونکہ ان میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کا جواب میں اپنے ذمہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے ان کو قلمبند کر کے ارسال خدمت کرتا ہوں آپ براہ مہربانی ان کو اپنے قیمتی پرچے میں جگہ دیں تاکہ ایڈیٹر "الحکم" (قادیانی پرچہ) اور اُن کے ہم خیالوں کے لیے تسلّی کا موجب ہو۔ اوّل اپنے راسخ الخیال ہو چکنے کی نسبت جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس کے لیے میں امید نہیں کرتا کہ آپ کے پرچے میں جگہ ہو' اس کا مفصّل بیان رسالہ 'الہلال' میں ہوگا۔ اس جگہ صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ مرزا صاحب نے کمال محبّت کے باعث مجھے اپنے گھر پر وہ جگہ دی ہوئی تھی جس میں نواب محمد علی خان صاحب مالیر کوٹلہ والے اُترا کرتے تھے اور وہ مکان ان کے مکان کی دیوار بدیوار ہے اور اس دیوار میں ایک دریچہ بھی ہے جس سے مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ جو میری بیوی سے کمال محبت رکھتی تھیں ہر روز آ کر رات تک اس مکان میں بیٹھا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ جب ہم بٹالہ میں تھے تو بیوی صاحبہ دو دفعہ وہاں بھی تشریف لائیں۔ اس کا مرزا صاحب اور اُن کے مریدوں کو بخوبی علم ہے۔ اس کی تحقیق رسالہ "الحکم" سے بھی کر لیجیے۔ اگر اُسے سچ کہنا گوارا ہوگا تو انکار نہیں کرے گا۔ اگر میرے راسخ الاعتقاد ہونے میں کسی قسم کی شیطانی رگ کے ذریعے فرق آ گیا ہوتا اور اب وہ گو جانتا ہے۔ موجودہ خاص الخاص مریدوں میں سے کس کس میں شیطانی رگ ہے جو ہمارے ملک میں مشہور ہے (لنگڑے یا کانے میں ایک رگ زیادہ ہوتی

تو مرزا صاحب جو مُلہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن کی ہر ایک بات وحی تصوّر کی جاتی ہے، خدا تعالیٰ سے اس امر کی ضرور اطلاع پاتے اور اپنے گھر والوں کو ہمارے ساتھ رابطہ نہ کرنے دیتے۔

دوم میرے راسخ الاعتقاد ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہے۔ مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ جب تمام جوان عورتوں کو جن کی نسبت مرزا صاحب گورداسپور کے مقدمہ میں حلفاً بیان کر چکے ہیں کہ وہ عمر رسیدہ عورتیں ہیں صبح کو ہوا خوری کیلیے نکلتی تھیں تو ان کی حفاظت کا کام میرے سپرد ہوتا تھا اور ایک دفعہ بھی ان عورتوں کے ریوڑ کی حفاظت کے لیے کوئی دُوسرا مرید مقرّر نہ ہوا۔ اس ریوڑ میں ایڈیٹر "الحکم" کی بیوی بھی شامل ہوتی تھی۔ اب ایڈیٹر صاحب اس کا جواب دیں۔ کہ مجھ سے بڑھ کر کون راسخ الاعتقاد سمجھا جاتا تھا۔

سوم، مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ عشا کو بھی کبھی کبھی اپنی ہجولیوں کے ساتھ باغ میں جایا کرتی تھیں اور ان میں ایڈیٹر کی بیوی بھی ہوتی تھی۔ جو کوڈ کبڈی میں شامل ہوتی تھی۔ ایسے پُرخطر وقت میں جبکہ عورتیں زیورات سے لدی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان کی حفاظت کا کام میرے ذمہ ہی ہوتا تھا۔ اِن سب باتوں کا علم ایڈیٹر "الحکم" کو بھی ہے اگر اس کے دل میں خدا تعالیٰ کا ذرا بھی خوف ہو تو جھوٹ نہیں بولیگا پھر جناب مرزا صاحب خدا ان کی عمر دراز کرے موجود ہیں۔

چھارم، میں اُن کے ۳۱۳ صحابہ کبار میں سے ہوں، جن کی نسبت مرزا صاحب کا خیال کہ اُن کا وہی مرتبہ ہے جو جنگ بدر والوں کا تھا۔ ان ۳۱۳ کی فہرست مرزا صاحب کی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے[1]۔ اور پھر میرے نام کو چند اور کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ بیان کیا۔ اس فہرست میں میرا نام درج کرنے کے وقت مرزا صاحب نے ایڈیٹر کو کوئی اطلاع نہ دی کہ مجھ میں

---

[1] اس فہرست میں ۷۶ نمبر پر نام درج ہے (نبی بخش)

کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

پنجم، مرزا صاحب کی بیوی کو میری بیوی کے ساتھ یہ محبت تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے لڑکے کو میری بیوی کا بیٹا قرار دیا اور میرے لڑکے کو اپنا بیٹا قرار دیا۔ اس پر انہوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ اور ہم نے زردے اور نمکین پلاؤ کی دیگیں پکائیں اور تمام مریدین قادیان کو دعوت دی۔ ایڈیٹر الحکم نے بھی خوب پلاؤ گوشت سے پیٹ ٹھونسا اور اُس وقت اُسے ذرہ خیال نہ آیا کہ مجھ میں کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

ششم، جب مرزا صاحب پر ہنری کلارک صاحب نے مقدمہ دائر کیا اور ڈگلس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے بٹالہ میں قیام کیا اور مرزا صاحب نے سب مُریدوں کو تار دیا اور سب نے بٹالہ آکر کئی روز ڈیرہ کیا اس وقت بندہ ہی نے سب کی مہمان نوازی کا ذمہ اٹھایا اور ہر طرح کے اخراجات کو گوارا کیا۔ اس کے علاوہ میرا گھر ہمیشہ مرزا صاحب کے مریدوں کے لیے ہوٹل رہا۔ جو چاہتا قادیان جاتے وقت بھی ٹھہرتا اور جو چاہتا قادیان سے آتے وقت بھی وہاں ہی اُترتا۔ خواجہ کمال الدین اور مفتی محمد صادق اور کئی ایسے معزز مریدوں کی بیویاں رات کو میرے ہی مکان میں آرام کرتی رہیں۔ اس وقت ایڈیٹر صاحب نے کسی پیر بھائی کو اطلاع نہ دی کہ مجھ میں کوئی شیطانی رگ باقی ہے۔

ہفتم مرزا صاحب نے مجھے سرکاری طور پر اپنا مختار بھی کر دیا تھا۔ اگر اُن کو مجھ پر کوئی شک یا شبہ ہوتا تو یہ ذمہ داری کا کام میرے سپرد کیوں کیا جاتا۔ اس جگہ یہ منظور نہیں کہ میں اپنی خدمت گذاریاں جتاؤں۔ خدائے علیم بذات الصدور خوب جانتا ہے اس قدر بیان کرنا صرف ایڈیٹر الحکم کے خیال کے مٹانے کو ضروری تھا۔ کاش وہ مضمون لکھتے وقت جناب مرزا صاحب کا مشورہ لیتے اور معقول بحث کی طرف توجہ فرماتے۔ گیند کے پھاڑنے سے جلیبی چھڑے ہی نکلیں گے۔ آئندہ احتیاط کو کام میں لائیں۔ اور حسب شرائط "حقیقت المہدی" کا جواب لکھ کر

دو صد روپیہ پائیں۔ اب رہا باغ کا معاملہ سو اس کا علم ایڈیٹر صاحب کو بخوبی ہے۔ خود مرزا صاحب نے اپنے خسر اور بیوی صاحبہ کے کہنے سے باغ کا اہتمام میرے ذمے ڈالا۔ اور یہ ضرورت ان کو اس واسطے پڑی کہ آپ کی بیوی کو عورتوں کے ہمراہ باغ میں جانے اور دل بہلانے کا شوق ہے اور جب وہ باغ میں جاتی تھیں تو ٹھیکہ دار باغ ان کو باغ کے اندر نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ وہ خود درختوں سے پھل توڑنا چاہتی تھیں اس لیے اُنہوں نے اپنے فایدہ کے لیے وہ باغ میرے سپرد کیا اور جب تک باغ میرے پاس رہا مرزا صاحب کی بیوی صاحبہ تمام عورتوں کو ہمراہ لاتی رہیں اور اپنے ہاتھوں سے پھل توڑتی رہی ہیں بلکہ آتے وقت ہر عورت جھولیاں بھر کر خاوندوں کے لیے بھی لے جاتی رہی ہیں۔ ایڈیٹر الحکم کی بیوی نے بھی اُن کے آگے کئی مرتبہ میوہ جات نظر کیے ہوں گے۔ ایڈیٹر صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے محض مرزا صاحب کی بیوی کی خاطر غیروں کے پاس باغ فروخت نہیں کیا تاکہ اُن کو اور اُن کی ہمجولیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ علاوہ اس کے پھل کے دنوں میں آموں کے ٹوکروں کے ٹوکرے عام مریدوں کے لیے بھی آتے رہے ہیں۔ اور سب سے زیادہ لالچی آموں کے ایڈیٹر صاحب ہی ہوتے رہے۔ اس بات کی مرزا صاحب بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں نے مرزا صاحب کے باغ پر صدہا روپے لگا کر برباد کر دیئے اور اپنی نمبرداری اور زمینداری کا ذرہ خیال نہیں کیا۔ کیا ایڈیٹر صاحب کو اس قدر واقعات کے بعد بھی خیال نہ آیا کہ میں قادیان میں فایدہ پہنچانے کو گیا تھا یا فایدہ اُٹھانے کو۔ اب رہا مرزا صاحب کی صحبت سے فایدہ اٹھانا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ سو مرزا صاحب کی صحبت سے تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اُن کے عقاید مخالفِ اسلام ہیں اور اُن کا دعویٰ پیغمبری کا ہے اور اپنے منکروں کو کافر جانتے ہیں۔ کیا یہ میرے لیے کافی نہیں۔ رہی نماز سو خدا کے فضل سے کبھی ضایع نہ ہوئی۔ ہاں مرزا صاحب محض علمائے اسلام کو سبّ و شتم کے تحریر کرتے وقت بہتر بہتر نمازیں جمع کر کے ضایع کر دیتے تھے بلکہ حج جو فرض عین ہے اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ

شیخ رحمت اللہ صاحب اور مولوی نورالدین جیسے متموّل لوگوں کو قطعاً معاف کرا دیا ہے۔ شیخ صاحب کی طرف دیکھیے ولایت کو کیسے بھاگتے ہیں اور حج سے کس طرح ڈرتے ہیں۔ زکوٰۃ کبھی مرزا صاحب نے نہیں دی۔ حالانکہ گھر میں ہزار ہا روپے کا زیور موجود ہے اور روزے تو جان بوجھ کر مریدوں سے چھڑا دیتے ہیں۔ اگر کسی نے ذرا عذر کر دیا کہ مجھے فلاں تکلیف ہے تو روزوں کی معافی ہے علاوہ اس کے کبھی آپ نے خود امامت نہیں کرائی۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بڑا ثواب سمجھتا ہوں لیکن اس بات کو میں ہمیشہ مکروہ خیال کرتا رہا ہوں کہ مولوی نورالدین صاحب اور محمد احسن امروہی جیسے فاضلوں کو امامت کے لیے اجازت نہ دی جائے اور ایک ناقص الاعضا شخص کو امام بنایا جاوے جس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے لیکن پھر بھی میں دیکھا دیکھی اُن کے پیچھے نماز پڑھتا رہا ہوں۔ اب ایڈیٹر الحکم بتائیں کہ کتنی نمازیں میں نے ایسے امام کے پیچھے نہیں پڑھیں۔ میرا اعتقاد وہی ہے جو مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونے سے پہلے تھا۔ میں خود پنج بناء اسلام پر قائم ہوں۔ اور جو شخص ہے میرے نزدیک مسلمان ہے۔ میں حدیث کا منکر نہیں ہوں۔ البتہ صرف ایسی حدیثوں کا منکر ہوں۔ جن کے معنے مرزا صاحب من گھڑت کرکے ایزاد پر لگاتے ہیں۔

ایک ورق ابتدائی حقیقت المہدی بعد ترمیم جناب ایڈیٹر صاحب "پیسہ اخبار" کی خدمت میں مرسل ہے۔ اس میں میرے عقیدے کا مفصّل بیان ہے۔ ایک ورق ایڈیٹر الحکم کو بھی بھیج دیا ہے۔

خاکسار مولوی عبدالعزیز نمبردار رئیس بٹالہ ضلع گورداسپور

بسم الله الرحمٰن الرحيم
الحمد لله علم آدم الاسماء كلها

لما الك ملكه حمن سلام ... علي مرسوله علم الكال
حمودا احمد و محمد و ... طهور معا اولاء و ال
اما مملوك احمد اهل علم ... والهام وحلال السوال
لودك كم مدى همع الدموع ... وطا طا راس اعلام عوال
على مر المدى وكم المودة ... وحمل اهلها ادهى الحمال
هوالك الدهر ما دار السماء ... ورام لك اهله روم العسال
اطاعك عالم طوعا وسهلا ... رأوك معلما سهل المال
محامدك الا واسع هم اماح ... وطورا كلها ملعبا حال
هداك الله مسلك اهل ود ... واعلم كل اسرار الكمال
وكم مر اسعوا وراوا احلا لك ... وكم وا دولك معد موالوصال
وكم مدحوك لما هم اطاعوا ... الى دعواك الوالا كدال
حكوا الملائح الكلم المدلل ... مكارم لك الهما لسما معال
رسائل حرر واسطر واحلاك ... وعدولك المدى اولى اوال
وهم علموك موعود الرسول ... وملهم مالك مولى الموال
امام الدهر مرسول الا له ... ومصلح اهل عصر صلحال
دعوا على الدعاء الا اهلوا ... ر والموعود مسعود المسال
رسائلك الرسائل للهداء ... لهم وطهم مراك سال
كلاملك للن واه لهم دوآء ... مر و روع ما للمروع صال
وما ارواحهم الا ودادك ... على اسماك ورد كل كل حال
وهم رهط اولو ورع وحلم ... عمائد اهل كرم و الكمال
وكم عادوك ما والوك اصلا ... وكم لا موك ملوم الملال

سراوا الهامك الولع الموسوس	وعدوك المليح لطمع مال
وسموك الماثول للصرائح	وراد مسلم الرهط الاوال
وهاكم لهوا راء العدول	الى كم لطمهم داماء المحال
عدول مرسلى المسعود سهل	موارده امام اولى المحال
ومحمود عطاء العالم اسماً	همام اهل امر والعدال
اواثله الكرام امام سلم	مكارمهم كاعداد الرمال
علومهم كامطار الدهور	وعلم الدهر طرًا كالطلال
دراملك دارهم كحل المدارك	وكحل سوائهم دلك الهلال
عصاهم الحسام لكل عدو	حسامهم السلام لكل حال
مدى اعماله اعلام علم	واعلاء الهدى وسط الضلال
ممد للاولاء العلوم	ومعط اهلها اعدادمال
اما والله اسئلك المسائل	اسل هلم سل اولى لسوال
الاهل صار دعونك الرسال	كموحى الله معصوم المحال
ام اصطاد واصعادوك هواء	اصلهم الهوى سوء الملال
وما اصلاكم ملك العلوم	وملهم واحد وهدى كسال
وهل كلم الرسول اصول علم	كمسطور الاله على الاصال
وهل كلم الهدى مدلوهاما	درى العلماء ملمع الدلال
ام اسرار ومسلكه معلى	وما اطلع العوام على المئال
كلام الله هل محوى العلوم	١١ دراها الاالله لكل وال

كما ادراك ام لا علم كلا

سوى العلام محمود وعال

اشاریہ

اسماء الرجال

الف

ب

پ

خ

د - ڈ

ر - ز

غ

ف

اماکن

الف

ب

پ

ت

ج

چ

ح

خ

اخبار۔ رسائل۔ کتابیں

الف

ب

ج ۔ چ

ح ۔ خ

د

ر

س

ش

ض

ط

ع

ف

58

احمد خالد رشید

انتساب

حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کے نام!